بانیِ جامعہ عُلومِ اِسلامیہ علّامہ بنُوری ٹاؤن کے دستیاب فتاویٰ کا مجموعہ

فتاویٰ بنوریؒ

مُحدّث العصر علّامہ سید محمد یوسُف بنوری نوّر اللہ مرقدہ

ترتیب و تخریج

مَجلِس دَعوت و تحقِیق اِسلامی

مکتبہ بیّنات

جامعہ عُلومِ اِسلامیہ علّامہ بنوری ٹاؤن کراچی

١٤٤٨ھ - 2026ء

مکتبہ بیّنات
جامعہ علوم اسلامیہ
علّامہ بنوری ٹاؤن کراچی

Tel: +92-21-34927233 - Ext. 146-147
E-mail: bayyinat@banuri.edu.pk
www.banuri.edu.pk

بانیِ جامعہ عُلومِ اِسلامیہ علّامہ بنُوری ٹاؤن کے دستیاب فتاویٰ کا مجموعہ

فتاویٰ بنوریؒ

مُحدّث العصر علّامہ سید محمد یوسُف بنوری نوّراللہ مرقدہ

ترتیب و تخریج

مَجلِس دَعوت و تحقِیق اِسلامی

مکتبہ بیّناتؒ

جامعہ عُلومِ اِسلامیہ علّامہ بنوری ٹاؤن کراچی

قل هل يستوي الذين يعلمون والذين لا يعلمون

اللهم صل على سيدنا محمد وسلم

فہرست مضامین

فہرست مضامین 5
مقدمہ 16

کتاب الإیمان والعقائد

ایمان وعقائد کا بیان 35
قرآنی احکامات میں تبدیلی کے امکان کا نظریہ رکھنے والوں کا حکم 35
قرآن میں تحریف کرنے والا باجماع امت کافر ومرتد ہے 45
﴿وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ...﴾ وغیرہ آیات کے مذکورہ فی السوال تراجم میں توہینِ رسالت کا کوئی پہلو نہیں ہے 49
حضور اکرم ﷺ کو عالمِ بیداری میں دیکھنے کا حکم 52
مسئلۂ علم غیب 55
درودِ تاج میں "دافع البلاء والقحط والمرض والألم" کے الفاظ اور مذکورہ درود پڑھنے کا حکم. 57
حیاتِ انبیاء، عذابِ قبر، توسل بالانبیاء والصلحاء اور سماع موتی کے متعلق اکابرِ دیوبند کا مسلک 59
عصمتِ انبیاء، عدالتِ صحابہ اور رضاءِ خداوندی کا معنی ومفہوم 67
انبیاء معصوم اور صحابہ کرام معیارِ حق ہیں 72
معیارِ حق کی تعریف 74
کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین معیارِ حق ہیں؟ 74
کیا رضاءِ الٰہی گناہوں سے حفاظت کا باعث ہے؟ 78
صحابہ کرام پر تنقید کرنا جائز ہے یا نہیں؟ 79

کتاب ''خلافتِ معاویہ ویزید'' کی تائید وتصدیق کرنے والے کا حکم 81
سماعِ موتی اور مردوں سے سوال کی تحقیق/مردے سنتے ہیں یا نہیں؟ 82
مرزا قادیانی کو مجدد ماننے والوں کا حکم 87
مرزائیوں کے لاہوری گروپ اور ان کو کافر نہ سمجھنے والے کا حکم 91
معمولی بات پر مسلمان کی تکفیر بہت خطرناک بات ہے 92
کسی مسلمان کو کافر کہنے کا حکم 94
خلافِ شریعت کشف کے متعلق سوالات 95
باب البدعات والرسوم 99
محفلِ میلاد النبی ﷺ منعقد کرنے کا حکم 99
مروجہ عید میلاد النبی ﷺ منانے کا حکم 100
جمعہ کے دن مروجہ صلاۃ وسلام پڑھنے کا حکم 103
مروجہ حیلۂ اسقاط کا حکم اور حیلۂ اسقاط کی جائز صورت 110
ایصالِ ثواب کے لیے ختمِ قرآن پر دعوت کا حکم 115

کتاب العلم

علم کا بیان 117
قرآن شریف کا ترجمہ بلا متن شائع کرنے کا حکم 117
چند آیات کا صرف ترجمہ بلا متن شائع کرنے کا حکم 118
غیر مسلم کو بذریعہ قرآن اسلام کا تعارف کرانے کی کیا صورت ہوگی؟ 118
آیت ﴿وَلَا تَقُولَنَّ لِشَيْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا إِلَّا أَن يَشَاءَ اللهُ﴾ میں أَن يَشَاءَ الله مستقبل قریب ہے یا مستقبل بعید؟ 119
آیت ﴿إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ...﴾ کو تعجب کے لہجے میں پڑھنے کا حکم 121

مروجہ محافلِ حسنِ قراءت اور مقابلۂ قراءت کے انعقاد کا حکم.....123
حرفِ ضاد کا مخرج 127
حرفِ ضاد کا مخرج اور صفات ذاتیہ 130
درمیانِ کلام میں وقف کی صورت کے متعلق سوال/قراءت اور ادعیہ واذکار میں سانس توڑے بغیر وقف کرنا.....131
حدیث ''النكاح من سنتي ... ''الخ کی تحقیق، نیز خطبۂ نکاح کے احکام.....133
حدیث ''فاطمة بضعة مني وإني أكره أن يسوءها'' کے متعلق اعتراضات اور جوابات..138
حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دینے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کی باری دینے کے متعلق روایت پر اعتراض وجواب 146
حدیث ''من تشبّه بقوم فهو منهم'' کا مطلب 149
شب براءت کے متعلق حدیث کی تحقیق 150
اشارۃً ناتمام درود شریف لکھنے کا حکم 154
معراج کی رات طویل تھی یا معمولی؟.....156
صلحِ حدیبیہ میں حضور ﷺ کے حکم کے باوجود صحابہ رضی اللہ عنہم کی جانب سے حلق وقربانی میں تاخیر کی توجیہ 157
صحابی کی رائے چھوڑ کر اپنی رائے پر عمل کرنے کا حکم 158
رجال کی کتب میں ''شيعي محترق'' کے الفاظ کا مطلب.....159
کتبِ ستہ کے بعض رواۃ شیعہ ہیں 159
شیعہ ''داعيه إلى النحلة'' نہ ہو تو شیعیت کی بناپر غیر ثقہ نہیں 159
فرض اور واجب کی تعریف اور ان کے درمیان فرق باعتبارِ ثبوت ودلالت ادلّہ سمعیہ کی اقسام 161

تقلید واجب اور ضروری ہے 162
مودودی صاحب مجتہد نہیں ہیں نیز اجتہاد کی شرائط 164
نفرت انگیز بیانات اور علماء پر تعریض کرنے والے کو وعظ و تبلیغ سے روکنا 165
موجودہ دور میں جماعتِ حقہ کون سی ہے، جس سے الحاق کیا جائے؟ 166

كتاب التاريخ والسير

تاریخ وسیرت کا بیان 169
تاریخ کے لیے عیسوی سن اپنانے کا حکم 169

كتاب الطهارة

طہارت کا بیان 170
زکام کی وجہ سے نکلنے والے آنسو ناقضِ وضو نہیں ہیں 170
زکام کی وجہ سے نکلنے والے آنسوؤں کے ناقضِ وضو نہ ہونے پر بعض عباراتِ فقہاء کی روشنی میں سوال اور جواب 171
الرجل القادر على الوضوء دون الغسل بالمرض يتوضأ ويتيمم معا أم لا؟ 181
حیض کی حالت میں قرآن چھونے اور زبانی پڑھنے کا حکم 183
حوضِ شرعی کی مساحت 184
گلہری کے گنے کے رس میں گر کر مرنے اور پھولنے سے گنے کے رس کا حکم 190

كتاب الصلاة

نماز کا بیان 193
ریکارڈ شدہ اذان نشر کرنے کا حکم 193
ما حكم اسبرت(اسپرٹ) وما حكم الصلاة خلف من كان في جيبه قلم وفيه حداد مخلوط باسبرت 196

قطب تارے سے سمتِ قبلہ کی تعیین کرنا، نیز عینِ قبلہ سے کتنا درجہ انحراف درست ہے؟ 197
حکم التسمیة بین السور جهراً فی التراویح وغیرها من النوافل 199
قعدۂ اخیرہ میں ایک سے زیادہ دعا پڑھنے کا حکم.....201
فرائض وسنن کے بعد بہیئت اجتماعیہ دعا کا ثبوت ہے یا نہیں.....205
فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کا ثبوت.....209
فرض نماز کے بعد دعا کا حکم 213
لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے نماز کا حکم 215
وتر میں دعائے قنوت کی جگہ سورۂ اخلاص پڑھنے کا حکم 216
قنوت کی اقسام اور احکام.....218
چاشت میں قراءت بالجہر کا حکم.....221
عین نماز کے وقت نماز اور امامت چھوڑ کر ہوٹل چلانے والے کی امامت 222
بد فعلی کے مرتکب کی امامت کا حکم 223
مسجد میں جانے کے جواز پر ''رابطہ عالم اسلامی'' کی قرارداد اور عورتوں کے لیے حضرت بنوریؒ کا موقف 225
تراویح میں ختمِ قرآن پر اجرت لینے کی مختلف صورتیں اور ان کا حکم 234
احترام جمعہ /اسلامی نقطۂ نظر سے جمعہ کی تعطیل 237
فیکٹری میں باہر کے افراد کو اندر آنے کی اجازت نہ ہو تو جمعہ کے قیام کا حکم.....240
قریہ صغیرہ میں قاضی وحاکم کی اجازت سے نمازِ جمعہ کا حکم 241
خطبۂ جمعہ مقامی زبان میں دینے اور خطبہ میں حاکم وقت کا نام لینے کا حکم 247
غیر عربی میں خطبۂ جمعہ ناجائز وخلافِ اجماع ہے 251
خطبۂ جمعہ میں ملک کے صدر کا نام لینے اور نعرے لگانے کا حکم.....252

خطبۂ جمعہ غلط پڑھنے والے کی امامت کا حکم 252
ملازمت کے عذر سے نماز ترک یا قضا کرنا جائز نہیں ہے 253
نمازِ استسقا کی کتنی رکعات ہیں؟ 255
مسجد کے باہر قبلہ کی جانب جنازہ رکھ کر مسجد میں جنازہ ادا کرنے کا حکم 256
حضرت رائے پوری رحمہ اللہ کی میت کی منتقلی کے متعلق دارالافتاء کا موقف 257

كتاب الزكاة

زکاۃ کا بیان 258
زمین داخلِ نصاب ہے یا نہیں؟ 258
جس زمین کی مال گزاری اور پانی کی قیمت وغیرہ سرکار کو ادا کی جاتی ہو اس پر عشر کا حکم 259
مالک کی صرف زمین ہو اور باقی تمام اسباب: بیج، بیل وغیرہ مزارِع کا ہو تو عُشر کس پر ہوگا؟ 261
سماجی ورفاہی تنظیم کے عملے کو زکاۃ کی مد سے تنخواہ کی ادائیگی کا حکم 263
وکیل کے لیے زکاۃ کی رقم دوسرے مصرف میں خرچ کرنا کیسا ہے؟ 266

كتاب الصوم

روزے کا بیان 268
مشرقی پاکستان کی رؤیت، مغربی پاکستان والوں کے حق میں معتبر ہوگی یا نہیں؟ 268
رؤیتِ ہلال کے سلسلے میں ریڈیو کی خبر معتبر ہوگی یا نہیں؟ 268
رؤیتِ ہلال پر شرعی گواہی کے بعد کسی کا انکار درست نہیں نہ ہی ریڈیو یا ٹی وی کی اطلاع ضروری ہے 272

كتاب الحج

حج کا بیان 276
سرکاری ملازمین کی تنخواہ سے حج فنڈ قائم کرکے صاحب استطاعت یا کسی غیر مستطیع کو حج پر بھیجنے کا حکم ... 276
حیض کی حالت میں عورت حج کے کون کون سے اعمال ادا کرسکتی ہے؟ 279

سفر حج کے اخراجات میں کوئی دوسرا شخص مالی معاونت کرے تو کیا فریضہ حج ادا ہو جائے گا؟ 281
حجِ تمتع میں دمِ شکر ادا کیے بغیر حلال ہونے کی صورت میں حکم 283
معنی الدم و الفدیة فی الحج 284
حکم الحج عن الغیر 287

کتاب النکاح

نکاح کا بیان 289
شادی کے لیے لڑکی کو دیکھ کر پسند کرنے کا حکم 289
مزنیہ سے دورانِ حمل نکاح کرنا 290
ولدِ زنا (لڑکی) کا مسلمان لڑکے سے نکاح کا حکم 291
سالی سے زنا کیا تو نکاح ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟ 291
باپ کی موجودگی میں دادا کو نابالغ پوتے یا پوتی کے نکاح کا اختیار نہیں ہے 292
عورت کے اپنے معتوہ ستر سالہ سسر پر زنا کا الزام لگانے سے حرمت مصاہرت کا حکم 294
نکاحِ متعہ بالکل حرام ہے/نکاحِ متعہ کی شرعی حیثیت 295
شوہر اور اس کے گھر والوں کی طرف سے بیوی کو دیئے گئے زیورات کا حکم 296
طلاق کے بغیر دوسرے مرد سے نکاح کا حکم/منکوحہ کی دوسری جگہ نکاح پڑھانے والے کی امامت کا حکم/بیوی کو چھوڑنے کی نیت سے طلاق کا حکم 298

کتاب الطلاق

طلاق کا بیان 301
"ایک، دو، تین، تو میری ماں بہن ہے، جاؤ" کہنے سے طلاق کا حکم 301
"تو میری ماں ہے، بہن ہے، پھوپھی ہے" کہنے کا حکم 302
نشے کی حالت میں طلاق واقع ہو جاتی ہے 303

مضارع کے صیغے سے وقوعِ طلاق کا حکم 303
زبانی اور تحریری طور پر جبری طلاق کا حکم 307
شاہدوں کی گواہی (زبان بندی) 308
طلاق معلق اور حالتِ غضب میں طلاق 316
تین طلاق تحریراً دینے سے کتنی طلاقیں واقع ہوں گی؟ 317
عورت طلاقِ مغلظہ کی مدعیہ اور شوہر منکر ہو تو شرعاً کیا حکم ہوگا؟ 320
زوجۂ متعنت کا حکم 322
زوجۂ متعنت کے لیے فسخِ نکاح کی صورت 325
غیر مسلم ملک میں مقیم مسلمان عورت کا خاوند متعنت ہو تو جدائی کی کیا صورت ہوگی؟ 328
موجودہ عدالتوں کی تنسیخِ نکاح کا حکم 332
فسخِ نکاح کی ایک صورت 334
زوجۂ مفقود کے لیے فسخِ نکاح کی صورت 335
اپنی مطلقہ بیوی سے نکاح کرنے والے شخص سے رقم لینا 336
عنین کی بیوی پر بھی خلوت کے بعد عدت لازم ہے 337
اپنے زانی دیور سے نکاح کرنے کے لیے مزنیہ عورت پر عدت لازم ہے یا نہیں؟ 338
معتدہ کے لیے اجنبی یا محرم کو دیکھنے کا حکم 339

كتاب الأيمان والنذور

ایمان ونذور کا بیان 343
قسم اٹھائی کہ تنخواہ نہیں لے گا، پھر مجبور ہو تو تنخواہ لے اور کفارہ ادا کرے 343

كتاب الجهاد والسير

جہاد کا بیان 344

جہاد کی نیت سے جو گھوڑا پالا اسے استعمال اور فروخت کرنے کا حکم 344

كتاب الوقف

وقف کا بیان 345
پرانے قبرستان کو منہدم کرکے اس پر عمارت بنانے کا حکم 345
غیر مسلموں کی متروکہ جائیداد پر مسجد بنانے اور مدت تک نماز ادا کرنے کے بعد انتظامیہ کو اسے ختم کرنے کا حق نہیں ہے، نیز مسجد کا سامانِ وقف ضبط کرنا اور اسے دوسرے مصارف میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے 350
خائن شخص مسجد کمیٹی کے صدر یا منتظم ہونے کا اہل ہے یا نہیں؟ 354

كتاب الكفالة

کفالت کا بیان 356
تحریری یا زبانی ضمانت قبول کیے بغیر غیر خریدار سے رقم کا مطالبہ کرنا 356
نفس وثیقہ لکھنے سے کفالت سے بری نہیں ہوگا 357

كتاب الإمارة والقضاء والسياسة

موجودہ جماعتوں میں سے کون سی جماعت افضل وحق ہے؟ 358
مسلم حکومت کی اسمبلی میں غیر مسلم کی نمائندگی کا حکم 359
کیا صدرِ پاکستان کو خلیفۃ المسلمین کہا جاسکتا ہے؟ 360

كتاب الدعوى

دعوے کا بیان 362
طویل مدت کے بعد دعویٰ معتبر ہونے کی ایک صورت 362
غلط اور ناحق الزام کی صورت میں مدعیٰ علیہ کے مالی نقصان کی ذمہ داری مدعی پر ہوگی 364

كتاب الهبة

ہبہ کا بیان 366
مریض کی عیادت کرنے والوں کا اپنے لائے ہوئے پھل، تحائف وغیرہ کا معاوضہ مریض سے لینے کا حکم 366
کسی کے گھر پھل وغیرہ بطور ہدیہ لے جا کر اس کا معاوضہ وصول کرنے کا حکم 367
دوسرے کی طرف سے تبرعاً نفلی صدقہ کر کے اس کا معاوضہ لینے کا حکم 367
بحالتِ صحت بعض اولاد کو جائیداد دینے اور بعض کو محروم رکھنے کا حکم 368

كتاب الوديعة

ودیعت کا بیان 370
بغیر تقصیر کے امانت ضائع ہو جائے تو امین سے امانت کے مطالبے کا حکم 370

كتاب الإجارة

اجارہ کا بیان 371
پیشگی کرایہ لینے کا حکم 371
جانور کو آدھے حصے پر پالنے کے لیے دینا 372
کرایہ داری ختم ہونے کے بعد پیشگی رقم واپس کرنا ضروری ہوگا/نائی کو دکان کرایہ پر دینا 373

كتاب الشفعة

شفعہ کا بیان 375
ایک شریک مکان میں سے اپنا حصہ کسی دوسرے کو ہبہ کر دے تو دوسرے شریک کو شفعہ کا حق ہے یا نہیں؟ 375

كتاب الحظر والإباحة

جائز و ناجائز کا بیان 377
اعضاءِ انسانی کی پیوند کاری کا حکم 377

اعضاءِانسانی کی پیوندکاری کا حکم اور بوقتِ ضرورت خون منتقل کرنا.....382
غیر مسلم ممالک میں غیر مسلموں کی فیکٹری میں تیار شدہ پنیر(Cheese)کے استعمال کا حکم ...384
داڑھی ایک مشت سے کم کرنا گناہ کبیرہ ہے/قبضہ یا اس سے کم داڑھی رکھنے کا حکم 391
مونچھیں منڈوانا افضل ہے یا کٹوانا؟ 393
شریعت میں برقعے کی کوئی ہیئت و کیفیت اور ترکی برقعہ کی شرعی حیثیت.....395
بھنگ،چرس اور افیون کی کاشت، خرید وفروخت اور استعمال کا حکم.....396
کسی بزرگ کے سامنے تعظیماً سر جھکانے کا حکم 399
حكم إحناء الرأس تعظيماًلأحد 399

كتاب الفرائض

میراث کا بیان..... 401
"کلالہ" کی تعریف 401
بیٹی کی موجودگی میں اخیافی بھائیوں کا حصہ کیا ہوگا؟.....403
مرحوم شوہر کے بیمہ کی رقم کا حق دار کون؟ جبکہ بیمہ فارم میں بیوی کا نام درج کیا گیا ہو 405
میت اور اس کے بھائی کے درمیان ان کے نام کی مشترکہ فرم ہو تو اس میں سے بیوہ کو میراث ملے گی یا نہیں؟.....408
میت نے اپنے بھائی کے نام پر جائیداد خریدی تو بیوہ کو اس جائیداد سے حصہ ملے گا یا نہیں؟.....409
صرف پوتے پوتیوں کی صورت میں میراث کی تقسیم کی ایک صورت 411

بسم الله الرحمن الرحيم

فتوی نویسی کی اہمیت و نزاکت

فتوی نویسی ایک عظیم المرتبت کام اور مفتی کا منصب حساس منصب ہے، مفتی کو براہِ راست رسول اللہ ﷺ کا نائب اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتوے پر دستخط کرنے والا قرار دیا گیا ہے، اس لیے فتوی نویسی میں حزم و احتیاط، تیقظ و بیداری، احساس ذمہ داری، احوال زمانہ سے واقفیت، امانت و دیانت اور تقویٰ و پرہیزگاری لازم ہے۔ اور اس پُر خطر منصب کی ادائیگی میں لاپرواہی و غفلت اور عدمِ احتیاط کا وبال فتوی دینے والے پر ہوگا، جیسا کہ سنن ابی داؤد میں بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مذکور ہے:

«قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أفتي بغير علم فإن إثمه على من أفتاه».(۱)

ترجمہ: ”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس آدمی کو بغیر علم کے فتویٰ دیا گیا اس کا گناہ اس آدمی پر ہوگا جس نے اس کو (غلط) فتویٰ دیا ہے“۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم براہِ راست بارگاہِ نبوت سے فیض یاب ہوئے تھے، ان کے تفقہ اور تقویٰ کی نظیر نہیں مل سکتی، اس کے باوجود یہ حضرات اس منصب سے کتراتے تھے، ان کے پیشِ نظر رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان مبارک تھا جسے امام دارمیؒ نے روایت کیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أجرأكم على الفتيا أجرأكم على النار».(۲)

ترجمہ: ”تم میں سے جو شخص فتوی دینے میں سب سے زیادہ جری ہے وہ آگ لینے پر سب سے زیادہ جرات کرنے والا ہے“۔

---

(۱) سنن أبي داؤد، كتاب العلم، باب التوقي في الفتيا، ج:۱، ص:۱۰۱، ط:مكتبه رحمانيه لاهور.

(۲) سنن الدارمي، ج:۱، ص:٦٩، ط:دارالكتاب العربي، بيروت.

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم منصبِ افتاء کی نزاکت کو سمجھتے تھے، اس لیے ان میں سے بیشتر حضرات فتویٰ دینے سے اجتناب فرماتے تھے، مشہور محدث عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ (م:۱۲۸ھ) صحابہ رضی اللہ عنہم کی احتیاط کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں:

«أدركتُ مائة وعشرين من الأنصار من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم، يُسأل أحدهم عن المسألة فيردّ هذا إلى هذا ، وهذا إلى هذا حتى ترجع إلى الأول».[1]

"کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ایک سو بیس صحابہ کو پایا ہے، ان میں سے کسی ایک سے مسئلہ دریافت کیا جاتا تو وہ دوسرے پر ٹال دیتا، اور دوسرا تیسرے پر ٹال دیتا، حتی کہ سائل کا مسئلہ پہلے صحابی کے پاس لوٹ آتا (یعنی سائل کو پہلے صحابی سے رجوع کرنا پڑتا)۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اسی احتیاط کی بناء پر ان میں فتوی دینے والے حضرات کی تعداد ہمیں قلیل نظر آتی ہے، "**إعلام الموقعين**" میں علامہ ابن قیمؒ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں فتوی دینے والے حضرات کی تعداد ایک سو تیس سے کچھ اوپر ذکر فرمائی ہے، اور یہ بھی صراحت فرمائی ہے کہ دورِ صحابہ میں کثیر الفتاویٰ صحابہ کل سات تھے۔ علامہ ابن قیمؒ لکھتے ہیں:

«والذين حُفظت عنهم الفتوى من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم مائة ونيف وثلاثون نفسًا ما بين رجل وامرأة، وإن المكثرين منهم سبعة: عمر بن الخطاب وعلي بن أبي طالب وعبد الله بن مسعود وعائشة أم المؤمنين وزيد بن ثابت وعبد الله بن عباس وعبد الله بن عمر رضي الله عنهم».[2]

---

(۱) أدب المفتى والمستفتى لابن الصلاح، ج:۱، ص:۹، ط:مكتبة العلوم والحكم، بيروت.

(۲) اعلام المؤقعين، المكثرون في الفتيا، ج:۱، ص:۱۲، ط:دارالجيل بيروت.

احتیاط کا یہی وطیرہ تابعینؒ کے دور میں بھی رہا، امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے کہ میں نے امام ابو حنیفہؒ کو یہ فرماتے سنا:

«لو لا الفرق من الله أن يضيع العلم ما أفتيتُ أحدًا».(۱)

''اگر مجھے اللہ تعالیٰ کا خوف نہ ہوتا کہ (مسائل نہ بتلانے کی صورت میں) علم ضائع ہو جائے گا (اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے بازپرس ہو گی) تو میں کسی کو کوئی فتوی نہ دیتا۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کی مانند اسلافِ امت کا بھی یہ وطیرہ تھا کہ وہ اس منصب سے مجتنب رہتے تھے۔

ہر شخص منصبِ افتاء کا اہل نہیں

منصبِ افتاء بڑا نازک اور بھاری ذمہ داریوں کا حامل ہے، اس لیے ہر شخص اس منصب کا اہل نہیں، اور ہر فرد اس میدان میں کارآمد نہیں، افتاء کے منصب کی اہمیت، فتوی نویسی کے آداب اور اس منصب پر فائز شخص میں جن شرائط کا پایا جانا ضروری ہے، اس پر عربی واُردو میں مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں۔ منصبِ افتاء کی اہلیت کے بغیر اس کی طرف لوگوں کے بڑھتے رجحان کے سلسلے میں والد ماجد محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ بیحد فکر مند رہتے تھے، اور اس موضوع پر وہ ماہنامہ ''بینات'' میں اپنا دردِ دل تحریر فرماتے رہے اور کافی کچھ لکھا، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تحریرات میں سے دو اقتباسات پیش کیے جائیں، جن سے اس منصب کی حساسیت اور ذمہ داری کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ شعبان المعظم ۱۳۸۷ھ کے بصائر وعبر میں لکھتے ہیں:

''تفقّہ فی الدین اور افتاء کے بلند منصب پر ہر زید وعمرو کو فائز نہیں کیا جاسکتا، نہ ابو الفضل اور فیضی مزاج کے لوگوں کو اس پر براجمان کیا جاسکتا ہے، ہمارے ملک میں ہزاروں علماء، ہزاروں مؤلف اور ہزاروں مبلغ موجود ہیں، لیکن ایسے حضرات بس چند گنے چنے ہی ہوں گے جنہیں تفقّہ کا منصب

(۱) الفقيه والمتفقه، باب الزجر عن التسرع إلى الفتوى مخافة الزلل، ج:۲، ص:۵۰، ط:دار ابن جوزی، السعودية.

جلیل حاصل ہے اور امت ان کے علم و عمل پر اعتماد رکھتی ہے، فتویٰ نویسی بچوں کا کھیل نہیں کہ ہر شخص کو اس کا اہل سمجھا جائے، اگرچہ اسلامی حکومت کی سرپرستی نہ ہونے کی وجہ سے آج کل برساتی کیڑوں کی طرح نام نہاد فتویٰ نویسوں کا سیلاب امنڈنا شروع ہو گیا ہے، جس کے ہاتھ میں قلم ہے اور اس نے الٹے سیدھے چند سیاہ حروف پڑھ لیے ہیں وہ مفتی بن بیٹھا ہے اور خلقِ خدا کو گمراہ کر کے اپنے نامۂ عمل کی سیاہی میں اضافہ کر رہا ہے۔ لیکن امت مسلمہ کے ایک عامی شخص تک میں بھی ابھی اتنا شعور موجود ہے کہ وہ ''واقعی مفتی'' اور ''مصنوعی مفتی'' کے درمیان اور ''صحیح عالم'' اور ''عالم نما جاہل'' کے درمیان تمیز کر سکے''۔[1]

جمادی الاولیٰ ۱۳۹۵ھ کے ایک اداریے میں تحریر فرماتے ہیں:

''افتاء کا منصب بہت رفیع ہے اور جتنا رفیع ہے اتنا ہی دقیق و مشکل بھی ہے، اس دقیق و رفیع منصب کا پہلا تقاضا یہ ہے کہ مفتی جو کچھ لکھے آخرت کی مسئولیت کے پیش نظر لکھے، خارجی تاثرات، ماحول کے محرکات یا ذاتی رجحانات و میلانات سے پاک وصاف ہو کر لکھے، صرف حق تعالیٰ کی مرضی مطلوب ہو اور ہر تحریر میں رضاءِ الٰہی پیش نظر ہو، اس کے بعد تلاشِ حق کی سعی و کوشش کرے، اور وصول الی الحق میں مطلق تقصیر نہ کرے، عباراتِ فقہاء اور ائمہ کے اقوال میں انتہائی غور و خوض کے بعد اس عزم و ارادہ کے ساتھ لکھے کہ اگر غلطی یا خطا ہو گئی تو فوراً رجوع الی الصواب کر کے حق گوئی کا فرض ادا کرے گا، اپنی بات کی پچ اور اپنی غلطی پر اصرار نہ کرے گا۔ الغرض انتہائی بے نفسی، اخلاص اور للہیت کے ساتھ قلم اٹھائے، نہ اپنی رائے پر اصرار کرے اور نہ اس کو قولِ فیصل سمجھے، خصوصاً ان حوادث و مسائل میں جو عہدِ ائمہ میں پیش نہیں آئے یا ائمہ کرامؒ کے صریح اقوال موجود نہ ہوں، ان میں تو انتہائی کوشش ہونی چاہیے کہ فتویٰ اصولِ دین اور نصوصِ شرعیہ سے متصادم نہ ہو، اسی طرح غیظ و غضب کی یا کسی خاص تاثر کی حالت میں فتویٰ ہرگز نہ لکھے، خصوصاً جس صورت میں اختلافِ آراء و افکار موجود ہو اور مسئلہ زیرِ بحث میں تجاذبِ جہات یا تعارضِ ادلہ کارفرما ہو تو انتہائی احتیاط اور غور و فکر کی ضرورت ہو گی''۔[2]

---

(۱) ماہنامہ بینات، بصائر و عبر، شعبان 1387ھ۔

(۲) ماہنامہ بینات، بصائر و عبر، جمادی الاولیٰ 1391ھ۔

علماءاور منصبِ افتاء

بہر حال ہر دور میں بے شمار نت نئے مسائل پیش آتے رہتے ہیں، اور ان مسائل کے حل کے لیے منصبِ افتاء کے اہل افراد کا پایا جانا اور شرعی مشکلات میں امت کی رہنمائی کرنا ضروری ہے، بلکہ شرعاً یہ ذمہ داری فرضِ کفایہ کے درجے کی ہے، اور جہاں کہیں کسی ایک شخص کے علاوہ کوئی اور فرد شرعی مسائل بتلانے والا نہ ہو تو یہ ذمہ داری فرضِ عین میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

اسلامی حکومت کے ادوار میں مملکتِ اسلامیہ اس فریضے کو سنبھالتی تھی اور اسلامی مملکت کے تحت دار الافتاء کا قیام ہوتا تھا۔ ہندوستان میں مغلیہ سلطنت تک یہ سلسلہ چلتا رہا ہے، خود مغلیہ سلطنت میں بادشاہِ وقت اورنگ زیب عالمگیرؒ کی نگرانی میں علماء کی ایک جماعت نے ''فتاوی ہندیہ'' کے نام سے ایک ایسا مجموعہ تیار کیا جس سے استغناء کسی مفتی کے لیے ممکن نہیں۔ جب مغلیہ سلطنت کا سورج غروب ہو گیا اور برطانوی سامراج کا ہندوستان پر تسلط ہوا تو اس وقت کے اکابر اہلِ علم مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ، محدثِ ہند حضرت شاہ عبد العزیز رحمہا اللہ اور ان کے جانشین علماء نے اس عظیم منصب کو سنبھالا، شاہ عبد العزیزؒ کے فقہی مضامین اور فتاوی کا مجموعہ ''فتاوی عزیزی''، (فارسی، اردو) کسی تعارف کا محتاج نہیں۔

خاندانِ شاہ ولی اللہی کے بعد اس عظیم منصب کو علمائے دیوبند نے سنبھالا۔ علمائے دیوبند کو اللہ تعالیٰ نے جس طرح دیگر میدانوں میں نمایاں دینی خدمات کی توفیق بخشی اسی طرح وہ افتاء کے میدان میں بھی یکتا رہے ہیں، انہوں نے ہمیشہ اپنے فتاویٰ میں امانت و دیانت، اعتدال، احساس ذمہ داری، عند اللہ مسئولیت، خوفِ خدا، احتیاط، نصوصِ شرعیہ کے دائرہ کار کو ملحوظ رکھا، تشدد اور تساہل دونوں انتہاؤں سے گریز کیا، افراط و تفریط سے دامن اپنا محفوظ رکھا، ان کے فتاویٰ اختصار و جامعیت کے ساتھ ساتھ شرعی دلائل سے مزین، متانت و سنجیدگی کا مظہر ہوا کرتے تھے، انہوں نے کبھی اپنے فتاوی میں وقار کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا، ان فتاوی میں فتاوی رشیدیہ، امداد الفتاویٰ، کفایت المفتی، امداد الاحکام اور فتاوی دار العلوم دیوبند سر فہرست ہیں۔

فتاوی بنوری

زیرِ نظر مجموعہ ''فتاوی بنوری'' بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، اس سے قبل جامعہ کے رسالے ماہنامہ ''بینات'' میں شائع ہونے والے فتاویٰ کا مجموعہ ''فتاوی بینات'' کے نام سے چار ضخیم جلدوں میں شائع ہو چکا ہے، اور مزید جلدوں پر کام جاری ہے، نیز ''فتاوی بنوری ٹاؤن'' کے نام سے بھی فتاوی کا ایک عظیم الشان ذخیرہ زیرِ ترتیب ہے۔ ''فتاوی بنوری'' بطور خاص والد ماجد محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری نور اللہ مرقدہ کے دستیاب فتاوی کا مجموعہ ہے، حق تعالیٰ شانہ نے حضرت بنوریؒ کو جن علمی اور عملی کمالات سے نوازا تھا ان کا احاطہ چند اوراق میں بھی مشکل ہے، قوتِ حافظہ، وسعتِ مطالعہ، ذوق کتب بینی، عربی تقریر و تحریر، پاکیزہ شعری مذاق، تبحرِ علمی و شانِ فقاہت، جمہور علماء کے مسلک پر تصلب کے ساتھ وسعتِ نظر و رواداری، دین کے لیے جذبہ اخلاص وللہیت، حق کے معاملے میں غیرت، غرض کون سی ایسی عمدہ صفت ہے جو حضرت والد ماجد نور اللہ مرقدہ میں نہ پائی جاتی ہو، الحاصل! حضرت نور اللہ مرقدہ کی شخصیت اتنی جامع تھی کہ ان کی تہاذات میں محدث، فقیہ، مفسر، اصولی، ادیب، متکلم، مصنف، محقق، صوفی اور زاہد و متوکل، سب کچھ نظر آتا ہے۔

حضرت والد ماجد رحمہ اللہ نہ صرف اپنے شیخ علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کے علوم و کمالات کے جامع اور ان کی مجسم یادگار تھے، بلکہ اپنے تمام اساتذہ و شیوخ اور اپنے دور کے اساطینِ علم کی صفاتِ کمالیہ کے صحیح معنوں میں وارث تھے، چنانچہ علومِ قرآن و حدیث اور عربی ادب میں اپنے شیخ علامہ محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہ، قرآن فہمی اور علم الکلام میں اپنے استاذ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، فقہ و فتاوی میں مفتی عزیز الرحمن صاحب اور مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمہم اللہ کی یاد تازہ کرتے تھے، عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ میں اپنے محبوب شیخ علامہ کشمیری رحمہ اللہ کے وارث تھے، تقوی و تزکیہ، تصوف و احسان میں آپ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی اور شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہما کے فیض یافتہ تھے۔

حضرت بنوریؒ بحیثیتِ فقیہ

سرِ دست فتاویٰ کے اس مجموعہ کی مناسبت سے والد ماجد علامہ محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ کی فقہ وفتاوی میں حذاقت اور منصبِ افتاء میں مہارت کو اختصار کے ساتھ ذکر کرنا مقصود ہے۔

حضرت والد ماجد علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ کی شہرت اگرچہ ایک بلند پایہ محدث اور علومِ حدیث کے ناقد و محقق کے طور پر تھی، جسے تفصیل کے ساتھ مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی ولی حسن ٹونکیؒ نے خصوصی اشاعت میں اپنے مضمون بہ عنوان ''محدث العصر'' میں تحریر فرمایا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ آپ ایک عظیم فقیہ بھی تھے، محدثانہ جلالت اور اس کی غیر معمولی شہرت اور غلبے کی وجہ سے آپ کی فقہی بصیرت پس منظر میں اوجھل ہوگئی، حدیث کے ساتھ ساتھ آپ نے فقہی میدان میں بھی نمایاں خدمات انجام دی ہیں، جن کا ذکر ان شاءاللہ آگے آرہا ہے۔

زمانہ طلبِ علمی میں کتبِ فقہ سے شغف

زمانہ طلبِ علمی سے ہی آپ کو کتبِ فقہ اور ان کی شروحات کے مطالعے کا ذوق تھا، ہدایہ پڑھنے کے زمانے میں **فتح القدیر**، **البحر الرائق**، **بدائع الصنائع** کا بالاستیعاب مطالعہ کیا، اور مشکوۃ پڑھنے کے دور میں **بدایۃ المجتہد** اور شاہ ولی اللہؒ کی **حجۃ اللہ البالغۃ** کا مطالعہ فرمایا۔ نیز ڈابھیل کے زمانے میں ائمہ اربعہ کے مذاہب کی کتبِ متداولہ **کتاب الأم للشافعي**، **المغني**، اور **المجموع شرح المهذب** کا مطالعہ کرلیا تھا۔

حضرت کشمیریؒ کی زیرِ سرپرستی فتوی نویسی اور حضرت کشمیریؒ کا اعتماد

جس طرح علامہ انور شاہ کشمیریؒ تمام علوم کے جامع تھے، حدیث وفقہ میں انہیں یکساں رسوخ حاصل تھا، اسی طرح حضرت بنوریؒ کو بھی اللہ تعالیٰ نے حدیث وفقہ دونوں میں کامل دسترس نصیب فرمائی تھی۔

درسِ نظامی سے فراغت کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے شیخ کی خدمت، اسفار میں رفاقت اور ان

کی زیر سرپرستی تقریباً تین سال افتاء کی عملی مشق کا موقع بھی نصیب فرمایا، افتاء کے میدان میں شیخ کا آپ پر کامل اعتماد تھا، اور اعتماد بھی اس درجے کا کہ اس کا تذکرہ کرتے ہوئے والد ماجد حضرت بنوری ؒ فرماتے ہیں: ''میں نے جو کچھ لکھا ہوتا حضرت شاہ صاحب ''الجواب صحیح'' لکھ کر اس کی تصویب فرمادیتے، ایسا کبھی نہیں ہوا کہ میرے تحریر کردہ فتوی کی عبارت کے کسی لفظ پر حضرت شاہ صاحبؒ نے اعتراض کیا ہو یا تبدیلی کا مشورہ دیا ہو، البتہ ایک بار ایسا ہوا کہ ایک متنازعہ فیہ مسئلہ کا جواب لکھنے کا مجھے حکم فرمایا اور میں نے حضرت شاہ صاحبؒ کے بارے میں ''الشیخ الحبر البحر مولانا محمد أنور شاہ'' کے الفاظ لکھ دیے، غصہ میں فرمایا: قلم لاؤ، قلم لے کر ''الشیخ الحبر البحر'' کے الفاظ قلم زد کر کے فرمایا: '' آپ کو صرف مولانا محمد انور شاہ لکھنے کی اجازت ہے''۔[1]

حضرت شاہ صاحبؒ کے وصال کے بعد ڈابھیل میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوتے ہوئے بھی آپ فتوی نویسی کے فرائض انجام دیتے رہے، یہ بھی ایک طویل عرصہ ہے، بظاہر پاکستان آمد تک آپ ڈابھیل میں تدریس وافتاء سے منسلک رہے۔ اس دور کے متعلق آپ ارشاد فرماتے تھے کہ: ''میں نے بھی فتوے لکھے ہیں اور بڑی تحقیق سے، ایک فتوی کے لیے کتب فتاوی کے مظان کی مراجعت کرتا تھا، بس ایک مرتبہ الحمدللہ''۔

اس تمام عرصے میں حضرت والد صاحبؒ کے جاری شدہ فتاوی کے حوالے سے جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل کے بعض حضرات سے رابطہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ محفوظ شدہ فتاویٰ کا ذخیرہ حادثے میں ضائع ہوگیا ہے۔

دارالعلوم دیوبند کی جانب سے منصب افتاء کے لیے دعوت

آپؒ کی ان فقہی خدمات اور حدیث وفقہ میں کامل رسوخ وتبحر کی بناء پر دارالعلوم دیوبند کے اکابرین کی جانب سے آپ کو تدریس اور صدر مفتی کے لیے پیشکش کی گئی، جسے آپ بوجوہ قبول نہ فرماسکے۔ ان حضرات کا یہ اعتماد واصرار حضرت بنوریؒ کی فقاہت کا بین ثبوت اور شہادت عدل ہے۔

---

(۱) اشاعت خاص، محدث العصر نمبر، ماہنامہ بینات، ص:106، ط: بینات۔

دارالعلوم دیوبند کے اکابرین کی جانب سے ہونے والی اس پیشکش سے متعلق والد ماجدؒ لکھتے ہیں:

"قیام ڈابھیل کے دوران دارالعلوم دیوبند کے طبقۂ علیا کی مدرسی کی پیشکش بار بار کی گئی، نیز دارالعلوم دیوبند میں منصبِ افتاء کے لیے شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا حسین احمد مدنی رحمہما اللہ اور قاری محمد طیب صاحب تینوں حضرات نے اصرار فرمایا، مگر قبول کرنے سے معذرت کردی"۔[1]

دورۂ مصر میں مفتی اعظم ہند رحمہ اللہ کی نیابت

۱۹۳۸ء میں قاہرہ میں منعقد ہونے والی "مؤتمر فلسطین" میں عالم اسلام کے منتخب علماء کو شرکت کی دعوت دی گئی، مشترکہ ہندوستان کے مفتی اعظم مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ بھی مدعو تھے، ان کے علیل ہونے کے باعث طے کیا گیا کہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے ساتھ سفر میں ان کی رفاقت کوئی پختہ کار عالم و مفتی کریں، تاکہ صحیح معنوں میں مفتی اعظم ہند کی نمائندگی ہو سکے، چنانچہ نیابت کے لیے متفقہ طور پر حضرت والد ماجد نور اللہ مرقدہ کا نام چنا گیا، اور سفر میں رفیق کار ہونے کے ساتھ ساتھ تمام مواقع پر حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ کی خوب ترجمانی فرمائی۔ حضرت والد صاحب نے اپنی خود نوشت سوانح میں اس کا تذکرہ یوں فرمایا ہے:

"۱۳۵۷ھ مطابق ۱۹۳۸ء میں قاہرہ میں منعقد ہونے والی مؤتمر فلسطین میں مفتی کفایت اللہ دہلویؒ کا مساعد رہا، چونکہ مفتی صاحب، صاحب فراش تھے اس لیے دوران کانفرنس جتنے پروگرام ہوئے اور جو بیانات وغیرہ اخبارات میں شائع ہوئے سب میرے قلم سے نکلے"۔[2]

موسوعہ فقہیہ (کویتیہ) کے لیے مقالہ لکھنے اور نظر ثانی کی درخواست

۱۳۸۷ھ مطابق 1967ء میں حضرت بنوریؒ نے مختلف بلادِ عربیہ کے اسفار فرمائے، ان ہی اسفار میں ایک سفر کویت کا بھی تھا، اس زمانے میں کویت کی "وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية" کی

(۱) اشاعت خاص، محدث العصر نمبر، ص:19، ط: بینات۔

(۲) اشاعت خاص، محدث العصر نمبر، ص:19، ط: بینات۔

جانب سے موسوعہ فقہیہ کے کام کاآغاز کیا گیا تھا،اوراس کام کے لیے مذکورہ وزارت نے جامعہ دمشق کے مشہور عالم شیخ مصطفی الزرقاءؒ کو مدعو کیا تھا، حضرت بنوریؒ کی اس سفر میں جب شیخ مصطفی الزرقاءؒ سے ملاقات ہوئی توانہوں نے حضرت بنوریؒ سے بھی اس موسوعہ کے لیے ایک مقالہ لکھنے کی خواہش کااظہار کیا، بعد ازاں ان کی جانب سے ایک رسمی خط حضرت بنوریؒ کو لکھا گیا، جس میں حضرت بنوریؒ سے درخواست کی گئی کہ آپ ''وتر''اور ''نوافل''پر مستقل بحث لکھیں، لیکن آپ نے اپنی مصروفیات کے باعث معذرت کردی۔ موسوعہ کا یہ کام کچھ عرصہ التواکا شکار ہوا،اور جب دوبارہ اس کام کاآغاز ہواتواس وقت کویت کے وزیر اوقاف یوسف حاسم الحجمی تھے، وزیر موصوف نے حضرت بنوریؒ کو ۱۳۹۷ھ مطابق ۱۹۷۷ء کوایک تفصیلی خط لکھا جس میں موسوعہ فقہیہ کی ضرورت واہمیت کے ذکر کے بعد حضرت بنوریؒ سے استدعا کی گئی کہ آپ اس سلسلہ میں ہماری جو مدد کر سکتے ہیں،اس سے مطلع فرمائیں، کچھ لکھ کر عنایت فرمائیں یاہمارے کام پر نظر ثانی کریں۔ لیکن حضرت نے جوابی خط میں افسوس کے اظہار کے ساتھ کثرتِ مشاغل اور کمزوری صحت کی وجہ سے اس کام سے معذوری کا اظہار فرمایا۔اس کی تفصیل حضرت مولاناڈاکٹر عبدالرزاق اسکندرؒ کے مضمون ''حضرت شیخ اور بلاد عربیہ''میں دیکھی جاسکتی ہے۔ موسوعہ فقہیہ میں فقہی مقالہ لکھنے کی استدعااور موسوعہ پر نظر ثانی کی درخواست حضرت بنوریؒ کے فقہی تعمق ومہارت کی بین دلیل ہے۔

معارف السنن میں فقہی مباحث

آپ نے کتبِ حدیث میں سے بالخصوص ترمذی شریف کا شرح کے لیے انتخاب فرمایا، جس میں دیگر کتب کی بنسبت فقہی مباحث زیادہ ہیں،اور مذاہبِ ائمہ کے بیان کااہتمام ہے۔ایک عرب عالم نے ایک موقع پر سوال کیا تھا کہ شرح کے لیے کتبِ ستہ میں سے ترمذی شریف کاانتخاب کرنے کی کیا وجہ ہے؟کے جواب میں آپ نے فرمایا تھا کہ:

> ''امام ترمذی دیگر محدثین کی بنسبت زیادہ افقہ ہیں، نیز جامع ترمذی جس طرح حدیث کی کتاب ہے اسی طرح فقہ کی کتاب بھی ہے،اور ہم لوگ حدیث وفقہ دونوں کے خادم ہیں، ترمذی میں صحیح

وحسن اور ضعیف احادیث کو ذکر کرنے کے علاوہ علل حدیث پر بھی بحث ہے۔اور امام ترمذی نے فقہاء صحابہ وتابعین کے اختلاف کو بیان کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ان امتیازات کی بناء پر شرح کے لیے ترمذی کا انتخاب عمل میں آیا"۔

چنانچہ آپ نے "**معارف السنن**"میں جابجا ائمہ اربعہ کے فقہی مباحث اور فروعات و جزئیات تحریر کیں، نیز ائمہ احناف کے موٴقف کو نہایت شرح وبسط کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔اس لیے "**معارف السنن** "کے بارے میں یہ رائے زیادہ مناسب ہے کہ یہ کتاب جیسے حدیثی مباحث کی بلند پایہ شرح پر مشتمل ہے اسی طرح ائمہ اربعہ کے مذاہب کے بیان میں بھی بے مثل ہے۔

افادے کا دائرہ بڑھانے کے لیے "**معارف السنن** "اور دیگر عربی تصانیف میں موجود اہم اور منتخب فقہی مباحث کا اردو ترجمہ "منتخب فقہی مباحث" کے نام سے زیر ترتیب ہے،اللہ تعالی سے دعا ہے کہ جلد اس کی تکمیل اور اشاعت کا انتظام فرمائے۔

"بُغية الأريب" ایک گراں مایہ فقہی تالیف

"**معارف السنن** "کے علاوہ"**بغية الأريب في مسألة القبلة والمحاريب**"آپ کی گراں مایہ تالیف ہے،جو ایک استفتاء کے جواب میں لکھی گئی تھی،اس کتاب پر اکابر اہلِ علم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی، حضرت مولانا سید اصغر حسین حسینی، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی اور علامہ محمد زاہد کوثری رحمہم اللہ کے تقریظی وتوثیقی کلمات ثبت ہیں۔

فقہی رہنمائی کے لیے اسلامی نظریاتی کونسل میں شرکت

غالباً ۱۹۶۲ء میں مملکتِ پاکستان میں قانونی دفعات ودیگر امور کے بارے میں شرعی رہنمائی کے لیے اسلامی مشاورتی کونسل تشکیل دی گئی، چند سالوں بعد اس کا نام اسلامی نظریاتی کونسل رکھا گیا، جنرل ضیاء الحق نے اپنے دور میں اس کی تشکیل جدید کی،اور حضرت والد ماجدؒ کو بھی باصرار اس ادارہ میں شامل کیا گیا،آپؒ نے ماہنامہ بینات ذی القعدہ ۱۳۹۷ھ/نومبر ۱۹۷۷ء کے لیے اداریہ تحریر فرمایا، جس میں وطنِ

عزیز میں اسلامی قوانین اور حدودِ شرعیہ کے نفاذ سے متعلق اپنے احساسات و جذبات تحریر فرمائے، نیز اسی اداریے میں اسلامی نظریاتی کونسل کی جدید تشکیل اور اس کے مقاصد بھی تحریر فرمائے۔ یہ آپ کا تحریر کردہ آخری اداریہ تھا، جنرل ضیاء الحق نے آپؒ کو اس کونسل کا رکن منتخب کیا تو آپؒ نے ملکِ عزیز میں اسلامی نظام کے نفاذ کے جذبے کے تحت اس رکنیت کو قبول فرمایا اور کونسل کے اجلاس میں شرکت کے لیے اسلام آباد تشریف لے گئے، دو دن شرکت کے بعد علیل ہوئے اور وہیں وقتِ موعود آپہنچا، یوں آپ نے وطنِ عزیز میں مسلمانوں کی صحیح فقہی رہنمائی اور اسلامی قوانین و نظام کے نفاذ کی جدوجہد کے لیے اپنی جان قربان کردی۔

فقہی مقالات و مضامین

تقسیمِ ہند کے بعد پاکستان آمد اور مدرسہ عربیہ اسلامیہ (بعد ازاں ''جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن'') کے قیام کے بعد اندرون و بیرون ملک مختلف فقہی کانفرنسوں میں آپ کو بڑے اہتمام کے ساتھ مدعو کیا جاتا تھا، اور آپ نے اس سلسلے میں کئی فقہی مقالات و مضامین تحریر فرمائے، جو بعد ازاں ماہنامہ بینات اور بصائر و عبر میں بھی شائع ہوئے۔ ان شاء اللہ فقہی مقالات و مضامین کا مستقل مجموعہ بھی جلد شائع کیا جائے گا۔

مجلسِ تحقیقِ مسائلِ حاضرہ کی بنیاد

آپ کے فقہی مآثر میں سے ایک ''مجلس تحقیق مسائل حاضرہ'' بھی ہے، جدید مسائل سے متعلق آپ کا ذوق یہ تھا کہ ان پر اجتماعی طور اہل علم کی پر ایک جماعت غور و فکر کرے اور ایسی جماعت کی تشکیل ہو جس میں دیگر اوصاف و کمالات کے ساتھ ساتھ فقہ میں خصوصی مہارت و ممارست موجود ہو، یہ جماعت ان مسائل پر غور و فکر کرے، تاکہ جدید مسائل کے بارے میں علماء کا ایک متفقہ موقف سامنے آسکے۔ اس موضوع پر آپؒ نے کئی اداریے بھی تحریر فرمائے اور بعض کانفرنسوں میں اس موضوع پر مستقل مقالات بھی پیش فرمائے، ''فتاوی بینات'' کے مقدمہ (ص: ۱۹ تا ۶۱) میں ان تحریرات کو شامل کردیا گیا ہے، وہاں اس کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

اسی فکر کے تحت آپ نے ''مجلسِ تحقیقِ مسائلِ حاضرہ'' قائم فرمائی، جس کے اراکین درج ذیل حضرات تھے:

(۱)حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ

(۲)حضرت والد ماجد علامہ محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ (۳)مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ

(۴)مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی رحمہ اللہ (۵)مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ۔

حضرت والد ماجدؒ کے فقہی ذوق، خدمات اور فقہی مآثر سے متعلق مزید تفصیل کے لیے حضرت مولانا مفتی عبدالسلام چاٹگامی رحمہ اللہ کا مضمون بہ عنوان: ''**الفقیہ المحدّث**'' اشاعتِ خاص ماہنامہ بینات بیاد محدث العصر مطبوعہ مکتبہ بینات میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

مدرسہ عربیہ اسلامیہ (جامعہ بنوری ٹاؤن) میں فتوی نویسی کی ابتداء اور دارالافتاء کا قیام

۱۳۷۴ھ مطابق 1954ء میں مدرسہ عربیہ اسلامیہ (حال جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن) کی تاسیس کے بعد حضرت بنوریؒ ادارے کی تمام تر انتظامی و تعلیمی ذمہ داریوں اور علومِ عالیہ کی تدریس کے ساتھ ساتھ فتاوی بھی لکھا کرتے تھے، یوں دارالافتاء کا شعبہ جامعہ کے قیام کے ساتھ ہی فعال ہو گیا تھا، ۱۳۷۶ھ میں حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب ٹونکیؒ تشریف لائے تو تدریس کے ساتھ وہ بھی فتاوی کے جوابات لکھتے، ۱۳۷۷ھ میں جامعہ سے جاری شدہ فتاویٰ کا ریکارڈ مرتب و محفوظ رکھنے کی ترتیب بنائی گئی، اس کام کا آغاز بھی حضرت والد ماجد نور اللہ مرقدہ نے اپنے دستِ مبارک سے کیا، بعد ازاں ۱۳۸۱ھ سے دارالافتاء کے لیے موجودہ جگہ مختص کی گئی اور حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی کو رئیس دارالافتاء مقرر فرمایا۔

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کا دارالافتاء بلاشبہ حضرت بنوریؒ کے فقہی مآثر میں سے ہے، جس سے اب تک لاکھوں کی تعداد میں فتاوی صادر ہو چکے ہیں۔

تخصص فی الفقہ کا آغاز

۱۳۸۸ھ مطابق 1968 میں حضرت والد ماجد رحمہ اللہ نے ادارے میں تخصص فی الفقہ الاسلامی کا

اجراء فرمایا، یہ بھی فقہ وافتاء ہی کی خدمت کے سلسلے کی ایک کڑی تھی، جس میں درس نظامی کے فارغ التحصیل ذی استعداد فضلاء کو داخلہ دیا جاتا ہے، فقہی ذخائر کا مطالعہ کروایا جاتا ہے، کچھ کتب درساً پڑھائی جاتی ہیں، اور ایک سال فتوی نویسی کی عملی مشق کا موقع بھی دیا جاتا ہے۔ اس شعبے کے اجراء کے موقع پر ماہنامہ بینات کے اداریے میں حضرت والد ماجدؒ لکھتے ہیں:

"چار سال سے مدرسہ عربیہ اسلامیہ میں "**التخصص في الحديث**" کا اجراء ہو چکا ہے اور الحمدللہ کہ توقع سے بالاتر اس کے ثمرات ظاہر ہو رہے ہیں دو سال سے "**التخصص في الفقه الإسلامي**" کے اجراء کا ارادہ ہوتا رہا، لیکن جس انداز سے کام کرنا پیشِ نظر تھا اس کے لیے کوئی متخصص فی الفقہ عالم فارغ نہ تھا جس کی نگرانی میں کام کیا جائے، اس سال سابق اساتذہ میں مولانا مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی کی نگرانی وتربیت میں اس شعبہ کے اجراء کا فیصلہ اساتذہ کے جلسۂ شوری میں ہو چکا تھا۔ اس کے بعد ماہنامہ دارالعلوم کراچی "البلاغ" میں یہ خوشخبری بھی پڑھی کہ حضرت مفتی مولانا محمد شفیع صاحب کی نگرانی میں دارالعلوم کراچی میں یہ شعبہ جاری ہو رہا ہے، **اللهم زد فزد**، بہت اچھا ہوا۔ خدا کرے کہ بقیہ اربابِ مدارسِ علیا دینیہ کو بھی توجہ ہو اور وہ بھی اپنی اپنی استعداد کے مطابق یہ سلسلہ جاری کریں، "**التخصص في الفقه**" کے لیے اسی معیار پر داخلہ ہوگا جس پر "**التخصص في الحديث**" کے لیے ہوتا ہے، مدت دو سال، کام ۱۴ گھنٹہ کرنا ضروری ہوگا، کتبِ فقہ، اصول فقہ اور اس کے متعلقات کا مطالعہ کرایا جائے گا جو کم از کم بیس ہزار صفحہ ہوگا، مقالات لکھوائے جائیں گے، قضاء وافتاء کی تمرین کرائی جائے گی، معتد بہ قواعد یاد کرائے جائیں گے۔"(۱)

دارالافتاء جامعہ بنوری ٹاؤن کے فتاوی کا ریکارڈ

مدرسہ کی تاسیس کے ساتھ ہی فتوی نویسی کا آغاز ہو چکا تھا، لیکن ابتدائی ساڑھے تین سال تک فتاوی

(۱) بینات، جلد: ۱۳، شمارہ: ۳، رمضان ۱۳۸۸ھ/دسمبر 1968ء۔

نقل کرنے کا اہتمام نہیں ہو سکا، بعد ازاں ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۷۷ھ سے جامعہ سے جاری شدہ فتاوی کا اندراج شروع ہوا۔ چناں چہ جامعہ کے ریکارڈ میں نقلِ فتاویٰ کے رجسٹر نمبر ایک کے پہلے صفحے پر خود حضرت بنوریؒ کے خط میں تحریر ہے:

''تنبیہ: اس سے پہلے بہت سے فتاویٰ مدرسے کے دارالافتاء میں لکھے گئے ہیں، لیکن اس وقت نقل کا انتظام نہ تھا اس لیے وہ فتاویٰ درج نہیں ہو سکے، بنوری عفا اللہ عنہ''۔

اس کے بعد بھی نقل کے معاملے میں کچھ تسامح رہا، یہاں تک کہ ۲ محرم الحرام ۱۳۸۰ھ سے باقاعدہ فتاوی نقل کرنے کا اہتمام کیا گیا۔ جیسا کہ نقل فتاویٰ کے رجسٹر ایک، صفحہ ۹۴ میں حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب ٹونکیؒ کے قلم سے تحریر ہے:

''اس سے قبل سنین میں بہت سے فتاویٰ تحریر کیے گئے، لیکن نقل کا انتظام نہیں تھا، آج سے نقل کا اہتمام کیا جاتا ہے، **حسبنا اللہ ونعم الوکیل**، ولی حسن عفی عنہ، ۲ محرم ۱۳۸۰ھ''۔

دارالافتاء کی ذمہ داری حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکیؒ کے سپرد کرنے کے بعد حضرت والد صاحبؒ کو ادارتی، ملکی اور عالمی سطح پر مصروفیات و مشاغل کی وجہ سے مستقل طور پر فتویٰ نویسی کا موقعہ نہ مل سکا۔ تاہم ۱۳۷۷ھ سے ۱۳۹۷ھ تک (تقریباً بیس سال) جامعہ میں آنے والے بعض سوالات کے جوابات اور بعض جوابات پر تصحیح کے ساتھ اضافی ملاحظات حضرت بنوری نوراللہ مرقدہ نے خود تحریر فرمائے۔

حضرت بنوریؒ اور رجال سازی

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کی بنیاد رکھنے کے بعد سے وصال تک حضرت والد ماجد نوراللہ مرقدہ کی زیادہ توجہ تصانیف کے بجائے رجال سازی پر مرکوز رہی، اس دوران انہیں نہ تو ''**معارف السنن**'' وغیرہ جیسے علمی و تحقیقی کام کی تکمیل کا موقع مل سکا اور نہ مستقل طور پر فتاوی نویسی میں مشغول ہو سکے۔

حیاتِ مستعار کے اس آخری دور میں آپ نے ایسے رجال کار تیار کیے اور ایسے رفقاءِ کار منتخب کیے کہ

زمانہ ان کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے، ان میں سے ہر فرد آسمانِ علم و عمل کا روشن ستارہ تھا، ان حضرات نے دیگر علمی خدمات کے ساتھ افتاء کے میدان میں بھی گراں قدر خدمات انجام دیں، ان کی یہ فقہی خدمات بھی در حقیقت حضرت والد صاحب ہی کی مساعی کا نتیجہ ہیں۔ **فجزاهم الله خيراً**۔

رجال سازی کے اس جاں گسل دور کے بارے میں حضرت والد ماجدؒ کے ہم عصر، دیرینہ دوست، علامہ محمد انور شاہ کشمیری کے تلمیذ رشید و داماد، مجلس علمی ڈابھیل اور مصر کے سفر میں حضرت بنوری رحمہ اللہ کے رفیق مولانا احمد رضا بجنوریؒ لکھتے ہیں:

"میری مولانا موصوف سے چوں کہ دیرینہ رفاقت اور بے تکلفی تھی، میں ان کو ہمیشہ کہتا تھا کہ آپ مدرسہ کا اہتمام بلکہ درس وغیرہ کا کام بھی ترک کر کے صرف تصنیف و تالیف پر پورا وقت صرف کریں، مگر افسوس کہ میری یہ تمنا پوری نہ ہو سکی، اور موصوف اپنا خاص کام "**معارف السنن**" وغیرہ کی تکمیل کا، ناقص چھوڑ کر اس دنیا سے رخصت ہو گئے، **رحمه الله رحمة واسعة**۔ یہ ضرور ہے کہ دو تین سال قبل افریقہ سے واپسی میں جب میں ایک دن اور دو رات کے لیے مولانا مرحوم کے پاس مقیم ہوا اور ان کا مدرسہ دیکھا تو میں "**معارف السنن**" کے لیے سب کچھ کہنے کا ارادہ رکھتے ہوئے بھی کچھ نہ کہہ سکا، کیوں کہ میں نے مدرسہ کی صورت میں وہ سب کچھ دیکھا جس کی مجھے کسی طرح توقع تھی۔ مولانا مرحوم ڈابھیل کے زمانے میں بے تکلف نجی مجلسوں میں کہا کرتے تھے کہ میں اپنے معیار پر ایک مدرسہ بناؤں گا اور ایسی عمدہ تعلیم و اہتمام کا نظم کروں گا کہ باید و شاید... مگر ہم اس کو شیخ چلی کی سی بات ہی سمجھا کرتے تھے، کیوں کہ دار العلوم دیوبند کا زمانہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالی کی نگاہوں میں تھا اور وہاں جو کچھ اکابر اہل علم کے ساتھ واقعات دیکھے تھے، ان کی وجہ سے کسی معیاری دار العلوم کی توقع ذہن سے نکل چکی تھی، ایسی حالت میں اچانک مولانا کا مدرسہ دیکھ کر حیران رہ گیا، اور چوں کہ میرے دل کی بات مولانا محمد منظور صاحب نعمانی ممبر شوری دار العلوم دیوبند نے بھی کہہ دی ہے، اس لیے اس کو نقل کیے دیتا ہوں، آپ نے "الفرقان" ماہ دسمبر ۷۷ء میں بضمن تذکرہ مولانا بنوری رحمہ اللہ ص: ۵۳ پر لکھا:

''راقم سطور کو اپنی اس رائے بلکہ اپنے اس علم کے ظاہر کر دینے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ آپ کا قائم کیا ہوا اور پروان چڑھایا ہوا کراچی کا مدرسہ عربیہ اسلامیہ جس کی عمر ابھی ۲۵ سال بھی نہیں ہے، علمی اور تعلیمی لحاظ سے اپنے سرچشمہ دارالعلوم دیوبند سے آگے جا چکا ہے، اولاد اگر کمالات میں آگے بڑھ جائے تو ماں باپ کو رنج و حسد نہیں ہوتا، خوشی ہی ہوتی ہے، اور گویا ان کی مراد پوری ہوتی ہے''۔

میں نے مولانا کی رائے اس لیے بھی نقل کر دینی مناسب سمجھی کہ ''**خیر الکلام ماقلّ ودلّ**'' کے مترادف ہے اور وہ دارالعلوم کے بڑے ذمہ دار رکن بھی ہیں اور شاید کوئی میری اس رائے کو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تعلق کی وجہ سے متہم بھی کرتا... تخصص کے درجات بھی بڑے اہتمام کے ساتھ قائم کیے گئے ہیں اور راقم الحروف نے درجاتِ تخصص کے طلبہ کے کمروں کو دیکھا کہ ان میں مطالعہ کے لیے کتابوں کی اتنی وافر تعداد ہے جو بعض بڑے مدارس کے اساتذہ کے یہاں بھی نہیں دیکھی، وغیرہ۔ ان باتوں کو دیکھ کر میں اتنا متاثر ہوا کہ ''**معارف السنن**'' کے کام کے سلسلے میں مولانا پر کچھ بھی زور نہ دے سکا اور ان کے ضعف و نقصِ صحت کو دیکھ کر بھی خاموش ہی رہنا پڑا۔''(۱)

الغرض اواخر زمانے میں حضرت والد ماجد رحمہ اللہ کی مکمل توجہ رجال سازی اور اپنے مزاج کے موافق ادارے کو پروان چڑھانے پر مرکوز تھی، اس کے لیے یکسو ہو کر فتویٰ نویسی میں مشغول نہ ہوئے، تاہم ''**معارف السنن**'' وغیرہ تصانیف جیسی عظیم الشان علمی و تحقیقی خدمات کو دیکھ کر حضرت نور اللہ مرقدہ کے قلم سے جاری شدہ فتاوی کی قدر و قیمت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

فتاوی بنوری کی تدوین کے مراحل

حضرت مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہید رحمہ اللہ نے تقریباً چالیس سال پہلے حضرت نور اللہ مرقدہ

(۱) ہفت روزہ، خدام الدین، علامہ بنوری نمبر، تذکرہ دوست، از مولانا سید احمد رضا بجنوریؒ، ص: 112، 111، ط: انجمن خدام الدین، دروازہ شیر انوالہ لاہور۔

کے فتاوی کی جمع وترتیب کی ذمہ داری جامعہ کے استاذ حضرت مولانا محمد یاسین صاحب مدظلہ کو سونپی، مولانا موصوف نے فتاوی کے قدیم خستہ حال رجسٹروں سے ان فتاوی کا انتخاب شروع کیا جو حضرت بنوری نوراللہ مرقدہ نے خود تحریر فرمائے تھے، لیکن:

اولاً: جامعہ سے جاری شدہ ابتدائی کئی سال کے فتاوی کا ریکارڈ اس مجموعے میں موجود نہیں تھا۔

ثانیاً: حضرت نوراللہ مرقدہ نے اس عرصے میں فتوی نویسی کی ذمہ داری دیگر مفتیان کرام کو سونپ دی تھی۔

ثالثاً: حضرت بنوری نوراللہ مرقدہ نے جو فتاوی تحریر فرمائے وہ سب کے سب اس مجموعے میں درج بھی نہیں ہوسکے؛ اس وقت تک فوٹو کاپی کی سہولت نہ ہونے کی وجہ سے ہاتھ سے ہی فتاوی نقل کیے جاتے تھے، حضرت نوراللہ مرقدہ کا معمول نہیں تھا کہ کسی کو اپنا ہر فتوی نقل کرنے کا پابند کرتے، نیز ہر وقت ناقل کی طبیعت میں بشاشت بھی نہیں ہوتی، لہذا بہت سے فتاوی نقل کرتے ہوئے ناقل نے مجیب کا نام درج کرنے کا اہتمام نہیں کیا۔

رابعًا: نقلِ فتاویٰ کے بعض رجسٹر حادثے کی نذر ہونے کی وجہ سے بھی حضرت والد ماجد رحمہ اللہ کے بہت سے فتاویٰ محفوظ نہ رہ سکے، ان وجوہات کی بنا پر ایسے فتاوی جو حضرت نوراللہ مرقدہ نے خود تحریر فرمائے ان کا خاطر خواہ مجموعہ میسر نہ ہو سکا، اور حضرت بنوری رحمہ اللہ کے فتاوی کی طباعت کا کام التوا کا شکار ہو گیا۔

ممکن ہے کہ بہت سے ایسے فتاوی جن میں ناقل نے مجیب کا نام درج نہیں کیا، ان میں سے بعض فتاوی حضرت رحمہ اللہ کے تحریر کردہ ہوں، لیکن مجیب کا نام درج نہ ہونے کی وجہ سے زیر نظر مجموعے میں شامل نہ کیے جاسکے، فتاوی کی تلاش کے دوران بسا اوقات ایسے فتاویٰ بھی ملے جن میں مجیب کا نام نہیں تھا، وہی فتاوی دوسری جگہ ملے تو وہاں مجیب کا نام ''محمد یوسف بنوری'' درج تھا۔

جستجو کے آغاز کے کافی عرصے بعد مزید کچھ خود نوشت فتاویٰ دستیاب ہوئے، اور ایسے فتاوی بھی سامنے آئے جن پر حضرت نوراللہ مرقدہ نے اضافی ملاحظات تحریر فرمائے یا صرف تصویب فرمائی تھی،

انہیں بھی اس مجموعہ کا حصہ بنادیا گیا،الغرض زیرِ نظر مجموعے میں بہت سے فتاویٰ خود حضرت والد ماجد رحمہ اللہ کے تحریر کردہ ہیں، باقی فتاویٰ حضرت مفتی ولی حسن ٹونکی رحمہ اللہ اور دیگر حضرات کے تحریر کردہ ہیں جن پر حضرت والد صاحب رحمہ اللہ کی تصدیق وتصویب ہے اور بعض پر مفید واصولی ملاحظات ہیں، نیز ان فتاویٰ کی خاطر خواہ تخریج کی کوشش بھی کی گئی ہے،کاش کہ حضرت والد ماجد رحمہ اللہ کے تمام فتاویٰ کا ذخیرہ محفوظ کیا جاسکتا! **ولكن قدّر الله وماشاء فعل!**

بلاشبہ حضرت بنوری نوراللہ مرقدہ جیسی بلند پایہ اور قدآور فقہی شخصیت کی نسبت، دستیاب فتاوی کا یہ مجموعہ بہت مختصر ہے، لیکن "**مالا يدرك كلّه لا يترك كلّه**" کے تحت جو فتاویٰ دستیاب ہوسکے انہیں مجموعے کی شکل دی گئی ہے۔ ان فتاویٰ میں تحقیق و تخریج، تفریع وتاصیل کے آداب، تحریر و اسلوبِ افتاء کے کئی بنیادی راہنما اصول ملیں گے، جو افتاء کے میدان سے وابستہ اہلِ علم کے لیے ان شاء اللہ سرمایۂ گراں مایہ ثابت ہوں گے۔

اللہ تعالی ہمیں اور اہلِ علم کو ان قیمتی فقہی نوادرات سے مستفید ہونے کی توفیق بخشے، ہماری اس مختصر کوشش کو حضرتؒ کی حسنات میں اضافہ اور ہماری نجات کا ذریعہ بنائے۔آمین!

وصلى الله وسلم علىٰ سيدنا محمد وعلىٰ آله و صحبه أجمعين.

سلیمان یوسف بنوری
رئیس جامعۃ علوم اسلامیہ
علامہ بنوری ٹاؤن کراچی
۱۴۴۵/۱۰/۱۴ھ یوم الثلاثاء
2024/04/23ء

کتاب الإیمان والعقائد

ایمان وعقائد کا بیان

قرآنی احکامات میں تبدیلی کے امکان کا نظریہ رکھنے والوں کا حکم

سوال: محترم المقام جناب مولانا محمد یوسف بنوری، مہتمم مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن کراچی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

شیخ محمود احمد صاحب ناظم تعلیمات آزاد حکومت ریاست جموں وکشمیر مظفر آباد نے (جو آج کل چھٹی پر ہیں) مورخہ 19 جنوری 1971ء کو سٹوڈنٹس یونین گورنمنٹ ڈگری کالج مظفر آباد کے جلسہ رسم حلفِ وفاداری میں ایک تقریر کی تھی، اس تقریر میں انہوں نے اسلام کے بعض بنیادی اور مسلّمہ اصولوں کے بارے میں ایسے خیالات کا اظہار کیا تھا، جن کے خلاف ملک بھر میں شدید ردعمل کا اظہار کیا گیا اور کہا گیا کہ: شیخ صاحب کے یہ خیالات قرآن کریم کے مفہوم اور معانی اور صحیح اسلامی نظریات سے متصادم ہیں، قرآن کریم کے جن ارشادات کے بارے میں شیخ صاحب نے رائے زنی کی، وہ یہ ہیں:

(۱) زکاۃ کی شرح۔

(۲) قطع ید کا مفہوم قرآن وسنت کی روشنی میں۔

(۳) قرآنی احکامات کے مفہوم اور معانی میں تبدیلی کے امکانات۔

چوں کہ ملک میں شیخ صاحب کی تقریر کی بناپر ہنوز ایک ہیجان برپا ہے، اس لیے حکومت نے محسوس کیا کہ وہ اس بارے میں دین کے مستند اور مسلّمہ علماء اور فضلاء سے رجوع کرے کہ وہ قرآن وسنت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں کہ: آیا شیخ صاحب کے خیالات قرآن وسنت کے متصادم ہیں یا نہیں؟ اور اگر ہیں تو کس حد تک متصادم ہیں؟

جناب شیخ صاحب کی اصل تقریر جو ٹیپ ریکاڈر پر محفوظ ہے، ارسال کرتے ہوئے، آپ سے استدعا ہے کہ براہ کرم عریضہ ہذا ملنے کے بعد اصل تقریر کے اصل متن اور اس کے سیاق وسباق کے پیش نظر قرآن وسنت کی روشنی میں اپنی رائے سے مستفید فرمائیں، تاکہ حکومت امرِ بالا پر کسی نتیجہ پر پہنچ سکے۔

مستفتی: محمد یعقوب ہاشمی (15/مارچ 1971ء)
سیکریٹری تعلیمات، آزاد حکومت جموں وکشمیر مظفرآباد

جواب: آپ کے مراسلہ 65، 26، 34 کے جواب میں تحریر ہے کہ:

شیخ محمود احمد، ناظمِ تعلیمات صاحب کی تقریر جو آپ نے روانہ کی ہے، اس سے منکرِ حدیث اور پرویزی مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے معلوم ہوتے ہیں، ان کی تقریر ہم نے غور سے پڑھی اور اس نتیجے پر پہنچے کہ کشمیری عوام ہیجان میں مبتلا ہونے میں حق بجانب ہیں، اور ان کی تقریر واقعی اسلام کی تعلیم کے قطعی خلاف اور ضد ہے۔

مدرسہ عربیہ اسلامیہ سے منکرینِ حدیث کے اشکالات کے سلسلہ میں ایک مبسوط فتوی شائع ہو چکا ہے،[1] اسی طرح زکاۃ اور حدود کے سلسلہ میں ماہنامہ ''بینات'' میں مفصل بحثیں شائع ہو چکی ہیں،[2] ان کا مطالعہ فرماویں، اور ان صاحب کو فوراً علیحدہ کر کے کسی مسلمان کو مقرر کیا جائے، شیخ صاحب نے جن امور کے بارے میں رائے زنی کی ہے، ان کو مختصر جواب کے ساتھ درج کیا جاتا ہے:

---

(1) یہ فتویٰ مستقل کتابی صورت میں ''فتنہ انکار حدیث'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے، از مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی رحمہ اللہ، ط: مکتبہ بینات۔

(2) زکاۃ سے متعلق تفصیلی بحث کے لیے دیکھیے: ماہنامہ ''بینات'' ربیع الاول اور ربیع الثانی 1386ھ، زکاۃ کے متعلق ڈاکٹر فضل الرحمن کے سوالات اور ان کے جوابات، از حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی رحمہ اللہ. حدود سے متعلق تفصیلی بحث کے لیے دیکھیے: ماہنامہ ''بینات'' ذوالحجہ 1385ھ، صفر 1386ھ، اور جمادی الاولی وجمادی الاخری 1386ھ۔

=

۱-زکاۃ کی شرح

زکاۃ کی شرح احادیث متواترہ میں رسول ﷺ کی طرف سے مقرر کی جاچکی ہے،[1] اس لیے اس

(۱) عن علي عن النبي ﷺ ببعض أول هذا الحديث، قال: فإذا كانت لك مائتا درهم وحال عليها الحول ففيها خمسة دراهم، وليس عليك شيء -يعني في الذهب- حتى يكون لك عشرون دينارا، فإذا كانت لك عشرون دينارا وحال عليها الحول ففيها نصف دينار، فمازاد فبحساب ذلك ... إلخ (سنن أبي داود، كتاب الزكاة، باب في زكاة السائمة، (۱/ ۲۲۹) ط: مكتبه رحمانيه لاهور).

* وعن معاذ أن النبي ﷺ لما وجهه إلى اليمن أمره أن يأخذ من البقر من كل ثلاثين تبيعا أو تبيعة، ومن كل أربعين مسنة. رواه أبوداود والترمذي والنسائي والدارمي. (مشكاة المصابيح، كتاب الزكاة، باب ما يجب فيه الزكاة، الفصل الثاني، (ص:۱۵۹) ط:قديمى كراچى).
* عن عبد الله بن مسعود عن النبي ﷺ قال: في ثلاثين من البقر تبيع أو تبيعة، وفي كل أربعين مسنة. (جامع الترمذي، أبواب الزكاة عن رسول الله ﷺ، باب ماجاء في زكاة البقر، (۱/ ۱۳٦) ط: قديمى كراچى).
* عن سالم عن أبيه أن رسول الله ﷺ كتب كتاب الصدقة، فلم يخرجه إلى عماله حتى قبض فقرنه بسيفه، فلما قبض عمل به أبوبكر وعمر حتى قبض، وكان فيه: في خمس من الإبل شاة، وفي عشر شاتان وفي خمس عشرة ثلاث شياه، وفي عشرين أربع شياه، وفي خمس وعشرين بنت مخاض، إلى خمس وثلاثين... وفي الشاء في كل أربعين شاة إلى عشرين ومائة، فإذا زادت فشاتان إلى مائتين، فإذا زادت فثلاث شياه إلى ثلاث مائة شاة... إلخ (جامع الترمذي، أبواب الزكاة عن رسول الله ﷺ، باب ماجاء في زكاة الإبل والغنم، (۱/ ۱۳۵، ۱۳٦) ط: قديمى كراچى).
* سنن أبي داود، كتاب الزكاة، باب في زكاة السائمة، رواية سالم عن أبيه، (۱/ ۲۳۰) ط: مكتبه رحمانيه لاهور.
* عن نافع عن ابن عمر عن النبي ﷺ في أربعين شاة شاة إلى عشرين ومائة، فإذا زادت واحدة ففيها شاتان إلى مائتين، فإن زادت واحدة ففيها ثلاث شياه إلى ثلاث مائة، فإن زادت ففي كل مائة شاة، لايفرق بين مجتمع ولايجمع بين متفرق خشية الصدقة، وكل خليطين يتراجعان بالسوية، وليس للمصدق هرمة ولاذات عوار ولاتيس إلا أن يشاء المصدق. (سنن ابن ماجه، أبواب الزكاة، باب صدقة الغنم، (ص:۱۳۰) ط: قديمى كراچى).
* عن سمرة بن جندب قال: أما بعد! فإن رسول الله ﷺ كان يأمرنا أن نخرج الصدقة من الذي نعد للبيع. (سنن أبي داود، كتاب الزكاة، باب العروض إذا كانت للتجارة، (۱/ ۲۲۸) ط: مكتبه رحمانيه لاهور).

=

میں قطعاً تبدیلی نہیں کی جاسکتی، قرآن کریم میں حکم دیا گیا ہے کہ زکاۃ دو۔[1]

زکاۃ کی مقدار، نصاب وشرائط سب رسول پر چھوڑ دیے گئے ہیں، اور رسول کی شان یہ بیان کی گئی ہے کہ: آپ ﷺ بیان کرنے والے ہیں،[2] اس لیے آپ نے بیان فرمایا،[3] آپ ﷺ کا بیان قیامت تک کے لیے ہے، صحابہ سے لے کر آج تک پوری امت نے یہی سمجھا اور اس پر اپنے عمل کی مہر ثبت کی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو بیان کیا گیا ہے کہ: انہوں نے گھوڑوں پر اور مالِ تجارت پر زکاۃ عائد کی تھی جب کہ اس سے قبل زکاۃ عائد نہیں تھی، قطعاً غلط ہے۔

امرِ واقع یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مویشیوں کی زکاۃ کے بارے میں "سائمہ" کو اصول قرار دیا ہے،[4] "سائمہ" ان جانوروں کو کہا جاتا ہے: جو افزائشِ نسل کے لیے رکھے جائیں،[5] عہدِ رسالت

---

(١) ﴿وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ...الآية﴾ [البقرة: ١١٠].

(٢) ﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ﴾ [النحل : ٤٤]

(٣) قلت: لاشكّ أنّ الكتاب مجمل، والحكم فيه التوقف إلى أن يأتي البيان ،والبيان فوّض إلى رسول الله، والنبى بيّن ذلك في سائر الأموال،فيكون أصل الزكاة ثابتاً بدليل قطعي، والمقدار بالحديث. (عمدة القاري،كتاب الزكاة، باب وجوب الزكاة، (٨/ ١٥٩) ط: مصطفي البابي مصر).

(٤) فقد ثبت أصلها على الإجمال في الكمية الواجب في حديث الصحيحين، وثبتت الكمية وتحقق الأخذ في زمن الخليفتين عمر وعثمان من غير نكير... وعدم أخذه ﷺ لأنّه لم يكن في زمانه أصحاب الخيل السائمة من المسلمين، بل أهل الإبل وما تقدّم،إذ أصحاب هذه إنّماهم أهل المدائن والدشت والتراكمة...إلخ.(فتح القدير، كتاب الزكاة،باب صدقة السوائم،فصل في الخيل، (٢/ ١٣٨، ١٣٩) ط:رشيديه).

* إعلاء السنن، كتاب الزكاة، باب الزكاة في الفرس أوعدمها، (٩/ ٣٨)ط:إدارة القرآن كراچی.

(٥) باب السائمة (هي) الراعية، وشرعًا (المكتفية بالرعي) المباح، ذكره الشمني (في أكثر العام لقصد الدر والنسل)... إلخ. (الدر المختار على رد المحتار، كتاب الزكاة، باب السائمة (٢/ ٢٧٥) ط: سعيد كراتشي).

* الفتاوى الهندية، كتاب الزكاة، الباب الثاني في صدقة السوائم، الفصل الأول في المقدمة، (١/ ١٧٦) ط: مكتبه حقانيه پشاور.

* البحر الرائق، كتاب السوائم، باب صدقة السوائم (٢/ ٢١٣) ط: سعيد كراتشي.

=

میں ''خیل سائمہ'' نہیں تھے، بلکہ صرف سواری یا جہاد کے لیے گھوڑے پالے جاتے تھے، اس لیے گھوڑوں پر زکاۃ لینے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔[1] لیکن حضور اکرم ﷺ نے گھوڑوں کی زکاۃ کے بارے میں صراحۃً واشارۃً دونوں طرح ارشاد فرمایا تھا۔[2]

حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کی ایک مرسل حدیث ہے کہ: ''خیل سائمہ'' پر زکاۃ ہے۔[3]

صحیح مسلم کی ایک حدیث میں گھوڑے رکھنے والوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے اصولاً گھوڑوں کی زکاۃ کے بارے میں ارشاد بھی فرمایا: ''پھر جو گھوڑے پالنے والا اللہ کے حق کو نہیں بھولا جو اُن گھوڑوں کی ظہور (پشتوں) اور رقاب (گردنوں) پر واجب ہے، اس کے لیے وہ گھوڑا موجبِ اجر وثواب ہے''۔[4]

---

(١) والمعنى فيه: أنه حيوان سائم في أغلب البلدان؛ فتجب فيه زكاة السائمة، كالإبل والبقر والغنم إلا أن الآثار فيها لم تشتهر لعزة الخيل ذلك الوقت، وما كانت إلا معدة للجهاد. (المبسوط للسرخسي، كتاب الزكاة، باب زكاة البقر، (٢/ ٢٥٣) ط: مكتبه رشيديه).

(٢) عن جعفر بن محمد عن أبيه عن جابر قال: قال رسول الله ﷺ: في الخيل السائمة في كلّ فرس دينار. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب الزكاة، باب لاصدقة في الخيل... (٤/ ١١٩) ط: نشر السنة ملتان).

(٣) محمد قال: أخبرنا أبو حنيفة عن حماد عن إبراهيم أنّه قال: في الخيل السائمة التي يطلب نسلها إن شئت في كلّ فرس دينار، وإن شئت عشرة دراهم، وإن شئت فالقيمة...إلخ. (كتاب الآثار للإمام الأعظم أبي حنيفة، رواية الإمام محمّد بن الحسن الشيباني، باب زكاة الدوابّ العوامل، (ص: ٢٢٧) ط: الرحيم اكيدمى كراتشي).

(٤) عن أبي هريرة قال: قال رسول لله ﷺ: ما من صاحب كنزٍ لايؤدّى زكوٰته إلا أحمي عليه في نار جهنم...الخيل ثلاثة: فهي لرجل أجر، ولرجل ستر، ولرجل وزر... وأمّا الذي هي له ستر: فلرجل يتّخذها تكرّما وتجمّلًا ولاينسى حقّ ظهورها وبطونها في عسرها ويسرها... الحديث. (صحيح مسلم، كتاب الزكاة، باب إثم مانع الزكاة، (١/ ٣١٩) ط: قديمى كراچى).

* صحيح البخارى، كتاب المساقاة، باب شرب الناس والدوابّ من الأنهار، (١/ ٣١٩) ط: قديمى كراچى.

=

فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں جب شام کا علاقہ فتح ہو کر اسلامی سلطنت کا جُز بن گیا تو پہلی مرتبہ ایسے گلہ بانی کرنے والے لوگ سامنے آئے جو نسل کشی کے لیے گھوڑے پالتے تھے، لہٰذا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کو نافذ کر دیا، جو اَب تک محلِ حکم نہ ہونے کی وجہ سے نافذ نہیں ہوا تھا۔[1]

مالِ تجارت پر زکاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نافذ کی تھی،[2] اس کو صرف فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی طرف سے منسوب کرنا صحیح نہیں ہے۔

۲- قطعِ ید کا حکم

قطع ید کا وہی مفہوم ہے جس کو صحابہ نے سمجھا اور پوری اُمت نے اس پر عمل کیا، خلافتِ راشدہ سے لے کر اسلامی حکومتوں کے قضاۃ اور عمال نے اس پر اپنے عمل سے مہرِ تصدیق ثبت کی، صحابہ قرآن

---

* شرح معاني الآثار للإمام الطحاوي، كتاب الزكاة، باب الخيل السائمة هل فيها صدقة أم لا؟ (١/ ٢٦٠) ط: ميرمحمد كتب خانه كراچی.
* مشكاة المصابيح، كتاب الزكاة، الفصل الأول،(ص:١٥٥)ط:قديمی كراچی.

(١) عن حارثة بن مضرب قال: جاء ناس من أهل الشام إلٰى عمر رضي الله عنه فقالوا: إنّا قد أصبنا أموالاً خيلاً و رقيقاً، نحبّ أن يكون لنا فيه زكاة وطهور ... فاستشار عمر رضي الله عنه علياً رضي الله عنه ... فقال علي: هو حسن إن لم يكن جزيةً يؤخذون بها راتبةً.(السنن الكبرىٰ للبيهقی، كتاب الزكاة، باب لاصدقة في الخيل، (٤/ ١١٩) ط: نشر السنة ملتان).
* مصنف عبد الرزاق، باب الخيل (٤/ ٣٥) ط: المكتب الإسلامي بيروت.

(٢) عن سمرة بن جندب قال: أمّابعد! فإنّ رسول الله ﷺ كان يأمرنا أن نخرج صدقة من الذي نعد للبيع. (سنن أبي داود، كتاب الزكوٰة، باب العروض إذا كانت للتجارة هل فيها زكاة، (١/ ٢٨١) ط:مير محمد كتب خانه كراچی).
* السنن الكبري للبيهقي، باب زكاة التجارة (٤/ ١٤٦) ط: مجلس دائرة المعارف النظامية حيدر آباد الهند.
* شرح السنة، باب زكاة التجارة (٦/ ٥٦) ط: المكتب الإسلامي بيروت.

=

کریم کے اولین مخاطب اور نزول کے مشاہدہ کرنے والے اور عربی زبان ولغت کے ماہر تھے، ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں گزرا جو اِن متجدد صاحب نے سمجھا ہے۔[1]

''ید'' کا لفظ انگلیوں سے لے کر شانے تک بولا جاتا ہے،[2] رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''ہاتھ گٹے سے کاٹے جائیں''[3] اور اس پر آپ ﷺ نے عمل کیا، صحابہ نے اس پر عمل کیا، اس طرح

---

(١) وقد عاب القرآن على من يأخذون بالظن فيما لايكفي فيه الظن، فقال الله جل شانه: ﴿إن يتبعون إلا الظن وإن الظن لايغنى من الحق شيئا﴾، إلى غير ذلك من أدلة كثيرة في الكتاب والسنة تأمر بالنظر، وكان الصحابة هم المخاطبين بهذه التعاليم والمشافهين بها، فلاريب أنّ تلك الآداب الإسلامية من أهم العوامل في تثبتهم وحذرهم خصوصا فيما يتصل بكتاب ربهم وسنة نبيهم، وبعيد كل البعد بل محال كل الإستحالة أن يكونوا قد أهملوا هذا النصح السامي وهم خير طبقة أخرجت للناس. (مناهل العرفان في علوم القرآن، المبحث الثامن في جمع القرآن ومايتعلق به، الجبهة الثانية في عوامل تثبت الصحابة من الكتاب والسنة، العامل الأول: أمر القرآن بالتثبت ونهيه عن التهجم، (١/ ٣١٧) ط:دارالفكر، بيروت).

(٢) قال أبوبكر:"اليد" اسم يقع على هذاالعضوإلى المنكب،والدليل على ذلك أن عمّاراً تيمّم إلى المنكب، وقال: تيمّمنا مع رسول الله ﷺ إلى المناكب، وكان ذلك لعموم قوله: ﴿فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكمْ وَاَيْدِيْكمْ مِّنْه﴾ ولم ينكره عليه أحد من جهة اللّغة، بل هوكان من أهل اللّغة...إلخ (أحكام القرآن للجصاص، [المائدة:٦]، باب الطهارة والوضوء للصلوٰة، (٢/ ٤٢٧- ٤٢٨) ط: دارالكتب العلمية بيروت).

* روح المعاني، [المائدة:٣٨]، مبحث في السارق والسارقة، (٦/ ١٣٣) ط:إدارة الطباعة المنيرية مصر.

* «اليد» بتخفيف الدال وضمها «الكف أو من أطراف الأصابع إلى الكف» كذا في النسخ، والصواب إلى الكتف؛ وهذا قول الزجاج؛ وقال غيره: إلى المنكب. (تاج العروس لمحمد مرتضي الزبيدي، فصل الياء، (١٠/ ٤١٧) ط: مطابع دار صادر بيروت).

(٣) عن عائشة أنّ أسامة كلّم النبي صلى الله عليه وسلم في امرأة فقال: إنّما هلك من كان قبلكم أنهم كانوا يقيمون الحدّ على الوضيع ويتركون على الشريف، والذي نفسي بيده لو فاطمة فعلت ذلك لقطعت يدها.(صحيح البخاري، كتاب الحدود، باب إقامة الحدود على الشريف والوضيع، (٢/ ١٠٠٣) ط: قديمي كراچی).

=

پوری اُمت نے اس پر عمل کیا۔

محمود احمد صاحب نے کہا ہے کہ: لغت میں "ید" کے معنٰی انعام واحسان کے ہیں، اور اہل لغت کہتے ہیں کہ: اس کا استعمال انعام واحسان پر اکثر ہے۔ اس کو معلوم نہیں کہ "ید" جب انعام واحسان کے معنٰی میں آتا ہے تو اس کی جمع "أيادي" آتی ہے، اور جب ہاتھ کے معنی میں آتا ہے تو اس کی جمع "أيدي" آتی ہے۔ (1)

قرآن کریم نے "أيدي" کا لفظ استعمال کیا ہے، پھر قطع جب "أيدي" کے ساتھ استعمال ہوگا تو اس کے معنی کاٹنے کے ہیں۔ انعام واکرام کے معنی لینا لغت سے جہالت ونادانی کی دلیل ہے، قرآن کریم کو کبھی بھی لغت کے معنی سے سمجھا نہیں جاسکتا، قرآن کریم جس ہستی پر نازل ہوا، اور جو اس کے اوّلین مخاطبین بنائے گئے ان کے قول کو جب تک قرآن کریم کے ساتھ شامل نہ کیا جائے، کبھی سمجھا نہیں جاسکتا۔

---

* وفيه عن عائشة أن النبي صلى الله عليه وسلم قطع يد امرأة، قالت عائشة: وكانت تأتي بعد ذلك فأرفع حاجتها إلى النبي صلى الله عليه وسلم، فقامت وحسنت توبتها. (صحيح البخاري، كتاب الحدود، باب توبة السارة، (٢/ ١٠٠٤)، ط: قديمي كراچی).
* نصب الراية للعلامة الزيلعي، كتاب السرقة، فصل في كيفية القطع، (٣/ ٢٧٠) ط: المجلس العلمی ڈابھیل ١٣٥٧هـ.

(١) (أيدي) اليد: من المنكب إلى أطراف الأصابع، والجمع (أيدٍ)، (والأيادي) جمع الجمع، إلّاأنّها غلبت على جمع (يد) (النعمة)...إلخ. (المُغرب في ترتيب المعرب للإمام ناصرالدين المطرزي [المتوفى:٦١٠هـ]، باب الياء، الياء مع الدال، (٢/ ٣٩٥) ط: إداره دعوت إسلام، جامعة يوسفية بنورية كراچی).
* اليد: الكف، وقال أبو إسحاق: اليد من أطراف الأصابع إلى الكف...وقد جمعت الأيدي في الشعر على أياد وهو جمع الجمع مثل أكرع وأكارع... وقال ابن جني: أكثر ما تستعمل الأيادي في النعم لا في الأعضاء. (لسان العرب للإمام ابن منظور، باب الياء، بحث يدى (١٥/ ٤٣٧) ط: دار إحياء التراث العربي بيروت).

=

"ھدایہ" میں قطعِ ید کی جن استثنائیات کا ذکر ہے،[1] اس کی حقیقت یہ ہے کہ: "سرقة" کی ایک اصطلاحی تعریف ہے،[2] یہ اصطلاحی تعریف بعض صورتوں پر صادق نہیں آتی، اس لیے ہاتھ نہیں کاٹا جاتا، اس طرح بعض صورتوں میں مجرم کو شبہ کا فائدہ دیا جاتا ہے۔[3]

۳-قرآنی احکامات کے مفہوم اور معانی میں تبدیلی کے امکانات

یہ بھی ایک گمراہ کن نظریہ ہے، اس کی داغ بیل اب سے پہلے مستشرقین نے ڈالی، منکرینِ حدیث اور ملک کے ملاحدہ نے اس کو پروان چڑھایا، اور اب اس کا تذکرہ زبان زد خواص ہے، اس کا مقصودِ وحید یہ ہے کہ قرآن کے احکامات کو اپنی خواہشات کے مطابق ڈھال کر اسلام کو ختم کر دیا جائے، قرآن کریم میں صریح ارشاد ہے ﴿لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللهِ﴾ [یونس:۶۴] (اللہ تعالیٰ کے کلمات میں کبھی تبدیلی

---

(۱) دیکھیے: الهداية للمرغيناني، كتاب السرقة، باب مايقطع فيه وما لايقطع، (۲/ ۵۲۶) ط: مكتبه رحمانيه لاهور.

(۲) سرقہ کی ایک اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ: هي أخذ مكلّف ناطق بصيرعشرة دراهم جياد أومقدارها مقصودة ظاهرة الإخراج خفية من أصحاب يد صحيحة ممالايتسارع إليه الفسادفي دارالعدل في حرزلاشبهة ولاتأمّل فيه. (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب السرقة، (٤/ ٨٢- ٨٥) ط: سعيد).

* البحرالرائق، كتاب السرقة، (٥٠/٥) ط: سعيد.
* الفتاوىٰ الهندية، كتاب السرقة، الباب الأوّل في بيان السرقة وما تظهر به، (٢/ ١٧٠) ط: رشيديه.

(۳) «الحدود تندرأبالشبهات».(الأشباه والنظائر لابن نجيم، النوع الثاني من القواعد، القاعدة السادسة، (ص: ١٢٧) ط:قديمي كتب خانه كراچی).

* وأيضاً في إجماع فقهاء الأمصار علىٰ أنّ الحدود تدرأ بالشبهات. (الكفاية شرح الهداية، كتاب الحدود، باب الوطئ الذي يوجب الحدّ والذى لايوجبه، (٥/ ٣٢) ط: رشيديه).
* فإن تمحض حرامًا يجب الحد وإن تمكنت فيه الشبهة لايجب الحد كذا في فتاوىٰ قاضيخان. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الحدود، الباب الرابع في الوطء الّذي يوجب الحد والّذي لايوجبه، (٢/ ١٤٧) ط: رشيديه).

=

نہیں ہوسکتی) منصوص اور ایسے احکام جن کی علت منصوص ہو تبدیل نہیں کیے جاسکتے۔[1]

ایسے اجتہادی احکام جن کی بنیاد قیاس اور عرف پر ہو وہ تبدیل کیے جاسکتے ہیں،[2] اور اس کے لیے بھی علماءِ کاملین کے ایک بورڈ کی ضرورت ہے، ہر کہ ومہ کو تبدیلی کا اختیار نہیں۔

غرض محمود احمد صاحب جن کی تقریر آپ نے ارسال کی، منکرِ حدیث اور پرویزی خیال کے ہیں، اور پرویز کے بارے میں آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہر مکتبِ فکر کے علماء تکفیر کا فتویٰ دے چکے ہیں،[3] یہ نہایت ہی خطرناک گروہ ہے، ان کا مقصد اسلام کو ختم کرنا ہے، یہ لوگ یہود و نصاریٰ مستشرقین کے آلہ کار ہیں۔

آزاد کشمیر گورنمنٹ جن کو بھارتی سامراج سے مقابلہ کرنا ہے، اس کی سعادت اسی میں ہے کہ وہ اسلامی احکام جاری کرکے اللہ تعالیٰ کی مدد کی مستحق بنے، منکرینِ حدیث اور ملاحدہ کو ذمہ دار عہدوں پر متعین کرکے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول برحق ﷺ کے غضب کی مستحق نہ بنے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صواب	کتبہ
محمد یوسف البنوری عفا اللہ عنہ	ولی حسن ٹونکی
دارالافتاء مدرسہ عربیہ اسلامیہ	(۹/صفر المظفر ۱۳۹۱ھ)

---

(۱) وبالإتفاق لاتجوز مخالفته فيما ينص عليه من أحكام الشرع. (أصول السرخسي، باب الكلام في أفعال النبيّ ﷺ، فصل في بيان طريقة رسول الله ﷺ في إظهارأحكام الشرع، (۲/ ۹۲) ط:دار المعارف النعمانية لاهور).

(۲) ثم اعلم أنّ كثيرا من الأحكام التي نصّ عليهاالمجتهد صاحب المذهب بناءً على ما كان في عرفه وزمانه قد تغيّرت بتغيّرالأزمان بسبب فساد أهل الزمان أوعموم الضرورة.(شرح عقود رسم المفتي، (ص: ۱۹۵) ط: ميرمحمد كتب خانه كراچی).

(3) دیکھیے: فتنہ انکار حدیث، تالیف: حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی رحمہ اللہ، ط: مکتبہ بینات۔

قرآن میں تحریف کرنے والا باجماع امت کافر و مرتد ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) قرآن میں تحریف ہو سکتی ہے؟

(۲) تحریف کرنے والے کے لیے شریعت میں کیا احکام ہیں؟ بالخصوص اگر وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو؟

(۳) رسالہ ''عکس چمن'' کا فوٹو منسلک ہے، اس پر سورۃ القصص کی آیت [نمبر: ۴۱] جن الفاظ میں لکھی ہے، وہ تحریف ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو تحریف کرنے والے کے لیے کیا حکم ہے؟

مستفتی: محمد سلیم رحمانی، سہیل احمد خان، محمد کریم الدین

جواب:-۱ قرآن کریم میں تحریف قطعاً نہیں ہو سکتی، ایک کلمہ یا ایک حرف کی تبدیلی بھی قرآن کریم میں ناممکن ہے، اللہ رب العالمین نے اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ [الحجر: ۹]

آیتِ کریمہ میں تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم کا نازل کرنے والا ہے، اور وہی اس کی حفاظت کرنے والا ہے، پیغمبر ﷺ نے قرآن کریم بلا کم و کاست صحابہ تک پہنچایا، اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے امت مسلمہ تک، امت مسلمہ نے اس کی حفاظت کی، اس کی آیات، کلمات، حروف تک سب کے سب شمار کیے ہوئے ہیں، ہزاروں لاکھوں انسان اپنے سینوں میں اس کی حفاظت کر رہے ہیں، تحریف لفظی کُجا، تحریف معنوی بھی نہیں ہو سکتی۔[1]

---

(۱) قوله تعالىٰ: ﴿وَإِنَّا لَهُ لَحَٰفِظُونَ﴾ أي من كل ما يقدح فيه كالتحريف والزيادة والنقصان وغير ذالك.(روح المعاني، [الحجر:۹] (۱٤/ ۱٦)ط:إدارة الطباعة المنيرية، دمشق).

* التفسير الكبير للفخر الرازي، [الحجر:۹] (۱۹/ ۱٦۰) ط: إيران.

* ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ﴾ وهو القرآن ﴿وَإِنَّا لَهُ لَحَٰفِظُونَ﴾ قال: وإنا للقرآن لحافظون من أن يزاد فيه باطل ما ليس منه أو ينقص منه ما هو منه من أحكامه وحدوده وفرائضه. (تفسير الطبري لأبي جعفر محمد بن جرير الطبري، [الحجر:] (۱٤/ ٦) ط: دار المعرفة بيروت).

زنادقہ نے جب بھی تحریف معنوی کی کوشش کی، علماء امت اور امت مسلمہ نے اسے رد کر دیا، اور ان کی تحریفات کو امت مرحومہ کے اجتماعی ذہن نے کبھی قبول نہیں کیا، حفاظتِ قرآن کا وعدۂ الٰہی ہر دور، ہر زمانہ میں اسی طرح ظاہر ہوتا رہا، اور تحریف کرنے والے ہمیشہ خائب وخاسر رہے۔

۲- قرآن کریم میں ایک حرف کی بھی تحریف یا تبدیلی کرنے والا باجماعِ امت کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ قرآن کریم میں ارشادِ ربانی ہے:

﴿أَفَتَطْمَعُونَ أَن يُؤْمِنُوا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِن بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾ [البقرة:۷۵]

اس آیت سے واضح ہے کہ جو لوگ کلامِ الٰہی میں تحریف کا ارتکاب کرتے ہیں، ان کے ایمان کی قطعًا کوئی اُمید نہیں کی جاسکتی، اور نہ ان کو مؤمن کہا جاسکتا ہے۔ صاحب ''روح المعانی'' لکھتے ہیں:

«وحاصل الآية: استبعاد الطمع في أن يقع من هؤلاء السفلة إيمان، فقد كان أحبارهم ومقدّموهم على هذه الحالة الشنعاء، ولاشكّ أنّ هؤلاء أسوأ خلقاً وأقلّ تمييزاً من أسلافهم، أو استبعاداً لطمع في إيمان هؤلاء الكفرة المحرّفين... إلخ»(۱)

پیغمبر ﷺ کو بھی کسی قسم کی تبدیلی کا حق نہیں تھا۔ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَٰذَا أَوْ بَدِّلْهُ قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِن تِلْقَاءِ نَفْسِي إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ﴾

[یونس:۱۵]

کفار اور منافقین حضور اکرم ﷺ سے بعض آیات کی تبدیلی کا مطالبہ کرتے تھے، اس کے جواب

(۱) روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني، [البقرة:۷۵] (۱/ ۲۹۹) ط: إدارة الطباعة المنيرية مصر.

=

میں یہ آیت نازل ہوئی،[1] اس سے معلوم ہوا کہ تبدیلی یا تحریف کا مطالبہ کرنے والے کافر و منافق ہوتے ہیں۔ نیز کسی کو بھی قرآن کریم میں تحریف یا تبدیلی کا حق نہیں۔

فقہاءِ کرام نے بھی قرآن کریم میں تحریف کرنے والے کو بالاجماع کافر کہا ہے، چناں چہ "معین الحکام" میں ہے:

«ومن استخف بالقرآن أو بشيء منه أو جحده أو حرفًا منه أو كذّب بشيء منه أو أثبت ما نفاه أو نفى ما أثبته على علم منه بذلك، أو شك في شيء من ذلك فهو كافر عند أهل العلم بالإجماع، وكذا من غيّر شيئًا منه أو زاد فيه...إلخ»[2]

---

(١) فعن مقاتل: أن الآية نزلت في خمسة نفر: عبد الله بن أمية المخزومي، والوليد بن المغيرة، ومكرز بن حفص، وعمرو بن عبدالله بن أبي قيس العامري، والعاص بن عامر بن هشام، قالوا للنبي صلى الله عليه وسلم: إن كنت تريد أن نؤمن لك فائت بقرآن ليس فيه ترك عبادة اللات والعزى ومنات، وليس فيه عيبها، وإن لم ينزل الله عليك فقل أنت من نفسك أو بدله فاجعل مكان آية عذاب آية رحمة، ومكان حرام حلالاً، ومكان حلال حراماً. (روح المعاني للعلامة الآلوسي البغدادي، طلب الكفار من النبي صلى الله عليه وسلم أن يأتيهم بقرآن ليس فيه ما...الخ، [يونس:١٥] (١١/ ٨٥) ط: إحياء التراث العربي، بيروت).

* التفسير الكبير للإمام الفخر الرازي، [سورة يونس: ١٥] (٦/ ٢٢٣، ٢٢٤) ط: مكتبه علوم اسلاميه لاهور.

* تفسير الخازن لعلاء الدين علي بن محمد، [سورة يونس: ١٥] (٣/ ١٧٨) ط: دار الفكر بيروت.

(٢) معين الحكام للشيخ علي بن خليل الطرابلسي، القسم الثالث من الكتاب في القضاء بالسياسة الشرعية، فصل: ومن استخفّ بالقرآن، قبيل فصل في عقوبة الساحروالخناق والزنديق، (ص:٢٢٩) ط:مصطفي البابى الحلبى مصر.

* مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، ألفاظ الكفر أنواع، الثالث في القرآن والأذكار والصلاة ونحوها (٢/ ٥٠٧) ط: دار الكتب العلمية بيروت.

=

۳- رسالہ ''عکس چمن'' میں ''سورۃ القصص'' کی آیت [نمبر:۴۱] جن الفاظ میں لکھی ہے، وہ بلاشبہ تحریفِ لفظی ہے، اسلامی آئین کی رو سے تحریف کرنے والا کافر و مرتد ہے،[1] جس کی سزا قتل ہے۔[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صواب	کتبہ
محمد یوسف البنوری عفا اللہ عنہ	ولی حسن ٹونکی
دار الافتاء مدرسہ عربیہ اسلامیہ	(۱۳۹۶/۸/۱۷ھ)

(1) حوالہ بالا۔

(۲) أنّ علياً رضي الله عنه حرّق قوماً، فبلغ ابن عباس...كما قال النبيّ ﷺ: من بدّل دينه فاقتلوه. (صحيح البخاري، كتاب الجهاد، باب لايعذّب بعذاب الله، (۱/ ٤٢٣) ط: قديمی كراچی).

* سنن أبي داود، كتاب الحدود، باب الحكم فيمن ارتدّ، (۲/ ٥٩٨) ط:مير محمد كتب خانه كراچی.
* جامع الترمذي، أبوب الحدود، باب ماجاء في المرتد، (۱/ ۲۷۰) ط:سعيد.
* سنن ابن ماجه، أبواب الحدود، باب المرتد عن دينه، (ص:۱۸۲) ط:قديمی كراچی.
* ويحبس ثلاثة أيام، فإن أسلم وإلّا قتل.(كتاب السير،الباب التاسع في أحكام المرتدين،(۲/ ۲۳) ط: رشيديه).

﴿وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ...﴾ وغیرہ آیات کے مذکورہ فی السوال تراجم میں توہینِ رسالت کا کوئی پہلو نہیں ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس بارے میں کہ:

ہماری ایک انجمن ہے، ''انجمن تبلیغ الاسلام'' کے نام سے، جس کی جانب سے کتابیں وقتاً فوقتاً شائع ہوتی رہتی ہیں، حال ہی میں ایک کتاب ''سیرتِ سرورِ کائنات ﷺ'' مصنفہ مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی کا گجراتی زبان میں ترجمہ کرکے شائع کیا ہے، اس کتاب میں حضرت مولانا نے قرآن کی بعض آیات کو تحریر کرکے ان کا ترجمہ کیا ہے۔ مثلاً:

۱- اور اس پروردگار نے آپ کو راہ سے بے خبر دیکھا تو اس نے آپ کو ہدایت دی۔ [الضحیٰ:۷]

۲- اور آپ جانتے نہ تھے اللہ کی کتاب کیا چیز ہے اور نہ یہ جانتے تھے کہ ایمان کیا چیز ہے۔ [الشوریٰ:۵۲]

۳- اور پروردگار نے آپ کو (اے نبی) مفلس دیکھا تو غنی کردیا۔ [الضحیٰ:۸]

ان تراجم پر کچھ لوگوں نے اعتراض کیا کہ یہ ترجمہ غلط ہے اور حضور ﷺ کی توہین کی گئی ہے، تو اس معاملہ میں ہم آپ سے ہدایت طلب کرتے ہیں کہ کیا واقعی یہ تراجم غلط ہیں؟ اور یہ کتاب پڑھنے کے لائق نہیں ہے؟

مستفتی: کنویز انجمن تبلیغ الاسلام

جواب: مولانا عبدالشکور صاحب سنی حنفی محقق عالم ہیں، ان کی کتابوں کا ترجمہ گجراتی زبان میں بہت مفید ہوگا، ان شاءاللہ!

جوابات سے پہلے اس حقیقت کو سمجھ لینا چاہیے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ نبوت سے پہلے ہی

معصوم تھے، اس کا کوئی امکان نہیں کہ آپ سے کوئی بات کفر وشرک کی نکلے، بلکہ آپ گناہوں سے معصوم تھے،[1] البتہ وہ علوم وحقائق ومعارف واحکام الٰہیہ جو نبوت کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائے ہیں، نبوت سے پہلے نہیں تھے، اور نبوت ورسالت کے بعد جن علوم سے سرفراز کیے گئے، وہ نبوت سے پہلے نہ تھے، ظاہر ہے ہر عاقل سمجھ سکتا ہے کہ نبوت سے پہلے ان علوم وحقائق سے بے خبر تھے، نہ جانتے تھے، جو نبوت کے بعد جاننے لگے،[2] اس بات کے سمجھنے کے بعد یہ بات بالکل آسان ہو جاتی ہے کہ

---

(١) (والعصمة ... (وأما الوقوع فالذي صح عند أهل الأخبار والتواريخ: أنه لم يبعث من أشرك بالله طرفة عين ولامن كان فاسقاً فاجراً ظلوماً، وإنما بعث من كان تقياً ذكياً أميناً مشهور النسب، حسن التربية). (قوله: والعصمة الخ) اتفق جمهور المسلمين على أن الأنبياء عليهم الصلاة والسلام معصومون عن الكفر قبل الوحي وبعده. (المسامرة بشرح المسايرة مع شرح الشيخ قاسم بن قطلوبغا، الأصل التاسع: الكلام على العصمة، (ص:٢٢٧ - ٢٢٩) ط: مطبعة السعادة بمصر).

* والأنبياء عليهم الصلاة والسلام كلهم منزهون عن الصغائر والكبائر والكفر والقبائح، وقدكانت منهم زلّات وخطايا، ومحمّد عليه الصلاة والسلام حبيبه وعبده ورسوله ونبيه وصفيه ونقيه، ولم يعبد الصنم ولم يشرك بالله تعالى طرفة عين قطّ، ولم يرتكب صغيرة ولاكبيرة قطّ. (الفقه الأكبر، (ص: ٨) ط: دائرة المعارف النظامية، حيدر آباد دكن).

* (ولم يعبد الصنم) أي: ولاغيره، لقوله: (ولم يشرك بالله طرفة عين قطّ) أي: لاقبل النبوة ولابعدها، فإن الأنبياء عليهم الصلاة والسلام معصومون عن الكفر مطلقاً بالإجماع ... إلخ (منح الروض الأزهر في شرح الفقه الأكبر، (ص:١٨١) ط: دار البشائر الإسلامية، بيروت، لبنان).

* لايجوز على الأنبياء عليهم السلام الكفر، وتعمد الكذب في التبليغ، بل العصمة عن الكفر ثابتة قبل الوحي وبعده، ولم يعرف في ذلك مخالف. (رسالة في الإعتقاد لمحمد بن العلاء البخاري الحنفي، مباحث النبوة، (ص:١٧٢) ط: دارالضياء كويت)

(٢) قوله تعالى: ﴿وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ﴾ أي غافلاً عما يراد بك من أمر النبوة، فهداك، أي: أرشدك، و"الضلال" هنا بمعنى: "الغفلة"، كقوله جلّ ثناءه: ﴿لَّا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنسَى﴾ أي: لايغفل،... وقال قوم: "ضالا" لم تكن تدري القرآن والشرائع، فهداك الله إلى القرآن وشرائع

جو کچھ حق تعالیٰ نے کلامِ پاک میں فرمایا ہے، وہ سمجھ میں آجائے۔

۱- یہ ترجمہ صحیح ہے، تمام مفسرینِ اہلِ سنت نے اس قسم کا ترجمہ کیا ہے، مقصد یہ ہے کہ وحی الٰہی سے اور وحی کے ذریعے جن علوم و معارف سے واقفیت ہوئی، وہ وحی سے پہلے نہ جانتے تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبی ورسول بنا کر ان حقائق الٰہیہ سے خبر دار کر دیا، اور اس کی طرف راہنمائی فرمائی۔[1]

۲- اس ترجمہ کے اندر بھی کوئی قابلِ گرفت بات نہیں ہے، ظاہر ہے کہ کتاب اللہ کو نزولِ وحی سے پہلے اور ایمان کی تفصیلات اور ایمان بالغیب کی حقیقت، ان سب باتوں کا انکشاف تو نزولِ وحی کے بعد یعنی رسول و نبی ہونے کے بعد ہوا، تقریباً دونوں آیتوں کا مقصد ایک ہی طرح ہے۔

۳- یہ ترجمہ بھی درست ہے، مولانا احمد رضا خان صاحب نے بھی اپنے قرآنی ترجمہ میں اس قسم کا ترجمہ کیا ہے: حاجت مند، فقیر، مفلس۔[2] اس کے معنی میں کوئی فرق نہیں، یعنی آپ نادار تھے،

الإسلام. (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، [الضحى:٧] (٢٠/ ٩٦) ط: مطابع الهيئة المصرية العامة للكتاب).

* ﴿ووجدك ضالا﴾ عن علم الحكم والأحكام ﴿فهدى﴾ فعلمك بالوحي والإلهام والتوفيق للنظر، (قوله: عن علم الحكم والأحكام) أي: وجدك غافلاً عن علوم النبوة والأحكام الشريعة فهداك إليها، كقوله: ﴿ماكنت تدري ما الكتٰب ولا الايمان﴾ (حاشية محي الدين شيخ زاده على تفسير البيضاوي، [الضحى:] (٨/ ٦٢٤) ط: دارالكتب العلمية بيروت).

* ﴿وَوَجَدَكَ ضَالًّا﴾ عن معالم النبوة وأحكام الشريعة غافلاً عنها فهداك إليها، وهو المراد من قوله: ﴿مَا كُنتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ﴾ وقوله: ﴿وَإِن كُنتَ مِن قَبْلِهِ لَمِنَ الْغَافِلِينَ﴾. (التفسير الكبير للفخر الرازي، [الضحى:٧] (٣١/ ١٩٦) ط: دار الكتب العلمية بيروت).

(1) حوالہ بالا۔

(2) ﴿وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنٰى﴾ اور تمہیں حاجت مند پایا پھر غنی کر دیا۔ (کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن، [الضحیٰ:8] (ص:718) ط: ضیاء القرآن پبلشرز اردو بازار لاہور)۔

=

اللہ تعالیٰ نے آپ کو اموالِ غنیمت دے کر غنی و بے نیاز بنادیا، یا غناءِ قلبی نصیب فرمادی۔[1]

بہر حال ان تراجم میں کوئی توہین کا پہلو نہیں، زبردستی کوئی نکالے تو اس کا کیا علاج!

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو صحیح فہم نصیب فرمائے، اور حق پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

کتبہ: محمد یوسف بنوری

حضور اکرم ﷺ کو عالمِ بیداری میں دیکھنے کا حکم

سوال: حضور اکرم ﷺ کو عالم بیداری میں دیکھنا کیسا ہے؟ اور ایسے شخص کو کیا کہنا چاہیے؟ مدلل بیان کریں! مستفتی: محمد رفیق (۲۰/محرم/۱۳۹۴ھ)

جواب: عالم بیداری میں حضور اکرم ﷺ کو دیکھنا، جب کہ آپ وفات پاچکے ہیں، قرآن وسنت سے ثابت نہیں، جب عالم بیداری میں آپ ﷺ کے شرفِ زیارت کا ثبوت قرآن وسنت سے نہیں، اس پر دلیل قائم کرنے کی ضرورت نہیں، عالم بیداری میں دیکھنا ناممکن بات بھی نہیں، اور جو عالم بیداری میں حضور ﷺ کو دیکھنے یا حضور اسے ملاقات، بات چیت کرنے کا دعویٰ کرتا ہے، ناممکن کا دعویٰ نہیں کرتا۔

الجواب صحیح	کتبہ
محمد یوسف البنوری عفا اللہ عنہ	محمد عبد السلام
	(۲۳/محرم/۱۳۹۴ھ)

---

(۱) ﴿وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ﴾ على نمط سابقه، و"العائل": المفتقر من عال يعيل عيلا وعيلة وعيولا ومعيلا: افتقر أي: وجدك عديم المقتنيات فأغناك ... إلخ (تفسير روح المعاني للآلوسي، [الضحى:٨] المجلد الخامس عشر، (٣٠/ ١٦٣) ط: إحياء التراث العربي، بيروت).

* "اور پایا تجھ کو مفلس پھر بے پروا کردیا"۔ (ترجمہ حضرت شیخ الہند، تفسیر عثمانی، [الضحیٰ:8](820/2) ط: دار الاشاعت کراچی)۔
* "اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو نادار پایا، سو مال دار بنادیا"۔ (بیان القرآن، ترجمہ حکیم الامت اشرف علی تھانوی، [الضحیٰ:8] (ص:782) ط: قدرت اللہ کمپنی لاہور)۔

=

میری رائے میں صحیح جواب یہ ہے:

عالم بیداری میں حضور ﷺ کو دیکھنا ممنوع نہیں، حدیث یا فقہ میں اس کی ممانعت نہیں، بلکہ ایک حدیث میں ایسا اشارہ ملتا ہے کہ: جس نے خواب میں مجھے دیکھا تو (ہو سکتا ہے) کہ بیداری میں بھی دیکھ لے۔[1]

اربابِ قلوب اور اہلِ تصوف کے یہاں تو یہ چیز تواتر کو پہنچی ہے کہ: آں حضرت ﷺ اور بعض اکابر کی زیارت بیداری میں ہوتی رہتی ہے، اگرچہ بیداری کی رؤیت، مثالی رؤیت ہے، عالم شہادت کی رؤیت نہیں، ورنہ ہر شخص اس وقت دیکھتا، بلکہ خاص مثالی رؤیت ہے، عالمِ مثال کی مثال بھی خواب جیسی

---

(١) عن عبد الله عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من رآني في المنام فقد رآني في اليقظة، فإن الشيطان لايتمثل على صورتي. (سنن ابن ماجه، أبواب تعبير الرؤيا، باب رؤية النبي صلى الله عليه وسلم في المنام، (ص:٢٧٨) ط: قديمى كراچى).

* عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من رآني في المنام فسيراني في اليقظة، ولايتمثل الشيطان بي. متفق عليه. (مشكاة المصابيح، كتاب الرؤيا، الفصل الأول، (ص:٣٩٤) ط: قديمى كراچى).
* صحيح مسلم، كتاب الرؤيا، (٢/ ٢٤٢) ط: قديمى كراچى.
* صحيح البخاري، كتاب التعبير، باب من رأى النبي صلى الله عليه وسلم في المنام، (٢/ ١٠٣٥) ط: قديمى كراچى.
* اختلف العلماء في معنى قوله صلى الله عليه وسلم: فقد رآني، فقال ابن الباقلاني: معناه: أن رؤياه صحيحة ليست بأضغاث ولا من تشبيهات الشيطان... وقال الآخرون: بل الحديث على ظاهره، والمراد: أن من رآه فقد أدركه، ولامانع يمنع من ذلك، والعقل لايحيله حتى يضطر إلى صرفه عن ظاهره ... فتكون ذاته صلى الله عليه وسلم مرئية، وصفاته متخيلة غير مرئية، والإدراك لايشترط فيه تحريق الأبصار، ولاقرب المسافة ولاكون المرئي مدفوناً في الأرض ولاظاهراً عليها، وإنما يشترط كونه موجوداً، ولم يقم دليل على فناء جسمه صلى الله عليه وسلم، بل جاء في الأحاديث مايقتضي بقاءه. (شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب الرؤيا، (٢/ ٢٤٢) ط: قديمى كراچى).

=

ہے۔ البتہ جو خواب میں دیکھ لے وہ رؤیا کہلائے گا، اور جو بیداری میں ہو گی، وہ رؤیت ہو گی، ہاں ضرور خیال رہے کہ اس رؤیت میں ضروری نہیں کہ مرئی (جن کو دیکھا جاتا ہے اس) کو علم و خبر ہو، یا اس کے تصرف و قدرت کو دخل ہو، جیسے خواب میں کسی کو دیکھتا ہے کہ جس کو خواب میں دیکھا یہ حق تعالیٰ کی طرف سے ہے، اس شخص کے ارادے اور قدرت بلکہ علم کو بھی دخل نہیں، اور چوں کہ رؤیت مثالی ہوتی ہے، اس لیے ایک وقت میں متعدد اشخاص متعدد مقامات میں دیکھ سکتے ہیں۔[1] زیادہ تفصیل کا موقع نہیں۔

محمد یوسف بنوری

(١) وحمله ابن أبي جمرة وطائفة على أنه يراه في الدنيا حقيقة ويخاطبه، وأن ذلك كرامة من كرامات الأولياء، ونقل عن جماعة من السلف: أنهم رأوا النبي صلى الله عليه وسلم في المنام، ثم رأوه بعد ذلك في اليقظة، وسألوه عن أشياء كانوا منها متخوفين، فأرشدهم إلى طريق تفريجها ... وقال ابن حجر: هذا مشكل جدًّا؛ لأنه يلزم أن يكون هؤلاء صحابة وتبقى الصحابية إلى يوم القيامة، ولأن جمعاً ممّن رآه في المنام لم يروه في اليقظة، وخبر الصادق لايتخلف، وأقول: الجواب عن الأول منع الملازمة؛ لأن شرط الصحبة أن يروه وهو في عالم الدنيا وذلك قبل موته، وأما رؤيته بعد الموت وهو في عالم البرزخ فلاتثبت بها الصحبة. وعن الثاني: أن الظاهر أن من يبلغ درجة الكرامات ممّن هو في عموم المؤمنين ... إنّما تقع له رؤية قرب موته عند طلوع روحه فلايتخلف الحديث، وقد وقع ذلك لجماعة. وأما أصل رؤيته صلى الله عليه وسلم في اليقظة فقد نصّ على إمكانها ووقوعها جماعة من الأئمة، منهم: حجة الإسلام الغزالي، والقاضي أبوبكر ابن العربي، والشيخ عز الدين بن عبدالسلام، وابن أبي جمرة، وابن الحاج، واليافعي في آخرين. (الديباج على صحيح مسلم بن الحجاج للسيوطي، كتاب الرؤيا، باب قول النبي عليه الصلاة والسلام: من رآني في المنام فقد رآني، (٥/ ٢٨٥، ٢٨٦) ط: دار ابن عرفان، السعودية)

مسئلۂ علم غیب

سوال: مسئلۂ علمِ غیب کے بارے میں حضرات علماء کرام کیا فرماتے ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ ہر پیغمبر علیہ السلام کو بذریعہ وحی غیب کا کچھ علم عطا فرماتا ہے، پیغمبر کہتے ہیں اس کو جس کو اللہ تعالیٰ اپنے غیب کی باتوں میں سے جو اصلاحِ خلقِ اللہ کے لیے ضروری ہوں دیتے ہیں،[1] خاتم الانبیاء رسول اللہ ﷺ چوں کہ سب انبیاء میں افضل و اکمل ہیں، اس لیے سب انبیاء کرام سے ان کو علم غیب زیادہ دیا گیا ہے اور اس لیے اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں وہ اعلم الاولین والآخرین ہیں،[2] لیکن اس

---

(۱) ﴿وَمَا كَانَ اللهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَٰكِنَّ اللهَ يَجْتَبِي مِن رُّسُلِهِ مَن يَشَاءُ﴾ [آل عمران:۱۷۹]

* ﴿عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ فَإِنَّهُ يَسْلُكُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا﴾ [الجن:۲۶، ۲۷]

* ﴿إلّا من ارتضى من رسول ...﴾ أي: لكن الرسول المرتضى يظهره جلّ وعلا على بعض الغيوب المتعلقة برسالته، كما يعرب عنه بيان من ارتضى بالرسول تعلقاما، إما لكونه من مبادئها بأن يكون معجزة، وإما لكونه من أركانها وأحكامها كعامة التكاليف الشرعية وكيفيات الأعمال وأجزيتها ونحو ذلك من الأمور الغيبية التي بيانها من وظائف الرسالة. (روح المعاني، [الجن:] (۱۵/ ۱۰۷) ط: دارالكتب العلمية بيروت).

* ثم اعلم أن الأنبياء لم يعلموا المغيبات من الأشياء، إلّا ما علّمهم الله تعالى أحياناً. (شرح الفقه الأكبر، مسألة في أن تصديق الكاهن بمايخبر به من الغيب كفر، (ص:۲۵۳) ط: دار الكتب العلمية بيروت).

(۲) عن ابن عباس أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: أتاني ربي في أحسن صورة فقال: يامحمّد! فقلت: لبيك ربي وسعديك، قال: فيم يختصم الملأ الأعلى؟ قلت: ربّ! لاأدري، فوضع يده بين كتفي حتى وجدت بردها بين ثديي، فعلمت مابين المشرق والمغرب. الحديث. (سنن الترمذي، أبواب التفسير، [صٓ:] (۲/ ۱۵۹) ط: قديمی کراچی).

* قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أنا سيد ولد آدم يوم القيامة، وأول من ينشق عنه القبر،

کے یہ معنی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا پورا علم غیب سب کا سب نبی کریم ﷺ کو مل گیا ہے، یہ عقیدہ جاہلوں کا ہے، علم، ارادہ، قدرت، سمع، بصر وغیرہ وغیرہ صفات الٰہیہ جس درجہ میں اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہیں، اگر اسی درجہ میں یہ عقیدہ رکھا جائے کہ کسی بندے کو حاصل ہیں تو یہ شرک ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی صفت میں بندے کو شریک بنایا گیا۔[1] "چہ نسبت خاک را با عالم پاک"

قرآن کریم میں **عالم الغیب والشهادة** اللہ تعالیٰ ہی کی صفت بیان کی ہے، اور صاف تصریح کی

وأول شافع، وأول مشفع". قال النووي: وهذا الحديث دليل لتفضيله صلى الله عليه وسلم على الخلق كلهم. (صحيح مسلم مع شرحه للنووي، كتاب الفضائل، باب تفضيل نبينا صلى الله تعالى عليه وسلم على جميع الخلق، (٢/ ٢٤٢) ط: قديمى كراچى).

(١) عن عائشة قالت: ... ومن حدثك أنه يعلم الغيب فقد كذب، وهو يقول: لايعلم الغيب إلّا الله. (صحيح البخاري، كتاب التوحيد، باب قول الله: ﴿عالم الغيب فلايظهر على غيبه احدا...﴾ (٢/ ١٠٩٨) ط: قديمى كراچى).

* عن مسروق قال: كنت متكئاً عند عائشة، فقالت: ثلاث من تكلّم بواحدة منهنّ فقد أعظم على الله الفرية:... ومن زعم أنه يخبر بمايكون في غد فقد أعظم على الله الفرية، والله يقول: ﴿قل لايعلم من في السَّمٰوٰت والْاَرض الغيب الّا الله﴾. (صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب معنى قول الله عزّوجلّ : ﴿ولقد راٰه نزلة اخرىٰ﴾ (١/ ٩٨) ط:قديمى كراچى).

* وقد صرّح علمائنا الحنفية بتكفير من اعتقد أن النبي صلى الله عليه وسلم يعلم الغيب، لمعارضة قوله تعالى: ﴿قل لايعلم من في السموات والارض الغيب الاالله﴾ كذا في المسامرة لابن الهمام... وفي الموضوعات لملا علي القاري: ومن اعتقد تسوية علم الله تعالى ورسوله يكفر إجماعاً... الممنوع عن الخلق كلهم هو العلم المساوي لله سبحانه وتعالى كيفاً أو كمًّا، والمراد بالكيف: حصوله بلاواسطة سبب ودليل، كعلمه سبحانه وتعالى، وبالكمّ: كونه محيطاً لجميع ماكان ومايكون، بحيث لايعزب عنه مثقال ذرّة، فمن ادّعى مثل هذا العلم المساوي لله جلّ مجده لأحد من الخلق كائناً من كان فقد كفر، لمعارضة القرآن ولجعله مع الله شريكاً في الصفة المخصوصة لله تعالى. (أحكام القرآن للشيخ المفتي محمد شفيع العثماني، اختصاصه تعالى بالعلم المحيط، (٣/ ٥٥، ٥٦) ط:إدارة القرآن كراچى).

=

گئی ہے:

﴿وَعِندَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ﴾[الانعام:۵۹]

یعنی اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں غیب کی کنجیاں، اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

''عالم الغیب'' صرف اللہ تعالیٰ کی ذات قدسی صفات ہے، رسول اکرم ﷺ کو ''عالم الغیب'' نہیں کہہ سکتے،[1] غیب کے کچھ علوم ملنے سے عالم الغیب کوئی نہیں بنتا، کلی و جزئی ہر ہر چیز کا علم صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، ناواقفوں کو سمجھانا چاہیے، اگر سمجھانے کے بعد اپنے غلط عقیدہ پر اصرار کرے تو یہ گمراہی ہے، اسلام کا عقیدہ نہیں۔

کتبہ: محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ (۱۰/صفر ۱۳۸۰ھ)

درودِ تاج میں ''دافع البلاء والقحط والمرض والألم'' کے الفاظ اور مذکورہ درود پڑھنے کا حکم

سوال: بعض حضرات نے مختلف درود وضع کیے ہیں اور ان کے پڑھنے کا بڑا ثواب لکھا ہے، ان میں درودِ تاج بہت مشہور ہے، جس میں آں حضور ﷺ کو **دافع البلاء والقحط والمرض والألم** کہا گیا ہے۔ براہ کرم تحریر فرمائیں کہ: کیا یہ الفاظ جائز ہیں؟ اور شرک کی حدود میں نہیں آتے؟ اگر کسی

---

(۱) ثم لايخفي عليك أن حصول بعض المغيبات لبعض العباد أمر، وتسميته لأجل ذلك ''عالم الغيب'' أمر آخر، فالأول جائز ثابت كما مرّ، والثاني لايجوز أصلاً، وحاصله: أن الرسل والأولياء الذين يعلمون بعض المغيبات بإعلام الله سبحانه وتعالى لايجوز تسمية أحدهم عالم الغيب، والقول بأنه يعلم الغيب. وذلك أولاً: لأن الحقيقة أن المعلوم عندهم بعد إعلام الله تعالى لم يبق غيباً حقيقياً، بل إضافياً إلى غيرهم من المخلوق ... إلخ. (أحكام القرآن للمفتي محمد شفيع العثماني، الممنوع عن الخلق كلهم العلم المساوي لله سبحانه وتعالى كيفاً أو كمًّا، [الجن:] (۳/ ۵۶) ط: إدارة القرآن كراچی).

=

شخص نے ناواقفیت کی بناپر کسی بزرگ کے تحریر کردہ ان جیسے الفاظ کا ورد کیا تو وہ واقعی شرک کا مرتکب ہوا؟ اب اس کو کیا کرنا چاہیے؟ مفصل جواب دے کر ثوابِ دارین حاصل فرمائیں!

مستفتی: سلیم احمد، ۵بی ۸/۸ ناظم آباد کراچی

جواب: ''درودِ تاج'' ان درودوں میں سے نہیں ہے جو حضرت رسالت پناہ ﷺ یا صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہیں، اور ظاہر ہے کہ جو کلمات درود کے ماثورہ ہوں، ان میں برکت بھی زیادہ اور ثواب بھی زیادہ ہے۔ نیز اس درود کی جو سند منقول ہے، وہ بھی غیر مستند ہے۔[1] بہر حال اگر کسی کا ذوق وشوق اس کے پڑھنے کا ہے تو پڑھ سکتا ہے، لیکن وہ جو دراصل اللہ تعالیٰ کی صفات وافعال ہیں، ان کا حضرت رسول اللہ ﷺ کے لیے استعمال مجازاً درست ہے، آپ کو وسیلہ وواسطہ سمجھ کر تو گنجائش نکل سکتی ہے،[2] اگر حقیقۃً ان کے معانی مراد نہ ہوں، بلکہ مجازاً مراد ہوں تو شرک نہ ہوگا، پھر بھی خلافِ اولی

---

(1) آن چہ فضائلِ درودِ تاج کہ بعض جہلہ بیان کنند غلط است، وقدر آن بجز شارع علیہ السلام معلوم شدن محال، وتالیف این درود بعد مرور صدہا سال واقع شد، پس چگونہ ورد این صیغہ را موجب ثواب قرار دادہ شود، آن چہ در احادیث صحاح صیغہائے درود وارد شدہ آن را ترک کردن واین را موعود بثواب جزیل پنداشتن وورد ساختن بدعۃ ضلالۃ ہست، وچون آن کہ در آن کلمات شرکیہ مذکور اند، اندیشہ خرابی عقیدہ عوام است، لہٰذا ورد آن ممنوع ہست... إلخ (فتاویٰ رشیدیہ، کتاب العلم، زیرِ عنوان: ''درودِ تاج کا حکم''، (ص: ۱۸۵) ط: موتمر المصنفین، دار العلوم حقانیہ، پشاور)۔

* سوال: درودِ تاج کا ثبوت کسی حدیث سے ہے یا نہیں؟

جواب: درودِ تاج کوئی ایسا درود نہیں جو آں حضرت ﷺ سے مروی ہو، اور اس کے بعض جملے مفہوم کے لحاظ سے بھی قابلِ اعتراض ہیں، بلکہ اس سے بہتر وہ درود ہیں جو نبی اکرم ﷺ سے مروی ہیں، جیسے: نماز کے درود، یہ افضل واعلیٰ ہیں. (کفایت المفتی، باب البدعات والرسوم، صلاۃ وسلام کا بیان، زیرِ عنوان: ''کیا درود تاج حدیث شریف سے ثابت ہے؟'' (۱۹۴/۲، ۱۹۵) ط: جامعہ فاروقیہ کراچی)۔

(2) درین جا باید فہمید کہ استعانت از غیر بو جہی کہ اعتماد بر آن غیر باشد واورا مظہر عون الٰہی حرام است، واگر التفات محض بجانب حق است، واورا یکی از مظاہر عون دانستہ ونظر بکار خانہ اسباب وحکمت او تعالیٰ وآن نمودہ بغیر استعانت ظاہری نماید دور از عرفان نخواہد بود در شرع نیز جائز ورواست، وانبیاء واولیاء این نوع استعانت بغیر کردہ اند، در حقیقت این نوع استعانت بغیر نیست، بلکہ استعانت بحضرت حق ست لاغیر. (تفسیر فتح العزیز، للمفسر المحدث الشاہ عبد العزیز الدہلوی، [الفاتحۃ: ۴] (ص: ۸) ط: مطبع محمدی لاہور)۔

=

وخلافِ احتیاط ضرور ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم محمد یوسف بنوری (۲۰/ربیع الثانی، ۱۳۸۳ھ)

حیاتِ انبیاء، عذابِ قبر، توسل بالانبیاء والصلحاء اور سماعِ موتیٰ کے متعلق اکابرِ دیوبند کا مسلک

سوال: بخدمت اکابرِ دیوبند کے جانشین کرام **متّعنا اللہ تعالیٰ بطول بقائکم بالخیر**

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

عرض یہ ہے کہ آج کل بعض حضرات:

۱- انبیاءِ کرام کے وصال کے بعد حیات برزخی جسمانی کا انکار کرتے ہیں، حضور اکرم ﷺ کے جسدِ اطہر میں بھی کسی حس وحرکت کے قائل نہیں ہیں، اور نہ ہی روضۂ پاک پر سلام عرض کرنے والے کا سلام سننے کے قائل ہیں، اور ساتھ ہی اس خیال کو اکابرِ دیوبند کا مسلک بتاتے ہیں۔

۲- عالمِ برزخ میں ثواب وعذاب کا تعلق صرف روح سے مانتے ہیں، جسم عنصری پر عذاب و عقاب کے قائل نہیں ہیں، اور اسے دیوبندی مسلک قرار دیتے ہیں۔

---

* وقال السبكي: يحسن التوسل بالنبي صلى الله عليه وسلم إلى ربه، ولم ينكره أحد من السلف ولا الخلف إلا ابن تيمية، فابتدع مالم يقله عالم قبله. (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، (٦/ ٣٩٨) ط: سعيد).
* اعلم أن الإستعانة والتشفع بالنبي صلى الله عليه وسلم وبجاهه وبركته إلى ربه تعالى من فعل الأنبياء والمرسلين والسلف الصالحين واقع في كل حال قبل خلقه صلى الله عليه وسلم، وفي حياته الدنيوية، ومدة البرزخ، وعرصات القيامة. (وفاء الوفاء بأخبار دارالمصطفى، الباب الثاني في زيارة النبي صلى الله عليه وسلم، الفصل الثالث، الجزء الرابع، (٤/ ١٣٧١) ط: مطبعة السعادة بمصر، ١٣٧٤هـ).

۳- ذواتِ انبیاء کرام اور اولیاء اللہ کے ساتھ وسیلہ پکڑنے کو صحیح نہیں سمجھتے ہیں، اور اسے بزرگانِ دیوبند کا مسلک سمجھتے ہیں۔

٤- سماعِ موتی کے قائل ہونے کو شرک کی بنیاد قرار دیتے ہیں، اور اپنے آپ کو دیوبندی کہلاتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ آپ حضرات جو مسلکِ دیوبند کے ترجمان ہیں اور بزرگانِ دیوبند کے سابقین واولین سے براہ راست مستفید اور مستفیض ہونے والے ہیں، یہ وضاحت فرمادیں کہ مندرجہ بالا خیالات رکھنے والے صاحبان مسلکِ دیوبند سے منسوب ومنسلک ہو سکتے ہیں یا نہیں ؟اور کیا اکابرِ دیوبند کا یہی مسلک تھا؟ یا یہ ان کی ذاتی آراء ہیں اور بزرگان دیوبند کے مسلک سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے ؟ بیّنوا توجروا!

مستفتی: مولانا خواجہ خان محمد، خانقاہ سراجیہ کندیاں
مولانا محمد رمضان، مہتمم مدرسہ تبلیغ الاسلام میانوالی۔ حافظ سراج الدین، کلور کوٹ

جواب: مسائل مستفسرہ میں بزگانِ دیوبند کا مسلک صاف اور واضح ہے، اور اس سے قبل بھی بار بار اس کی اشاعت ہو چکی ہے، نیز علماء دیوبند کی مختلف اور متعدد تصانیف میں مکرر سہ مکرر اسے بیان فرمایا گیا ہے، اور وہ کتابیں عام وخاص میں معروف ومشہور ہیں۔ مثلا:

(۱)آبِ حیات (۲)جمالِ قاسمی (۳)نشر الطیب (۴)الشہاب الثاقب
(۵)المصالح العقلیہ (٦)فیض الباری (۷)المہند علی المفند (۸)متفقہ اعلان وغیرہ ذلک

حیات النبی ﷺ

الف:... چنانچہ "المہند علی المفند" میں بجواب سوال خامس صاف طور پر بیان کیا گیا ہے کہ ہمارے اور ہمارے مشائخ کے نزدیک آں حضرت ﷺ قبر شریف میں زندہ ہیں، اور آپ ﷺ کی

حیات عام مؤمنین یا عام لوگوں کی طرح صرف برزخی ہی نہیں، بلکہ عالم برزخ میں دنیاوی جسمانی ہے، مگر مکلف بالاعمال نہیں ہیں اور یہ حیات حضور اکرم ﷺ اور جمیع انبیاء علیہم السلام کی خصوصیات میں سے ہے۔[1]

واضح رہے کہ اس مضمون پر علماء دیوبند کے طبقہ کے تقریباً تمام اکابرین کے دستخط موجود ہیں، مثلاً: حضرت شیخ الہند، حضرت تھانوی، مفتی عزیز الرحمٰن، شاہ عبدالرحیم رحمہم اللہ اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ نے تو یہ مضمون خود ہی تحریر فرمایا ہے۔

ب:... اسی طرح تقسیمِ ہند کے تھوڑے ہی عرصہ بعد جب بعض صاحبان کی تقریروں اور تحریروں سے اس مسئلہ "حیاۃ النبی" سے متعلق بزرگانِ دیوبند کا مسلک مشتبہ ہونے لگا تو اس وقت کے اکابرین علماء نے بھی "متفقہ اعلان" کے نام سے انہی دستخطوں سے ایک تحریر شائع کرکے مسلکِ دیوبند کی وضاحت فرمائی، چنانچہ اس وقت بھی وہ "مقام حیات" (از مولانا خالد محمود) اور دوسرے رسائل میں مطبوع ہیں، اس میں یہ صفائی سے لکھا گیا ہے کہ: حضرت اقدس نبی کریم ﷺ اور سب انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں، علماء دیوبند کا مسلک یہ ہے کہ وفات کے بعد وہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں،[2] اور ان

---

(١) المهنّد على المفنّد،السؤال الخامس، (ص:٢١)، ط: دارالاشاعت کراچی.

(٢) عن أنس رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ:الأنبياء أحياء في قبورهم يصلّون.(حياة الأنبياء بعد وفاتهم للإمام أحمد بن الحسين البيهقي، (ص:٧٠) ط:مكتبة العلوم والحكم المدينة المنورة ١٤٢٢هـ).

* إنّ المعتقد أنّه ﷺ وسائر الأنبياء في قبورهم من الأحياء ،فإنّهم أولٰى بذٰلك من الشهداء...إلخ. (شرح الشفاء، فصل في حكم زيارة قبره وفضيلة من زاره، (٢/ ١٥)ط:قاهره مصر).

* وأخرج مسلم عن أنس: أن النبي صلى الله عليه وسلم ليلة أسري به مرّ بموسى صلوات الله عليه، وهو قائم يصلي في قبره،... وأخرج أبونعيم في الحلية عن ابن عباس: أن النبي صلى الله عليه وسلم مرّ بقبر موسى صلوات الله عليه وهو قائم يصلي فيه.... تنبيه: قال السبكي: عود الروح إلى الجسد في القبر ثابت في الصحيح لسائر الموتى فضلاً عن الشهداء... وقد ذكره جماعة من العلماء، وتشهد له صلاة موسى عليه السلام في قبره، فإن الصلاة تستدعي جسداً حيًّا، وكذلك =

کے ابدان مقدسہ بعینہ محفوظ ہیں، اور جسد عنصری کے ساتھ برزخ میں ان کو حیات حاصل ہے، اور حیات دنیاوی کے مماثل ہے،[1] صرف یہ کہ احکام شرعیہ کے وہ مکلف نہیں ہیں، لیکن وہ نماز بھی پڑھتے ہیں اور روضۂ اقدس پر جو درود شریف پڑھے وہ بلاواسطہ سنتے ہیں، اور یہی جمہور محدثین اور متکلمینِ اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے،[2] اب جو اس مسلک کے خلاف کرے اتنی بات یقینی ہے کہ ان کا اکابرِ

الصفات المذكورة في الأنبياء ليلة الإسراء كلها صفات الأجسام، ولايلزم من كونها حياة حقيقة أن تكون الأبدان معها كماكانت في الدنيا مع الاحتياج إلى الطعام والشراب وغير ذلك من صفات الأجسام التي نشاهدها بل لها حكم آخر. (شرح الصدور بشرح حال الموتى والقبور، باب أحوال الموتى في قبورهم...، (ص: ١٨٧ - ٢٠٤) ط: عباس احمد الباز، مكة المكرمة)

(١) قال الحافظ ابن كثيررحمه الله: وقال العلماء: يكره رفع الصوت عند قبره ﷺ كما كان يكره في حياته عليه الصلاة والسلام، لأنّه محترم وحيٌّ في قبره ﷺ دائماً... إلخ.(تفسيرابن كثير، [الحجرات:٢] (٤/ ٢٠٧) ط: سهيل اكيدمي لاهور).

* قال العلامة الآلوسي نقلاً عن الإمام السيوطي : فحصل من مجموع هذا الكلام المنقول والأحاديث أنّ النبيّ ﷺ حيٌّ بجسده وروحه، وأنّه يتصرّف ويسير حيث شاء في أقطار الأرض وفي الملكوت، وهو بهيئته التي كان عليها قبل وفاته لم يتبدل منه شيئ.(تفسير روح المعاني، [الأحزاب:٤٠] (١٢/ ٣٦)ط:مكتبه إمداديه ملتان).

* فعلى هذا يصيرون كسائر الأحياء، يكونون حيث ينزلهم الله عزّوجلّ... ولحياة الأنبياء بعد موتهم صلوات الله عليهم شواهد من الأحاديث الصحيحة. (حياة الأنبياء للإمام البيهقي الشافعي، (ص:٤، ٥) ط: مكتبة المعاهد العلمية بمصر).

(٢) وممّا هو مقرّر عند المحققين أنّه ﷺ حيٌّ يرزق، ممتع بجميع الملاذّ والعبادات غير أنّه حجب عن أبصار القاصرين عن شريف المقامات... ينبغي لمن قصد زيارة النبي ﷺ أن يكثر الصلوة عليه، فإنّه يسمعها وتبلغ إليه. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، فصل في زيارة النبيّ ﷺ، (ص:٤٠٥) ط:قديمى كراچى).

* وأخرج ابن ماجة عن أبي الدرداء قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن أحد لن يصلي عليّ إلّا عرضت علي صلاته حين يفرغ منها، قلت: وبعد الموت؟ قال: وبعد الموت، إن الله حرّم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء. (شرح الصدور بشرح حال الموتى والقبور، باب فتنِ

دیوبند کے مسلک سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔

اس "متفقہ اعلان" پر مرحومین حضرات میں سے حضرت مولانا مفتی محمد حسن خلیفہ اجل حضرت تھانوی، حضرت مولانا رسول خان صاحب سابق مدرس اعلی دارالعلوم دیوبند اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب مؤلف **اعلاء السنن ورحمة القدوس وغيرهم** (رحمہم اللہ تعالی) کے دستخط بھی ثبت ہیں۔

عذابِ قبر

ہمارے اور ہمارے مشائخ کے نزدیک قبر میں ثواب وعقاب کا تعلق روح اور جسم دونوں کے ساتھ رہتا ہے، اور جسم سے جسم عنصری مراد ہے نہ کہ جسم مثالی، جو کہ حقیقی جسم نہیں ہے، بلکہ عالم مثالی کے آئینہ میں جسم کا ایک عکس ہے۔ **كما صرح به المجدد للألف ثاني**، اور جیسا کہ کتبِ فقہ وعقائد میں مذکور ہے کہ:

الميت وبلاء جسده إلا الأنبياء ومن ألحق بهم، (ص: ٣١٦) ط: عباس احمد الباز، مكة المكرمة).

* (إن الله عزّوجلّ حرّم على الأرض)... (أجساد الأنبياء) أي: من أن تأكلها، فإن الأنبياء في قبورهم أحياء، قال ابن حجر المكي: وما أفاده من ثبوت حياة الأنبياء حياة بها يتعبدون ويصلون في قبورهم مع استغنائهم عن الطعام والشراب كالملائكة أمر لامرية فيه... وهذه الأحاديث فيها مشروعية الإكثار من الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم يوم الجمعة وأنها تعرض عليه صلى الله عليه وسلم وأنه حي في قبره. (عون المعبود شرح سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب تفريع أبواب الجمعة، (٣/ ٣٧١) ط: المكتبة السلفية بالمدينة المنورة).

* الأنبياء أفضل من الشهداء، والشهداء أحياء عند ربهم، فكذلك الأنبياء فلايبعد أن يصلوا ويحجوا ويتقربوا إلى الله بما استطاعوا مادامت الدنيا وهي دار تكليف باقية... وأخرجه أبو الشيخ في كتاب الثواب بسند جيّد بلفظ: من صلى علي عند قبري سمعته ومن صلى علي نائياً بلّغته... إلخ. (فتح الباري شرح صحيح البخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب قول الله: ﴿واذكر في الكتٰب مريم﴾ (٦/ ٤٨٧، ٤٨٨) ط: إدارة البحوث العلمية... المملكة العربية السعودية) =

«إنّ الميت إذا مات يكون في نعيم أو عذاب وأنّ ذلك يحصل لروحه وبدنه».[1]

یہی اکابرِ دیوبند کا مسلک ہے۔

توسل بالانبیاء والصلحاء علیہم الصلاۃ والسلام

توسل بالانبیاء علیہم السلام بھی بزرگان دیوبند کے نزدیک جائز ہے "المهند على المفند"، "نشر

(١) العقائد الإسلامية، السؤال في القبر (١/ ٢٣٧) ط: دار الكتاب العربي بيروت.

* وكذلك عذاب القبر يكون للنفس والبدن جميعاً باتفاق أهل السنة والجماعة، تنعم النفس وتعذب مفردة عن البدن ومتصلة به. (شرح العقيدة الطحاوية، السؤال في القبر للروح والجسم (٢/ ٥٧٩) ط: مؤسسة الرسالة، بيروت ١٤١١هـ).
* وإعادة الروح إلى العبد في قبره حق... عذابه كائن للكفار ولبعض المسلمين. (وإعادة الروح) أي: ردّها أو تعلّقها (إلى العبد) أي: جسده بجميع أجزائه أو ببعضها مجتمعة أو متفرقة... واعلم أن أهل الحق اتفقوا على أن الله تعالى يخلق في الميت نوع حياة في القبر قدر مايتألم أو يتلذذ. (منح الروض الأزهر في شرح الفقه الأكبر، (ص: ٢٩١، ٢٩٤) ط: دار البشائر الإسلامية، بيروت).
* مذهب أهل السنة أن أرواح الموتى تردّ في بعض الأوقات من عليين أو من سجين إلى أجسادهم في قبورهم عند إرادة الله تعالى، وخصوصاً ليلة الجمعة، ويجلسون ويتحدثون، وينعم أهل النعيم ويعذب أهل العذاب، قال: وتختص الأرواح دون الأجساد بالنعيم أو العذاب مادامت في عليين أوسجين، وفي القبور يشترك الروح والجسد. (شرح الصدور بشرح حال الموتى والقبور، باب زيارة القبور وعلم الموتى بزوارهم ورؤيتهم لهم، (ص: ٢٢٤) ط: عباس احمد الباز مكة المكرمة).
* للروح بالبدن خمسة أنواع من التعلق مغايرة:... الرابع في البرزخ، فإنها وإن كانت قد فارقته بالموت فإنها لم تفارقه فراقاً كلياً بحيث لم يبق لها إليه التفات. (شرح الصدور بشرح حال الموتى والقبور، باب زيارة القبور وعلم الموتى بزوارهم ورؤيتهم لهم، (ص:٢٢٤) ط: عباس احمد الباز مكة المكرمة).

=

الطيب"للعلامة التهانوي رحمه الله اور"الشهاب الثاقب"للشيخ المدني رحمه الله میں اس کی تصریح موجود ہے۔[1]

علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے آیت کریمہ ﴿وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ﴾ کے تحت توسل بالمقبولین کو جائز قرار دیا ہے، اور تصریح کی ہے کہ اس کا مآل بھی توسل بالصفات ہی ہے:

«كأنّه يقول برحمتك وفضلك على فلان أدعو منك هذا».[2]

سماعِ موتی

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے "کتاب الروح" میں فرمایا ہے:

«هذا السلام، أي السلام عند زيارة القبور والخطاب والنداء لموجود يسمع و يعقل، ويردّون السلام وإن لم يسمع علم الردّ...»الخ.[3]

«والسلف مجمعون على هذا، وقد تواترت الآثار عنهم بأنّ الميت يعرف الحيّ ويستبشر به ...»الخ.[4]

ہمارے اکابر بھی فی الجملہ سماع موتی کے قائل ہیں، جیساکہ "فيض الباری" للعلامة

---

(١) المهنّد على المفنّد، السؤال الثالث والرابع، (ص:٢٠)ط: دار الاشاعت كراچی.

* نشر الطيب في ذكر النبي الحبيب صلى الله عليه وسلم، اڑتیسویں فصل: آپ کے ساتھ توسل حاصل کرنے میں دعا کے وقت، (ص:٢٨٥)ط: مطبع انتظامی، کانپور ہند۔
* الشهاب الثاقب، چھٹا بہتان اور مکر عظیم، (ص:٢٣٦)ط: انجمن ارشاد المسلمین، لاہور۔

(٢) تفسير روح المعاني،[المائدة:٣٥](٢/ ١٢٨)ط:دارالفكربيروت.

(٣) کتاب میں اصل عبارت یوں ہے: «وهذا(أي السلام على أهل القبور)خطاب لمن يسمع ويعقل، ولولاذلك لكان هذاالخطاب بمنزلة خطاب المعدوم والجماد».(كتاب الروح ،المسئلة الأولى، (ص:٥) ط:مكتبه و مطبعة محمد علي صبيح الأزهرمصر).

(٤) كتاب الروح،المسألة الأولى (ص:٥) ط: مكتبه ومطبعة محمد علي صبيح الأزهرمصر. =

الكشميری رحمه الله میں موجود ہے،[1] اوراسے ہر گز شرک کی بنیاد قرار نہیں دیا جاسکتا، جو لوگ ان مسائل میں کچھ اور رائے رکھتے ہوں، وہ کچھ بھی ہوں، بہر حال مسلکِ دیوبند سے ان کا تعلق نہیں ہے انہیں بزرگانِ دیوبند کی طرف غلط نسبت نہیں کرنی چاہیے۔

واضح رہے کہ بزرگانِ دیوبند کے یہ نظریات بحمداللہ قرآن وسنت اور سلف صالحین کی تصریحات کے عین مطابق ہیں، سائلین کو چوں کہ صرف مسلکِ دیوبند کا یقین اور تشخص مقصود تھا، اس لیے صرف مسائل کے بیان پر اکتفا کیا گیا، دلائل سے تعرض نہیں کیا گیا۔ **والله الموفّق وهو يهدي السبيل**

دستخط مولانا شمس الحق افغانی　　کاتب الحروف عبدالکریم

(بحکم حضرت مولانا شمس الحق افغانی صاحب (۱۹۷۶/۸/۹ء)

حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی نے جو کچھ استفتا کا جواب دیا ہے، اور جس انداز سے اکابرینِ دیوبند کے مسلک کی صحیح ترجمانی کی ہے، ہم بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔

الجواب صحيح	الجواب صحيح	الجواب صحيح
محمد یوسف بنوری	ولی حسن	احمد الرحمن غفرلہ (۱۴ رمضان ۱۳۹۶ھ)

(١) فيض الباري شرح صحيح البخاري،كتاب الجنائز،باب قول الميت وهوعلى الجنازة قدّموني، (٢/ ٤٦٧) ط: المجلس العلمي ڈهابيل انديا١٣٥٧هـ .

* أخرج ابن أبي الدنيا في كتاب القبور عن عائشة رضي الله عنها، قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «مامن رجل يزور قبر أخيه ويجلس عنده إلّا استانس وردّ عليه حتى يقوم». وأخرج أيضاً والبيهقي في الشعب عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: إذا مرّ الرجل بقبر يعرفه فسلّم عليه ردّ عليه السلام وعرفه، وإذا مرّبقبر لايعرفه فسلّم عليه ردّ عليه السلام. (شرح الصدور بشرح حال الموتى والقبور، باب زيارة القبور وعلم الموتى بزوارهم ورؤيتهم لهم، (ص:٢٠٢) ط: عباس أحمد الباز، مكة المكرمة).

عصمتِ انبیاء، عدالتِ صحابہ اور رضاءِ خداوندی کا معنی و مفہوم

سوال: درج ذیل استفسار کا جواب دے کر ممنون فرماویں!

کیا عصمت، عدل اور رضاءِ خداوندی تینوں معاصی اور غلطیوں سے تحفظ کی ذمہ داری میں مساوی ہیں؟ یا ان تینوں الفاظ کے معانی، مفہوم اور مدارج میں فرق ہے؟ وضاحت اور تفصیل سے بیان فرمایا جائے!

مستفتی: محمد امین لغاری

جواب: آپ نے اپنے استفسار میں جن اصطلاحات کے معانی دریافت فرمائے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

عصمت:

اللہ تعالیٰ جب بعض نفوس قدسیہ کو رسالت و نبوت کے لیے منتخب فرماتا ہے، تو ان کو عصمت سے سرفراز فرماتا ہے،[1] عصمت کی تعریف اس طرح کی جاتی ہے:

«العصمة ملكة اجتناب المعاصي مع التمكّن منها».[2]

ترجمہ: ”باوجود قدرت کے معاصی سے محفوظ رہنے کی کیفیت راسخہ۔“

---

(١) (والأنبياء عليهم الصلاة والسلام كلّهم)... (منزّهون) أي: معصومون (عن الصغائر والكبائر) أي من جميع المعاصي ...إلخ. (الفقه الأكبر مع شرحه لعلي القاري، بحث في أنّ الأنبياء منزّهون عن الكبائر والصغائر، (ص: ٨٨، ٨٩) ط: دار الكتب العلمية بيروت ١٤٠٤هـ- ١٩٨٤م).

* شرح العقائد النسفية، مبحث النبوات، (ص: ١٤٠) ط: قديمی کراچی.

(٢) جامع العلوم، الملقب بـ «دستور العلماء» للقاضي عبد النبي، باب العين مع الصاد، (٢/ ٣٢٥) ط: دائرة المعارف النظامية حيدر آباد دكن.

* كتاب التعريفات للجرجاني، باب العين، العصمة، (ص: ١٥٦) ط: مكتبة لبنان، بيروت ١٩٦٩م.
* شرح الشفاء لعلي القاري، القسم الثالث، الباب الأوّل... فصل: وأمّا عصمتهم من هذا الفنّ... (٢/ ٢٠٠) ط: مطبعه سنده طبع اولنمشدر ١٣٠٩هـ).

=

مطلب یہ ہے کہ باوجود قدرت کے معاصی یہ حضرات کر نہیں سکتے، ایسی کیفیت راسخہ پیدا ہو جاتی ہے،[1] قدرتِ معاصی ختم نہیں ہوتی، کیونکہ یہ اگر ختم ہو جائے تو آزمائش اور تکلیف ختم ہو جائے اور انبیاء علیہم السلام بھی مکلف رہتے ہیں۔

امام ابو منصور ماتریدی فرماتے ہیں:

«العصمة لاتزيل المحنة والتكليف».[2]

ترجمہ: ”عصمت سے تکلیف زائل نہیں ہوتی۔“

عصمت، حفاظتِ معاصی کا سب سے اعلی وارفع مرتبہ ہے، یہ صرف انبیاء علیہم السلام کو عطا فرمایا جاتا ہے، اسی لیے انبیاء علیہم السلام کا قول و فعل حجت ہوتا ہے، اس مقامِ عصمت پر حضرات انبیاء علیہم السلام کے علاوہ اور کوئی فائز نہیں، عصمت انبیاء کا خاصہ ہے، ادائے فریضۂ نبوت اور دعوت الی الحق میں وہ معاصی سے معصوم ہیں،[3] اور یہ عصمت علی الاستمرار (ہمیشہ) ان کو حاصل ہے، یہ غلط ہے کہ کسی وقت

---

(١) وقد تقرّرأنّ العصمة... وعند الحكماء ملكة تمنع الفجور... فإنّه الزاجرعن المعاصي والداعي للطاعة ويتأكد في الأنبياء بالوحي الإلٰهي ...إلخ.(شرح الشفاء للشهاب الخفاجي،فصل وأمّا عصمتهم من هذا الفنّ... (٤/ ٤١) ط: مطبعة عثمانية ١٣١٥هـ).

(٢) جامع العلوم ،الملقب بـ«دستور العلماء»، باب العين مع الصاد، (٢/ ٣٢٥)ط:دائرة المعارف النظامية حيدر آباد دكن.

* شرح كتاب الفقه الأكبر لعلي القاري ،بحث في أنّ الأنبياء منزّهون عن الكبائر والصغائر، (ص:٩٤)ط:دار الكتب العلمية بيروت).

* المقصد السادس في حقيقة العصمة...وأيضاً فالإجماع على أنّهم مكلّفون بترك الذنوب، مثابون به... وأيضاً فقوله ﴿قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ﴾ يدلّ على مماثلتهم لسائرالناس فيما يرجع إلى البشرية والامتياز بالوحي لاغير.(المواقف في علم الكلام لعضد الله والدين القاضي عبدالرحمن الأيجي، الموقف السادس في السمعيات... المرصد الأوّل:في النبوات وفيه مقاصد، المقصد السادس في حقيقة العصمة، (ص: ٣٦٦) ط: عالم الكتب بيروت).

(٣) وقد أجمع العلماء على أنّ العصمة من خواصّ النبوة.(التفسيرالمظهري ، [الكهف:٦٨] (٦/ ٥٢) =

یہ عصمت اٹھائی جاتی ہے، ورنہ اس طرح نبوت ورسالت سے امان اٹھ جائے گا، اور ہر بات قابل اشتباہ ہوسکتی ہے، لہٰذا اسے خوب سمجھ لیناچاہیے۔

عدل:

اس کی تعریف اس طرح کی گئی ہے:

«الإستقامة على الطريق الحق بالإجتناب عمّا هو محظور ممنوع في دينه».[1]

ترجمہ: طریقِ حق کی سختی سے پابندی کرنا شریعت کی منع کی ہوئی اشیاء سے باز رہتے ہوئے۔

عدل کی حقیقت اس طرح سمجھیے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان میں تین قوتیں پیدا فرمائی ہیں:

(۱) قوت غضبانیہ (۲) قوت شہوانیہ (۳) قوت عقلیہ

پھر ان میں سے ہر ایک کے افراط، تفریط اور توسط کے اعتبار سے تین تین مراتب ہیں، پہلی قوت جب حدِ افراط میں پہنچ جائے تو اس کو "تہوّر" کہتے ہیں اور حدِ تفریط میں ہو تو "جبن" کہا جاتا ہے اور جب اعتدال کی حالت میں رہے تو اس کو "شجاعت" کہتے ہیں، اسی طرح دوسری قوت کے بھی علیٰ ہذا الترتیب

ط: بلوچستان بك ڈپو كوئٹه).

* وقال جمهور من الفقهاء من أصحاب مالك وأبي حنيفة والشافعي : إنّهم معصومون من الصغائر كلّها كعصمتهم من الكبائر أجمعها، لأنّا أمرنا باتّباعهم في أفعالهم وآثارهم وسيرهم أمراً مطلقاً من غير التزام قرينة، فلو جوّزنا عليهم الصغائر لم يكن الاقتداء بهم ...الخ (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، [البقرة:۳۵] (۱/ ۳۰۸) ط: الهيئة المصرية العامّة للكتاب ۱۹۸۷م).

* الأنبياء معصومون عن الكذب خصوصافيمايتعلق بأمرالشرائع وتبليغ الأحكام وإرشاد الأمّة ...الخ (شرح العقائد النسفية،أوّل الأنبياء اٰدم عليه السلام ، واٰخرهم محمّدعليه السلام، (ص:۱٤۰)ط: قديمی كراچی.

* شرح كتاب الفقه الأكبرلعلي القاري،بحث في أنّ الأنبياء منزّهون عن الكبائر والصغائر، (ص: ۹۳) ط: دار الكتب العلمية بيروت لبنان.

(۱) جامع العلوم،الملقب بـ «دستور العلماء»، للقاضي عبدالنبي، باب العين مع الدال، العدل...، (۲/ ۳۰۵) ط: دائرة المعارف النظاميه،حيدرآباد دكن.

=

تین درجے ہیں: فجور، جمود، عفت۔ تیسری قوت کے بھی حسبِ ذیل تین درجے ہیں: جربزہ، بلادت، حکمت۔[1]

لہٰذا عدل یہ ہے کہ انسان شجاعت، عفت اور حکمت سے متصف ہو۔

رضاءِ الٰہی:

اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان جو بھی کام کرے، اس کا مقصدِ وحید اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنا ہو، کوئی دوسری غرض وابستہ نہ ہو۔ انسان بہت سے اچھے اور پسندیدہ کام دوسری اغراض کی بناپر بھی کرتا ہے، مثلاً کہیں ریاکاری مقصود ہوتی ہے، کہیں جاہ اور دوسری اغراض پیشِ نظر ہوتی ہیں، اس حالت میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کو مقصد بناکر کام کرنا رضائے الٰہی ہے، اسی کو اخلاص کہا جاتا ہے۔[2]

اخلاص روحِ عمل اور اطاعت کی جان ہے،[3] قرآن وحدیث میں بار بار اس کی طرف متوجہ کیا گیا

---

(١) وفي تعليقاتي على شرح هداية الحكمة للميبذي :أنّ في الإنسان (قوة غصبانية)، ويقال لإفراطها: (التهوّر)، ولتوسّطها: (الشجاعة) ولتفريطها: (الجبن) و (قوة شهوانية)، ويقال لإفراطها (الفجور)، ولتوسطها: (العفّة) ولتفريطها: (الجمود) و (قوة عقلية)، ويقال لإفراطها: (الجربزة)، ولتوسطها: (الحكمة)، ولتفريطها: (البلادة)... إلخ (جامع العلوم، الملقب بـ«دستور العلماء»، باب العين مع الدال، العدل، (٢/ ٣٠٥- ٣٠٦) ط: مطبعة دائرة المعارف النظامية،حيدرآباد دكن).

(٢) إخلاص العمل وهو إرادة التقرب إلى الله تعالى وتعظيم أمره وإجابة دعوته سواء كان من العبادات المالية أو البدنية. (تفسير روح البيان، سورة الأنفال: ٤٦، (٣/ ٢٧٠) ط: دار إحياء التراث العربي بيروت).

* ولكن العادة جارية بتخصيص اسم الإخلاص :"بتجريد قصد التقرب إلى الله تعالى عن جميع الشوائب. (إحياء علوم الدين المطبوع مع شرحه إتحاف السادة المتقين، كتاب النية والإخلاص والصدق، الباب الثاني في الإخلاص... (١٣/ ٩٣) ط: دار الكتب العلمية بيروت ١٤٠٩هـ- ١٩٨٩م).

(٣) يقال: العلم بذر والعمل زرع وماؤه الإخلاص.(إحياء علوم الدين المطبوع مع شرحه إتحاف =

ہے۔ارشاد ربانی ہے:

﴿وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ﴾ [البينة:٥]

پیغمبر ﷺ کا ارشاد ہے:

"إنّما الأعمال بالنيات، وإنّما لكلّ امرئ مانوى"۔[1]

مقامِ رضاءِ الٰہی پر انسان اس وقت فائز ہوتا ہے، جب تعلق مع اللہ پوری طرح استوار ہو،[2] انبیاء علیہم السلام کی بعثت کی غرض وغایت تعلق مع اللہ استوار کرنا تھا،[3] پیغمبر ﷺ کی ادعیہ ماثورہ کو دیکھیے، ایک ایک لفظ تعلق مع اللہ کا آئینہ دار ہے۔[4] واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: ولی حسن

جناب سردار صاحب! سلام مسنون!

امید ہے کہ اس محققانہ جواب سے جناب کو تشفی ہو جائے گی۔ محمد یوسف بنوری

السادة المتقين، كتاب النية والإخلاص والصدق،الباب الثاني في الإخلاص... (١٣/ ٩٠) ط:دار الكتب العلمية بيروت ١٤٠٩هـ-١٩٨٩م).

(١) صحيح البخاري، باب كيف كان بدؤ الوحي إلى رسول الله .... (١/ ٢)ط:قديمى كراچى.

* سنن أبي داود، كتاب الطلاق، باب فيما عُنِي به الطلاق والنيات (١/ ٣١٨) ط: مكتبه رحمانيه لاهور.

(٢) اعلم أنّ الرضا ثمرة من ثمار المحبّة وهو من أعلى مقامات المقربين.(إحياء علوم الدين المطبوع مع شرحه إتحاف السادة المتقين ،كتاب المحبة والشوق والرضا، القول في معنى الرضا بقضاء الله تعالىٰ... (١٢/ ٥٠٩) ط: دارالكتب العلمية بيروت ١٤٠٩هـ-١٩٨٩م)

(٣) ﴿وَكَذٰلِكَ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ...﴾ [النحل :٣٦]

(٤) صحيح البخاري ، كتاب الدعوات (٢/ ٩٣٢- ٩٤٩)ط:قديمى كتب خانه، كراچى.

* صحيح مسلم ،كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب الدعوات والتعوذ وباب الدعاء عند النوم، و باب في الأدعية، (٢/ ٣٤٧-٣٥٠)ط:قديمى كراچى.

* کتب اُدعیہ مستقلہ اور کتب حدیث کے ابواب الأدعیہ ملاحظہ کیجئے۔

انبیاء معصوم اور صحابہ کرام معیارِ حق ہیں

سوال: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! جناب بعد سلام مسنون خدمت عالیہ میں یہ عرض ہے کہ:

ہمارے اطراف میں چند مسائل کے مابین لوگوں کے درمیان بات چھڑ گئی ہے، جس کا ثالث آپ حضرات کو منتخب کیا گیا ہے کہ آپ حضرات جو فیصلہ عنایت کریں گے، اس پر ہم سب کا متحد ہونا اور اس پر عمل کرنا ہم سب پر ضروری ہے، اس لیے بذریعہ خط مسئلہ ذیل میں آپ کا فیصلہ چاہتا ہوں، بنابریں قوی امید و توقع کامل ہے کہ آپ حضرات ازراہِ کرم ہمارے مسئلے کا صحیح فیصلہ عنایت فرما کر ہم کو حوادث و فتن سے باز رکھ کر خوش و ممنون فرمائیں گے۔ فقط والسلام

تفصیلِ مسائل:

(۱) انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں یا نہیں؟

(۲) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین معیارِ حق ہیں یا نہیں؟

مستفتی: مولوی سراج الدین، سلہٹ بنگلہ دیش، مشرقی پاکستان (۱۳۹۰/۴/۲۷ھ)

جواب: بسم اللہ الرحمن الرحیم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

(۱) بلاشبہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں۔[1]

---

(۱) (والأنبياء عليهم الصلاة والسلام كلّهم) ...(منزّهون) أي:معصومون (عن الصغائر والكبائر) أي من جميع المعاصى... إلخ (الفقه الأكبرمع شرحه لعلي القاري،بحث في أنّ الأنبياء منزّهون عن الكبائروالصغائر، (ص: ۸۸، ۸۹) ط: دارالكتب العلمية).

* شرح العقائد النسفية ،مبحث النبوات، (ص:۱٤۰) ط:قديمى كراچى.
* إذ الأنبياء معصومون قبل النبوة وبعدها عن كبائر الذنوب وصغائرها ولو سهواً على ماهو

(۲) تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین معیارِ حق ہیں، خصوصاً خلفاء راشدین، یعنی دین میں کوئی صحابی غلط کام نہیں کر سکتا، اگر کسی صحابی کا قول یقیناً معلوم ہو جاتا ہے، تو اس کی اتباع کرنے پر ملامت نہیں کی جاسکتی ہے۔[1] والسلام

کتبہ: محمد یوسف بنوری (۵/۵/۱۳۹۰ھ)

الحق عند المحققين. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الكبائر، الفصل الأول، عصمة الأنبياء عليهم السلام، (١/ ١٢٧) ط: مكتبه امداديه ملتان).

(١) قال عليه الصلاة والسلام : وتفترق أمّتي على ثلاث وسبعين ملة ،كلّهم في النار إلّا ملة واحدة، قالوا: من هي يارسول لله؟ قال: ما أنا عليه وأصحابي، رواه الترمذي. (مشكاة المصابيح، باب الإعتصام بالكتاب والسنة ، الفصل الثانى، (١/ ٣٠) ط: قديمى كراچى).

* قال الإمام النووي : واتّفق أهل الحقّ ومن يعتدّ به في الإجماع على قبول شهاداتهم ورواياتهم وكمال عدالتهم رضي الله تعالىٰ عنهم أجمعين.(شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب فضائل الصحابة، (٢/ ٢٧٢) ط:قديمى كراچى).

* وعن عمر بن الخطاب رضي الله عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: سألت ربي عن اختلاف أصحابي من بعدي، فأوحي إلي، يامحمّد! إنّ أصحابك عندي بمنزلة النجوم في السماء، بعضها أقوى من بعض، ولكل نور، فمن أخذ بشيء مما هوعليه من اختلافهم فهو عندي على هدى، قال: وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أصحابي كالنجوم فبأيهم اقتديتم اهتديتم، رواه رزين. (مشكاة المصابيح، باب مناقب الصحابة، الفصل الثالث، (ص:٥٥٤) ط: قديمى كراچى).

* أقول: الفرقة الناجية: هم الآخذون في العقيدة والعمل جميعاً بماظهر من الكتاب والسنة، وجرى عليه جمهور الصحابة والتابعين، وإن اختلفوا فيما بينهم فيمالم يشتهر فيه نص، ولاظهر من الصحابة اتفاق عليه، استدلالا منهم ببعض ماهنالك أو تفسير المجمل. (حجة الله البالغة، من أبواب الإعتصام بالكتاب والسنة، الفرقة الناجية وغير الناجية، (١/ ٤٧٦) ط: زمزم پبلشرز كراچى).

=

(1)معیارِ حق کی تعریف

(2)کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین معیارِ حق ہیں؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرع متین ان مسائل میں:

(۱)معیارِ حق کی تعریف وتشریح۔

(۲)کیا صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین معیار حق ہیں؟اگر ہیں تو ان کے درمیان جو اختلاف آتا ہے، اس وقت ایک رائے کو لینے اور دوسری رائے کو چھوڑنے سے معیارِ حق پر اثر نہیں پڑے گا؟

مستفتی:احمد شہزادہ

جواب:-۲ معیارِ حق کوئی قرآنی یا حدیثی اصطلاح نہیں، ایک خاص مفہوم کے پیش نظر ادبی وانشائی طور پر یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

"كل يؤخذ من قوله، ويترك إلّا صاحب هذا القبر صلى الله عليه وسلم"[1]

جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ کا مقولہ ہے،اس مفہوم کو ادا کرنے کے لیے استعمال کیا گیا ہے، لیکن اس کو جس مفہوم میں استعمال کرنے کے بعد جو نتائج نکالے جارہے ہیں،اکثر صحیح نہیں۔

۲- سنت وبدعت کے درمیان فرق بنیادی یہی ہے کہ جو کام عہد نبوت وعہد خلافتِ راشدہ

---

(۱) موطأ مالك، تحقيق الأعظمي، بعض أقاويل مالك رحمه الله تعالى، وجوب الأخذ بسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم (۱/ ۲۵۱) ط: مؤسسة زايد بن سلطان آل نهيان للأعمال الخيرية والإنسانية، أبو ظبي، الإمارات.

* المقاصد الحسنة، حرف الكاف (۱/ ۵۱۳) ط: دار الكتاب العربي بيروت.
* سير أعلام النبلاء، مالك الإمام (۸/ ۹۳) ط: مؤسسة الرسالة، بيروت.

=

اور عہد صحابہ میں دین کا جزنہ بن سکا، وہ بدعت ہے،[1] اس لیے احادیث میں سنتِ نبویہ اور سنتِ خلفاء راشدین کے تمسک کا حکم دیا گیا،[2] اور صحابہ کرام کے بارے میں تصریح فرمادی گئی کہ جو دین کا کام وہ کریں گے، وہ غلط نہیں ہوسکتا، وہ بدعت نہ ہوگی، اگر اختلاف پایا جائے تو انہیں میں سے کسی کو بھی اختیار کیا جائے تو خروج عن الدین نہ ہوگا،[3] اور اگر سب متفق ہوگئے تو صورت اجماع کی ہوجاتی ہے، اتباع اس کا فرض ہوجاتا ہے۔[4]

---

(١) إنها ماأحدث بعده صلى الله عليه وسلم أو بعد القرون المشهود لهم بالخير خيراً كان أو شرًّا عبادة أو عادة ... إلخ. (الإبداع في مضار الإبتداع، الباب الأول في النظر في البدع من جهة الأصول، طريقة ثانية في معنى البدعة، (ص: ١٧٠) ط: المكتبة العلمية بالمدينة المنورة).

* إن البدعة المذمومة هو المحدث في الدين من غير أن يكون في عهد الصحابة والتابعين ولادل عليه الدليل الشرعي. (شرح المقاصد في علم الكلام، الباب: بسم الله الرحمن الرحيم (١/ ١٧٨) ط: مؤسسة الرسالة بيروت.

* المعلم الفوائد لابن عمر التميمى، فهرس الأمم والقبائل (٣/ ٥٥٠) ط: الدار التونسية بالجزائر.

(٢) عن العرباض بن سارية رضي الله عنه... من يعش منكم بعدي فسيرى اختلافاًكثيراًفعليكم بسنّتي وسنّة الخلفاء الراشدين المهديّين ، تمسّكوا بها وعضّوا عليها بالنّواجذ إلخ.(مشكاة المصابيح، باب الإعتصام بالكتاب والسنّة، الفصل الثاني، (ص:٢٩، ٣٠) ط: قديمى كراچى).

* سنن أبن ماجه، باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين المهديين (١/ ١٥) ط: دار الفكر بيروت.

* صحيح ابن حبان، باب الإعتصام بالسنة ومايتعلق بها نقلاً وأمراً وزجراً (١/ ١٧٨) ط: مؤسسة الرسالة بيروت.

(٣) عن عمر بن الخطاب قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول:سألت ربّي عن اختلاف أصحابي من بعدي، فأوحى إليّ يامحمّد! إنّ أصحابك عندي بمنزلة النجوم في السماء بعضها أقوىٰ من بعض، ولكلّ نور، فمن أخذ بشيءٍ ممّاهم عليه من اختلافهم فهوعندي علىٰ هدىً، قال: وقال رسول الله ﷺ : أصحابي كالنجوم فبأيّهم اقتديتم اهتديتم. (مشكاة المصابيح، باب مناقب الصحابة، الفصل الثالث، (ص: ٥٥٤) ط: قديمى كراچى).

(٤) (فالأقوى إجماع الصحابة نصًّا) مثل أن يقولوا جميعاً: أجمعنا على كذا (فإنّه مثل الآية والخبر المتواتر) حتّى يكفر جاحده، كما يكفر جاحد ماثبت بالكتاب والسنة.(كشف الأسرار شرح المصنف على المنار مع شرح نور الأنوار، (٢/ ١٩٤) ط:دارالكتب العلمية،بيروت لبنان). =

اب کوئی شخص یہ کہے کہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم معیارِ حق نہیں ہیں، صرف آنحضرت ﷺ معیارِ حق ہیں، تو اس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ اگر حدیث نبوی موجود نہیں تو "تعاملِ صحابہ" یا "سنتِ صحابہ" حجت نہیں، یہ کتنی غلط بات ہوگی! اور اس پر مستزاد یہ بھی کہا جائے کہ کبھی کبھی انبیاء سے بتقاضائے

* فإجماع الصحابة مثل الآية والخبر المتواتر. (أصول البزدوي، (ص:٢٤٧) ط: نور محمد كتب خانه كراچی).
* إرشاد الفحول للإمام الشوكاني، البحث السابع في حجّيّة إجماع الصحابة، (١/ ٣١٧)ط: المكتبة التجارية، الطبعة الأولىٰ ١٤١٣هـ - ١٩٩٢م.
* الإحكام في أصول الأحكام، الأصل الثالث، المسألة السابعة، (١/ ٣٣٣) ط: دار الكتب العلمية.
* وإجماعهم حجّة قاطعة يجب اتّباعها بل أوكد الحجج وهي مقدّمة على غيرها.(إقامة الدليل، (٣/ ١٣) بحواله: "ختم نبوت" مؤلفه مفتی محمدشفیع صاحب رحمه الله ، (ص:٣٢٥) ط: مكتبه المعارف كراچی).
* فإنّهم متفقون علىٰ أنّ إجماع الصحابة حجّة ومتنازعون في إجماع من بعدهم.(منهاج السنة لابن تيمية، (٢/ ٤٨٢) ط: مكتبة دارالعروبة مطبعة المدني.قاهرة).
* رأي أفقه الأمّة وأبرّ الأمّة قلوباً... وإن قال أحدهم، ولم يخالفه غيره أخذنا بقوله.(إعلام الموقّعين عن ربّ العالمين، (١/ ٧٩، ٨٠)ط:دارالجيل بيروت).
* ثمّ بعد ذٰلك قول أصحاب رسول الله ﷺ إذا لم يكن قول بعضهم لبعضٍ مخالفاً.(بدائع الفوائد لابن القيم، (ص: ٨٧) ط:إداراة الطباعة المنيرية مصر).
* فوضح إمكان الإبتداع على إجماع من عدا الصحابة،وحكم من عدا الصحابة حكم إجماع الصحابة في كونه حجّة، هذا قول الجمهور.(الإبهاج في شرح المنهاج،الباب الأول في حجّيّة الإجماع، (٢/ ٢٥٢)ط:دار الكتب العلمية بيروت لبنان).
* وعندي أنّ إجماع الصحابة لايجوزخلافهم...إلخ.(جامع بيان العلم وفضله، باب معرفة أصول العلم وحقيقته،(ص:٢٧٩)ط:دارالكتب العلمية،بيروت لبنان).
* ذهب الأكثرون من القائلين بالإجماع إلىٰ أنّ الإجماع المحتجّ به غيرمختصّ بإجماع الصحابة،بل إجماع كلّ عصر حجّة الخ(إحكام الأحكام للآمدي، (١/ ٣٢٨)ط:دارالكتب العلمية)
* فإذا لم يوجد عن الأئمة فأصحاب رسول لله ﷺ في الدين عن موضع الأمانة،أخذنا بقولهم. (تاريخ الخلفاء، (٢/ ٦٤) ط:نور محمّد كتب خانه كراچی).

=

بشریت ایسی بات ظہور میں آسکتی ہے، جو عصمت کے خلاف ہو تو انتہائی خطرناک صورت اختیار کر لیتی ہے ، گویا نبی باوجود عصمت کے احیاناً غیر معصوم ہو سکتا ہے، اس طرح تو عصمت سے بھی امان اٹھ جاتا ہے، ہر وقت یہ احتمال قائم رہتا ہے کہ اس وقت شاید وہ غیر معصومانہ حالت ہو۔ (1)

محمد یوسف بنوری (۵ ربیع الاول ۱۳۸۳ھ)

---

(١) بأنه تجب العصمة عن المعاصي مطلقاً في النبي ﷺ ليحصل الوثوق بأقوالهم وأفعالهم، فيحصل الغرض من البعثة وهو متابعة المبعوث إليهم له في أوامره ونواهيه. (تسديد القواعد في شرح تجريد العقائد للإمام شمس الدين الأصفهاني، المقصد الرابع في النبوة، أدلة عصمة الأنبياء، (٢/ ١٠٣٦) ط: دار الضياء الكويت).

* وقال جمهور من الفقهاء من أصحاب مالك وأبي حنيفة والشافعي : إنّهم معصومون من الصغائر كلها كعصمتهم من الكبائر أجمعها ؛ لأنّا أمرنا باتباعهم في أفعالهم وآثارهم وسيرهم أمرًا مطلقًا من غير التزام قرينة، فلو جوّزنا عليهم الصغائر لم يكن الإقتداء بهم ... إلخ . (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، [البقرة : ٣٥] ، (١/ ٣٠٨) ط: الهيئة المصرية العامة لكتاب ، ١٩٨٧ء).

* الأنبياء معصومون عن الكذب خصوصًا فيما يتعلق بأمر الشرائع وتبليغ الأحكام وإرشاد الأمة ... إلخ . (شرح العقائد النسفية ، أوّل الأنبياء آدم عليه السلام وآخرهم محمد عليه الصلاة والسلام ، (ص: ١٤٠) ط: قديمی کراچی).

* (والعصمة) ... معناها (تخصيص القدرة بالطاعة فلايخلق له) أي : لمن وصف بها (قدرة المعصية). (المسامرة بشرح المسايرة، الكلام على العصمة ، (ص: ٢٢٧، ٢٢٨) ط: مطبعة السعادة ، بمصر).

* شرح الشفاء للشهاب الخفاجي، فصل: وأمّا عصمتهم من هٰذا الفن ... ، (٤/ ٤١) ط: مطبعة عثمانية ١٣١٥هـ.

کیا رضاءِ الٰہی گناہوں سے حفاظت کا باعث ہے؟

سوال: کیا رضاءِ الٰہی کی وجہ سے گناہوں سے حفاظت ہوتی ہے، جیسا کہ عصمت سے ہوتی ہے؟

مستفتی: احمد شہزادہ

جواب: رضاءِ الٰہی سے اتنی بات ضرور ثابت ہو جاتی ہے کہ صحابہ کرام سے کوئی بات ایسی ظاہر نہیں ہو سکتی ہے جو نجات کے منافی ہو،[1] اگر کوئی شخص غیر معصوم بھی ہو تو یہ کیا ضروری ہے کہ وہ ضرور اللہ تعالی کی مرضی کے خلاف کام کرے گا اور گناہ بھی کرے گا؟ بہت سے صالحینِ امت غیر معصوم ہیں، لیکن اس کے باوجود ان سے کوئی گناہ نہیں ہوتا، عصمت سے گناہ کا ظہور ہو ہی نہیں سکتا۔[2] رضا کا ثمرہ یہ ہے کہ: گناہ ہوتا نہیں، اگرچہ ناممکن نہیں، ہونے کا امکان ہے، لیکن کسی چیز کے امکان کے لیے یہ کیا ضروری ہے کہ واقع بھی ہو جائے؟ بہر حال اس کو محفوظ کہیں یا اور کوئی لفظ اس حقیقت کو ادا کرے۔[3]

محمد یوسف بنوری (۱۳۸۳/۳/۵ھ)

---

(۱) قال فی الدراسات ماحاصله : إنّ العصمة عبارة عن استحالة صدور الذنب والخطأ بالدليل العقلي ، والحفظ عبارة عن عدم صدور الذنب والخطأ ، ولٰكن لايدلّ الدليل على الاستحالة ، الأولٰى صفة الأنبياء والثانية صفة الأولياء. (تحفة الأخلاء في عصمة الأنبياء، بحوالہ: "عدالت صحابہ کرام" مؤلفہ مولانا مہر محمد میانوالوی، (ص:252) ط: عثمانیہ میانوالی)۔

(۲) (والعصمة) المشترطة معناها: (تخصيص القدرة بالطاعة، فلايخلق له) أي: لمن وصف بها (قدرة المعصية). (المسامرة بشرح المسايرة، الكلام على العصمة، (ص:۲۲۷، ۲۲۸) ط: مطبعة السعادة بمصر).

* وقد تقرّر أن العصمة... وعند الحكماء: ملكة تمنع الفجور... فإنه الزاجر عن المعاصي والداعي للطاعة ويتأكد في الأنبياء بالوحي الإلٰهي... إلخ. (شرح الشفاء للشهاب الخفاجي، فصل: وأما عصمتهم من هذا الفن... (٤/ ٤١) ط: مطبعة عثمانية).

* الفقه الأكبر مع شرحه لملا علي القاري، بحث في أن الأنبياء منزهون عن الكبائر والصغائر (۸۸، ۸۹) ط: دار الكتب العلمية بيروت.

(۳) وأما قوله عليه السلام: إذا أحب الله عبداً لم يضرّه ذنبٌ، فمعناه: أنه عصمه من الذنوب فلم يلحقه ضررها. وفي الحاشية على قوله: «أنه عصمه»: أي حفظه، إما بأن لايخلق فيه الذنب أو يوفقه للتوبة والإصلاح على أن عدم لحوق ضرر الذنب بأن يغفره بفضل رحمته لايستلزم سقوط التكليف عنه، كما في الذنب المغفور. (شرح العقائد النسفية، بحث: (ص:١٦٦) ط: قديمی کراچی).

صحابہ کرام پر تنقید کرنا جائز ہے یا نہیں؟

سوال-۱: کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر تنقید کرنا جائز ہے؟ اگر ہے تو کسی نے کسی صحابی پر تنقید کی ہے؟

۲- اگر صحابہ کرام پر تنقید جائز سمجھی جائے تو کیا اس آیت شریفہ پر اثر نہیں پڑے گا؟

﴿وَاعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِّنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ﴾[الحجرات:۷]

مستفتی: احمد شہزادہ

جواب: ۱- صحابہ ہماری تنقید سے بالاتر ہیں،[1] «**الله الله في أصحابي، لاتتّخذوهم**

---

(۱) واعتقاد أهل السنة والجماعة تزكية جميع الصحابة رضي الله عنهم وجوباً بإثبات العدالة لكلّ منهم والكفّ عن الطعن فيهم والثناء عليهم كما أثنى الله سبحانه وتعالىٰ عليهم إذ قال: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ...﴾ إلخ. (كتاب المسامرة،مبحث:اعتقاد أهل السنّة تزكية جميع الصحابة،(ص:۳۱۳)ط:مطبعة السعادة بمصر).

* (ولانذكر أحداً من أصحاب رسول الله) أي مجتمعين ومنفردين، وفي نسخة: ولانذكر أحداً من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلّم (إلّا بخير) يعني وإن صدر من بعضهم بعض ماهو في الصورة شر، فإنه إما كان عن اجتهاد ولم يكن على وجه فساد من إصرار وعناد، بل كان رجوعه عنه إلى خير معادٍ بناء على حسن الظنّ بهم، ولقوله عليه الصلاة والسلام: «خير القرون قرني»، ولقوله عليه الصلاة والسلام: «إذا ذكر أصحابي فأمسكوا»، ولذلك ذهب جمهور العلماء إلى أن الصحابة رضي الله عنهم كلّهم عدول قبل فتنة عثمان وكذا بعدها ... إلخ (الفقه الأكبر مع شرحه لملا علي القاري، قبيل بحث في أن الكبيرة لاتخرج عن الإيمان، (ص:۱۱٦) ط: دارالكتب العلمية بيروت).

* ونحب أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلّم، ولانفرط في حبّ أحد منهم، ولانتبرّأ من أحد منهم، ونبغض من يبغضهم، وبغير الخير يذكرهم ولانذكرهم إلّا بخير، وحبّهم دين وإيمان وإحسان، وبغضهم كفر ونفاق وطغيان... وقد أثنى الله تعالى على الصحابة هو ورسوله ورضي

من بعدي غرضًا... الخ» وغیرہ احادیث میں تصریح ہے۔[1]

۲:- اس کا جواب معلوم ہو گیا، تنقید جائز نہیں۔ محمد یوسف بنوری (۱۳۸۳/۳/۵ھ)

عنهم، ووعدهم الحسنى، كما قال تعالى: ﴿وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ... الآية﴾ (شرح العقيدة الطحاوية، نحبّ أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلّم من غير إفراط، (ص:٥٢٨) ط: المكتب الإسلامي، بيروت).

* من أصول أهل السنة والجماعة سلامة قلوبهم وألسنتهم لأصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلّم. وفي الشرح: أي من أصول عقيدة أهل السنة والجماعة (سلامة قلوبهم) من الغلّ والحقد والبغض وسلامة (ألسنتهم) من الطعن واللعن والسبّ (لأصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلّم) لفضلهم وسبقهم واختصاصهم بصحبة النبي صلى الله عليه وسلّم ولمالهم من الفضل على جميع الأمّة؛ لأنّهم الذين تحمّلوا الشريعة عنه صلى الله عليه وسلّم، وبلّغوها لمن بعدهم، ولجهادهم مع الرسول صلى الله عليه وسلّم ومناصرتهم له. (شرح العقيدة الواسطية لشيخ الإسلام أحمد بن تيمية، الإيمان بالقدر ومايتضمنه، الدرجة الثانية ومايتضمنه، الواجب نحو أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلّم وذكر فضائلهم، (ص:١٨٤) ط: مكتبة المعارف الرياض).

* ويكفّ عن ذكر الصحابة إلّا بخير؛ لما ورد من الأحاديث الصحيحة في مناقبهم، ووجوب الكفّ عن الطعن فيهم، كقوله عليه السلام: "لاتسبّوا أصحابي، فلو أنّ أحدكم أنفق مثل أحد ذهباً مابلغ مدّ أحدهم ولانصيفه"، وكقوله عليه السلام: " أكرموا أصحابي فإنّهم خياركم... الحديث، وكقوله عليه السلام: "الله الله في أصحابي لاتتخذوهم غرضاً من بعدي، فمن أحبّهم فبحبّي أحبّهم ومن أبغضهم فببغضي أبغضهم، ومن اٰذاهم فقد آذاني، ومن آذاني فقد آذى الله، ومن آذى الله تعالى فيوشك أن يأخذه". (شرح العقائد النسفية للعلامة سعد الدين التفتازاني، بحث: (ص:١٦٢) ط: قديمى كراچى).

(١) جامع الترمذي،أبواب المناقب عن رسول الله ﷺ، باب في من يسبّ أصحاب النبيّ صلى الله عليه وسلّم ، (٢/ ٢٢٥)ط: سعيد.

* صحيح ابن حبان، باب فضل الصحابة والتابعين رضي الله عنهم (١٦/ ٢٤٤) ط: مؤسسة الرسالة بيروت.

* شعب الإيمان، فصل في براءة نبينا صلى الله عليه وسلّم في النبوة (٣/ ٩٣) ط: مكتبه الرشد للنشر والتوزيع، رياض.

کتاب ''خلافتِ معاویہ ویزید'' کی تائید وتصدیق کرنے والے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرع متین ایسے شخص کے بارے میں جو کتاب ''خلافتِ معاویہ ویزید'' جو محمود عباسی کی ہے، اس میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی صحابیت کا انکار ہی نہیں، بلکہ خاندانِ نبوت کے بارے میں احادیثِ فضائل کو موضوع قرار دیا گیا ہے، اور امام عالی مقام کے خلاف تلوار اٹھانے کا جواز ثابت کیا گیا ہے، اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی مدتِ خلافت کو طوائف الملوکی سے تعبیر کیا گیا ہے، اس کتاب کی تائید وتصدیق کرتا ہے، اس پر تقریظ بھی چڑھائی ہے، اس میں لمبے مضمون کے اشعار بھی ہیں اس کی تصدیق پر، تو ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ مستفتی: محمد صدیق مینار ی

جواب: علماءِ حق کا اتفاقی فیصلہ ہے کہ محمود عباسی کی کتاب اہلِ حق کے مسلک کے مخالف ہے، اور شدید شعوری یا غیر شعوری خطرناک غلطیوں میں مبتلا ہے، اس لیے اس کتاب کی تائید کرنے کا درجہ بھی یہی رہے گا، البتہ اگر جہالت سے تائید کرتا ہے تو اس کا جرم نسبۃً ہلکا ہوگا، اور اگر دانستہ زیغ کی وجہ سے تائید کرتا ہے تو یہ ایک خطرناک گناہ میں مبتلا ہے، اور فاسق ہے، فاسق کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم یہ ہے کہ مکروہ تحریمی ہے، اگرچہ فرض ادا ہو جائے گا، اس کا حکم بھی وہی رہے گا جو اہلِ ہویٰ کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم ہے۔[1] محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ (۲۷/ محرم الحرام، ۱۳۸۱ھ)

---

(۱) (وكره إمامة العبد والأعرابي والفاسق والمبتدع والأعمى وولد الزنا) بيان للشيئين: الصحّة والكراهة، أمّا الصحّة: فمبنيّة على وجود الأهلية للصلاة مع أداء الأركان وهما موجودان من غير نقص في الشرائط والأركان، ومن السنة حديث: «صلّوا خلف كلّ برّ وفاجر»، وفي صحيح البخاري: أن ابن عمر كان يصلّي خلف الحجّاج، وكفي به فاسقاً، كما قاله الشافعي... وأمّا الكراهية: فمبنيّة على قلّة رغبة الناس في الاقتداء بهؤلاء، فيؤدي إلى تقليل الجماعة المطلوب تكثيرها تكثيراً للأجر. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة، (١/ ٣٤٨) ط: سعيد)

* وأمّا الفاسق فقد علّلوا كراهة تقديمه بأنّه لايهتمّ لأمر دينه، وبأنّ في تقديمه للإمامة تعظيمه، =

سماعِ موتی اور مردوں سے سوال کی تحقیق/مردے سنتے ہیں یا نہیں؟

سوال: کیافرماتے ہیں علماءِ دین حسبِ ذیل مسئلہ میں:

۱- مردے سنتے ہیں یا نہیں سنتے؟ اگر سنتے ہیں تو پھر ان سے مانگنا یا سوال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

۲- قرآن کریم سے بظاہر تو یہ مضمون معلوم ہوتا ہے کہ مردے نہیں سنتے، اس کی کیا مراد ہے؟

مسئلہ کی شرعی تحقیق مطلوب ہے۔ بیّنوا توجروا

جواب:۱- احادیث نبویہ میں جن باتوں کے متعلق تصریح آئی ہے، ان باتوں کو سنتے ہیں، مثلاً: سلام اور دعا سنتے ہیں،[1] لیکن اس سے یہ عام قانون بنادینا کہ ہر بات سنتے ہیں، اس کا کوئی ثبوت

وقد وجب عليهم إهانته شرعاً، ولايخفي أنّه إذا كان أعلم من غيره لاتزول العلّة، فإنّه لايؤمن أن يصلّي بهم بغير طهارة فهو كالمبتدع تكره إمامته بكلّ حالٍ. (رد المحتار على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة، (١/ ٥٦٠) ط: سعيد).

* وفي المحيط: لوصلى خلف فاسق أو مبتدع أحرز ثواب الجماعة لكن لايحرز ثواب المصلي خلف تقي اهـ يريد المبتدع من لايكفر ولابأس بتفصيله، الاقتداء بأهل الأهواء جائز إلا الجهمية والقدرية والروافض الغالية. (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الإمامة، (١/ ٣٠٤) ط: مكتبه رشيديه، طبع قديم).

* وتجوز الصلاة خلف كل برّ وفاجر؛ لقوله عليه السلام: صلّوا خلف كلّ برّ وفاجر، ولأن علماء الأمّة كانوا يصلّون خلف الفسقة وأهل الأهواء والبدع من غير نكير، ومانقل عن بعض السلف من المنع عن الصلاة خلف المبتدع فمحمول على الكراهة؛ إذ لاكلام في كراهة الصلاة خلف الفاسق والمبتدع، هذا إذا لم يؤدّ الفسق أو البدعة إلى حدّ الكفر. (شرح العقائد النسفية، مبحث: تجوز الصلاة خلف كلّ برّ وفاجر، (ص:١٦٠، ١٦١) ط: قديمى كراچى).

* غنية المستملي شرح منية المصلي المعروف بـ "حلبي كبير"، فصل في الإمامة، الأولى بالإمامة، (ص: ٥١٤) ط: سهيل اكيدمي لاهور.

(١) فيقتصر على القول بسماع ماورد السمع بسماعه من السلام ونحوه، وهذا الوجه هوالذي يترجّح عندي. (روح المعاني، [الروم:٥٣] (٢١/ ٥٨) ط: إدارة الطباعة المنيرية، مصر).

=

قرآن وحدیث سے نہیں ملتا،[1] عقل کے مطابق تو یہی فیصلہ ہوتا کہ مردے نہیں سنتے ،لیکن جب احادیث نبویہ میں چند چیزوں کی تصریح فرمادی ہے تو عقلی معیار سے ان کو مستثنیٰ کرنا ہوگا،اس لیے اب

* فإن سائر الأموات أيضاً يسمعون السلام والكلام، وتعرض عليهم أعمال أقاربهم في بعض الأيام. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب الجمعة، الفصل الثاني، سائر الأموات يسمعون السلام والكلام، (٣/ ٢٣٨) ط: إمداديه ملتان).
* وقال ابن القيم: الأحاديث والآثار تدلّ على أنّ الزائر متى جاء علم به المزور، وسمع كلامه، وأنس به، ورد سلامه عليه، وهذا عامّ في حقّ الشهداء وغيرهم، وأنّه لاتوقيت في ذلك، قال: وهو أصحّ من أثر الضحاك الدالّ على التوقيت، قال: وقد شرع صلى الله عليه وسلّم لأمّته أن يسلّموا على أهل القبور سلام من يخاطبونه ممّن يسمع ويعقل. (شرح الصدور بشرح حال الموتى والقبور، باب زيارة القبور وعلم الموتى بزوارهم ورؤيتهم له، (ص:٢٢٤) ط: مكتبه عباس أحمد الباز، مكة المكرمة).
* وهذا (أي السلام على أهل القبور) خطاب لمن يسمع ويعقل، ولو لاذلك لكان هذا الخطاب بمنزلة خطاب المعدوم والجماد. (كتاب الروح، المسألة الأولى، (ص:٥) ط: مكتبة مطبعة محمد علي صبيح الأزهر، مصر).

(١) فهذه النصوص وأمثالها تبيّن أنّ الميّت يسمع في الجملة، ولايجب أن يكون السمع له دائمًا، بل قد يسمع في حالٍ دون حالٍ،كما قد يعرض للحيّ، فإنّه قد يسمع أحيانًا خطاب من يخاطبه،و قد لايسمع لعارضٍ يعرض له...إلخ (مجموع فتاوىٰ شيخ الإسلام أحمد بن تيمية رحمه الله، كتاب الجنائز، باب زيارة القبور، سئل: هل الميّت يسمع كلام زائره؟ (٢٤/ ٣٦٤) ط:مكتبة المعارف الرباط، المغرب).

* فالقول بإطلاق سماع الموتى في كلّ فرد وفي كلّ حين قو ل بماليس لك به علم، والقول بنفيه رأساً مزاحمة للنصوص المذكورة آنفًا،ولذٰلك قلنا بثبوته في الجملة،أعني في حينٍ دون حينٍ، لشخصٍ دون شخصٍ في كلامٍ دون كلامٍ ...إلخ.(أحكام القرآن للشيخ المفتي محمّد شفيع رحمه الله، [الروم:٥٣] الحزب الخامس، (ص: ١٠٦) ط:انترنيشنل پريس كراچى ١٣٨٩هـ)
* والأحاديث إنّما أثبتت سماعهم بعض الأشياء في بعض الأحيان،ولهٰذا يجب أن يقتصر على إثبات السماع في ما ثبت بالسمع ولايتجاوز عنه.(فتح الملهم للشيخ العثماني رحمه الله،كتاب الجنائز، تحقيق مسألة سماع الموتى، (٢/ ٤٧٩)ط:مدينه پريس بجنور).

=

قانون یہی ہوگا کہ وہ نہیں سنتے، لیکن جو احادیث میں آگیا ہے، ان کو ضرور سنتے ہیں۔[1] مخبر صادق ﷺ نے جب فرمادیا، وہاں عقل کا کیا کام؟[2]

اب رہا یہ کہ ان سے استعانت کرنا یا سوال کرنا، یہ تو کسی حدیث یا نص سے ثابت نہیں، بلکہ نصوص سے تو یہ ثابت ہے کہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعائے مغفرت کی جائے، مردے ہماری دعاؤں کے محتاج ہیں، اور انتظار میں رہتے ہیں کہ کوئی دعا کرے۔[3]

بہر حال شرعی قانون یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے سوال کیا جائے، ان سے اپنی حاجت روائی کے لیے دعا

---

(١) انظر إلى الحاشية (الرقم: ١) على الصفحة السابقة.

(٢) والوجه الثاني...أنّ هذا السماع الذي نحن بصدد إثباته من عالم البرزخ أخبرنا به المخبر الصادق فآمنّا به...الخ (فيض الباري ،كتاب الجنائز، باب قول الميّت:وهو على الجنازة قد توفّي، (٢/ ٤٦٨) ط: مطبعة حجازي بالقاهرة، ١٣٥٧ه - ١٩٣٨م).

(٣) عن عبد الله بن عياش قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: ما الميت في القبر إلا كالغريق المتغوّث ينتظر دعوة تلحقه من أب أو أم أو أخ أو صديق فإذا لحقته كان أحب إليه من الدنيا وما فيها، وإن الله عز وجل ليدخل على أهل القبور من دعاء أهل الأرض أمثال الجبال وإن هدية الأحياء إلى الأموات الإستغفار لهم. (شعب الإيمان للبيهقي، باب الحادي والعشرون وهو باب في الصلوات، فصل في الصلوات ومافي أدائهن من الكفارات (٧/ ١٦) ط: دار الكتب العلمية بيروت).

* مشكاة المصابيح، كتاب أسماء الله تعالىٰ، باب الإستغفار والتوبة، (ص: ٢٠٦) ط: قديمى كراچى.

* تخريج إحياء علوم الدين، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما الميت في قبره إلا كالغريق المتغوّث... إلخ (٦/ ٢٦١٢) ط: دار العاصمة للنشر، الرياض.

* في البيهقي: ما الميت في القبر إلا كالغريق المتغوث ينتظر دعوة تلحقه من أب أو أخ أو صديق، فإذا لحقته كان أحبّ إليه من الدنيا ومافيها. اس حدیث سے منتظر ہونا میت کا واسطے دعا اپنے بھائی و دوست کے ثابت ہوتا ہے، پس یہ لوگ اگر ثواب پہنچاویں گے تو ضرور اس کو شعور ہونا چاہیے، ورنہ اس کا انتظار منقطع نہ ہوگا، اور اخبار و آثارِ بزرگان سے یہ امر حدِ تواتر کو پہنچا ہے. (امداد الفتاویٰ، کتاب العقائد والکلام، تحت عنوان: "میت کو ایصال ثواب"، (٣٨٩/٥) ط: مکتبہ دار العلوم کراچی)۔

=

کی جائے،[1] البتہ کوئی مردہ صالح متقی ولی اللہ ہو، ان کو کچھ پڑھ کر ثواب پہنچایا جائے،[2] اور پھر اللہ تعالی سے ان کے وسیلہ سے دعا مانگی جائے کہ: اے اللہ! اس مقبولِ بارگاہ بندے کے وسیلے سے میرا یہ کام کیا جائے، یہ دعا قبول ہو! تو یہ درست ہے۔ بہر حال استعانت اور چیز ہے، اور وسیلہ اور چیز ہے۔[3] اگر

(١) قال تعالىٰ: ﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ... إلخ ﴾ [البقرة: ١٨٦]

* وعن ابن عباس قال: كنت خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: ياغلام! احفظ الله يحفظك، احفظ الله تجده تجاهك، وإذا سألت فاسأل الله، وإذا استعنت فاستعن بالله... إلخ (مشكاة المصابيح، كتاب الآداب، باب التوكل والصبر، الفصل الثاني، (ص:٤٥٣) ط: قديمى كراچى).

(٢) صرّح علمائنا في باب الحجّ عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أو صوماً أو صدقة أو غيرها كذا في الهداية. (رد المحتار على الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في القراء ة للميت وإهداء ثوابها له، (٢/ ٢٤٣) ط:سعيد).

* الهداية ، كتاب الحج ، باب الحج عن الغير ، (أوّلين / ٣١٦) ط: مكتبه رحمانيه لاهور .

* البحرالرائق ، كتاب الحج ، باب الحج عند الغير ، (٣/ ٥٩) ط: سعيد .

(٣) (والمختار) عدم اختصاص التوسل بهذا المعنى به صلى الله عليه وسلم، فإنّ التوسل إلى الله بأهل الفضل والعلم هو في التحقيق تتوسل بأعمالهم الصالحة ومزاياهم الفاضلة إذ لايكون الفاضل فاضلاً إلّابأعماله، وقدثبت أن النبي صلى الله عليه وسلم حكى عن الثلاثة الذين انطبقت عليهم الصخرة أن كل واحد منهم توسل إلى الله تعالى بأعظم عمل عمله فارتفعت الصخرة... فلو كان بالأعمال غير جائز لماسكت النبي صلى الله عليه وسلم عن إنكار مافعلوه بعد حكايته عنهم. (الإبداع في مضار الإبتداع، الباب الثاني في النظر في البدعة من جهة فروعها، الفصل الأول في بيان البدع التي تقع في المساجد، التوسل بالمخلوق كلام العلماء فيه، (ص: ١٠٢- ١٠٤) ط: المكتبة العلمية بالمدينة المنورة)

* عن ابن عمر قال: استسقى عمر بن الخطاب عام الرمادة بالعباس بن عبد المطلب وذكر الحديث، وفيه: فخطب الناس عمر فقال : إنّ رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يرى للعباس ما يرى الولد للوالد، فاقتدوا أيّها النّاس برسول الله صلى الله عليه وسلم في عمه العباس واتخذوه وسيلة إلى الله. (نيل الأوطار شرح منتقى الأخبار للشوكاني، كتاب الإستسقاء، باب الإستسقاء بذوي الصلاح، (٤/ ٨) ط: مصطفى البابي الحلبي مصر)

=

مردے سنتے بھی ہوں جب بھی ان سے استعانت یا سوال کے لیے مستقل دلیل کی ضرورت ہوگی، اگر وہ مردے زندہ بھی ہوتے جب بھی ان سے ان باتوں کا مانگنا درست نہ ہوگا جو منصب اللہ تعالی کا ہے کہ: مجھے بیٹا دے دے یا میرا یہ کام کرادے،[1] یہ دوسری بات ہے کہ مردہ خوش ہو جائے، اور وہ خود اللہ تعالی سے التجا کردے کہ: اس کی حاجت پوری ہو جائے، یہ اور بات ہے۔ اور اگر یہ کہہ دیا جائے کہ: اے اللہ کے مقبول بندے! آپ اللہ تعالی کی بارگاہ میں میرے لیے دعا کردیں، اگرچہ یہ طریقہ احادیث سے ثابت نہیں، لیکن یہ شرک بھی نہیں ہے، اس کی گنجائش نکل سکتی ہے، البتہ عوام حدودِ الفاظ کی رعایت نہیں کرتے، اس لیے ان کلمات میں بے حد احتیاط کی ضرورت ہے،[2] اور سنت نبویہ کا اتباع اولی ہے۔

۲- قرآن کریم میں یہ تصریح ہے کہ آپ مردوں کو سنا نہیں سکتے، تو سنانا اللہ تعالی کا کام ہے،[3] اور بطورِ خرقِ عادت چوں کہ مردے سنتے ہیں، اس لیے کام صرف اللہ تعالی ہی کا ہے، یہ نہیں ہے کہ مردے سنتے نہیں ہیں۔[4]

---

* عندنا وعند مشايخنا يجوز التوسل في الدعوات بالأنبياء والصالحين من الأولياء والشهداء والصديقين في حياتهم وبعد وفاتهم بأن يقول في دعائه: اللّٰهم إنّي أتوسّل بفلان أن تجيب دعوتي وتقضي حاجتي إلى غير ذلك. (المهند على المفنّد لمولانا خليل أحمد سهارنفوري، (ص: ٣٧) ط: إدارة اسلاميات لاهور طبع ١٤٠٤هـ)

(١) (المسألة الثانية) الإستغاثة بالمخلوق وكذا الإستعانة به إن كان ذلك فيما يقدر عليه نحو الحيلولة بينه وبين عدوّه... أما مالايقدر عليه إلا الله تعالى فلايستغاث فيه إلا به كغفران الذنوب، والهداية، وإنزال المطر، والرزق. (الإبداع في مضار الإبتداع، الباب الثاني في البدعة من جهة فروعها...، الفصل الأول في بيان البدع التي تقع في المساجد، الإستغاثة بالمخلوق، (ص:١٠١) ط: المكتبة العلمية بالمدينة المنورة)

(٢) إن المقصود في كل ذلك هو الله عز وجل، وغيره شفيع فقط إذا أذن الله، وقد يغفل عن هذا العوام، فتراهم إذا نزل به أمر خطير وخطب جسيم في برّ أو بحر تركوا دعاء الله تعالى ودعوا غيره. (حواله بالا، ص:١٠٤)

(٣) ﴿إِنَّ اللهَ يُسْمِعُ مَن يَشَاءُ وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ﴾ [الفاطر:٢٢]

(٤) فقال السهيلي: إنها كقوله تعالى: ﴿أَفَأَنتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ أَوْ تَهْدِي الْعُمْيَ﴾ أي: إن الله تعالى هو

دوسری بات یہ ہے کہ قرآن کریم میں مردوں سے مراد کفار ہیں، جو تذکیر وموعظت سے انتفاع نہیں اٹھاتے، گویا یہ کفار عدمِ انتفاع میں مردوں جیسے ہیں، اموات ہیں، احیاء نہیں۔[1] اور معلوم ہوا کہ مراد صرف سننا بھی نہیں، بلکہ قبول کرنا اور نفع حاصل کرنا ہے، اس لیے قرآن کریم کی تصریح کا اس مسئلہ سے زیادہ تعلق نہیں ہے، اس آیت کی مثال ایسی ہے جیسے دوسری آیت میں: ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ... الآية﴾[2] آیا ہے۔

امید ہے کہ ان چند سطروں سے مسئلہ کی حقیقت پوری واضح ہوگئی ہوگی، مزید تفصیل کی حاجت نہ ہوگی۔ واللہ اعلم کتبہ: محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ (۱۱/ رمضان المبارک/ ۱۳۸۲ھ)

مرزا قادیانی کو مجدد ماننے والوں کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں کہ: کل [مورخہ ۸/ ستمبر ۱۹۷۳ء] بوقت ساڑھے چار بجے دن سابق امام مسجد وڈکنگ مسجد محمد طفیل متعلقہ مرزائی فرقہ لاہوری کی ساس کا جنازہ مسجد ہذا میں لایا گیا، اور یہاں کے سرکاری امام خواجہ قمر الدین جو کہ اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت ظاہر

الذي يسمع ويهدي، وقال بعض الأجلة: إن معناها: لاتسمعهم إلا أن يشاء الله تعالى، أو لاتسمعهم سماعاً ينفعهم. (روح المعاني، اختلاف العلماء في سماع الموتى وحجج كل وتحقيق المقام، (٢١/ ٥٦) ط: دار إحياء التراث العربي، بيروت).

(١) قال تعالى: ﴿وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ﴾ [الفاطر:٢٢] ﴿إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ﴾ [النمل:٨٠] وهذا التشبيه لحال الكفار في عدم إذعانهم للحقّ بحال الموتى. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب أحكام الجنائز، (٢/ ١٩٤) ط: مكتبه غوثيه كراچى).

* البزازية على هامش الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، الخامس والعشرون في الجنائز، و فيه الشهيد، (٤/ ٨٠) ط: مكتبه رشيديه.

(٢) [القصص:٥٦]

کرتے ہیں،انہوں نے مرزائی سابق محمد طفیل کی اقتدا میں نماز جنازہ ادا کی، جب چند معززین نے اس حرکت کا محاسبہ کیا تو خواجہ قمرالدین سرکاری امام وڈکنگ مسجد نے یہ دلیل پیش کی کہ میں نے اس لیے نمازِ جنازہ میں شرکت کی ہے، کیوں کہ مرزا محمد طفیل بسا اوقات میرے پیچھے نماز پڑھ لیا کرتے ہیں،اور دوسری دلیل یہ دی کہ میں لاہوری مرزائیوں کو کافر نہیں سمجھتا، کیوں کہ وہ مرزا غلام احمد قادیانی کو صرف مجدد تسلیم کرتے ہیں،اور ہم کو کافر نہیں کہتے۔ لہٰذا مہربانی فرما کر قرآن وسنت کی روشنی میں ایسے شخص کے متعلق شرعی فتوی سے کماحقہ آگاہ کیا جائے! عینی شاہدوں کے دستخط مندرجہ ذیل ہیں:

(۱)صابر حسین،(۲)محمد شریف،(۳)عبدالرحمن،(۴)ملک احمد خان۔

مستفتی: ایک نمازی، مسجد وڈکنگ، لندن، انگلینڈ

جواب: مرزائیوں کے دونوں فرقے لاہوری اور قادیانی باتفاقِ علمائے اسلام کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں،لاہوری فرقہ نفاق اور تقیہ کی وجہ سے قادیانی فرقہ سے زیادہ خطرناک ہے، فرقہ لاہوریہ کے کفر کے لیے یہی کافی ہے کہ یہ ایک مدعیٔ نبوتِ کاذبہ کو مجدد، مصلح اور امام تسلیم کرتے ہیں۔[1]

حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب قدس سرہ العزیز نے اپنی بے نظیر تالیف ''اِکفار الملحدین'' میں مؤخرالذکر فرقہ کے کفر کو دلائلِ ظاہرہ باہرہ سے ثابت کیا ہے۔ **من شاء فلیراجع إلیه۔**[2]

---

(۱) متنبئ البنجاب القادياني ومن صدّقه كافر مرتدٌّ، فمتبنئ البنجاب القادياني كافرٌ مرتدٌّ عن الإسلام، وكذامن لم يقل بكفره وارتداده وظنّه وليًّا أو مجدّدًا أو مصلحاً: فإنّه كذّاب دجّال قد افترى على الله ورسوله كذباً.(إعلاء السنن، كتاب السير،أبواب أحكام المرتدين (۱۲/ ۵۹۸) ط:إدارة القرآن والعلوم الاسلامية كراچی).

* وحيث إنّ الأمّة الإسلامية قداجتمعت على أنّ الذين يتّبعون مرزاغلام أحمد سواء أكانوا يؤمنون بنبوته أم كانوا يعتبرونه مصلحاً أوزعيماً دينيًّا أيّ صورة من الصورة،خارجون من دائرة الإسلام.(مؤقف الأمّة الإسلامية من القاديانية، تأليف: تحت إشراف الشيخ المحدّث محمّد يوسف البنوري،(ص:۵)ط:جمعية تحفظ ختم نبوة المركزية باكستان).

(۲) إكفار الملحدين، قبيل تفسير الزندقة والإلحاد والباطنية...الخ (ص:۸- ۱۲) ط: دارالكتب العلمية اكوره ختك.

=

اسی طرح کسی ایسے فرقہ یا اس کے بعض افراد کو مسلمان سمجھنا جسے علمائے امت نے بالاتفاق کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیا ہے، جب کہ علماءِ امت کے فیصلہ کا علم بھی ہو، حد درجہ گمراہی ہے اور ایسے آدمی پر خوفِ کفر ہے۔ (1)

مرزائی، لاہوری یا کوئی ایسا فرقہ جو باتفاق علمائے اسلام خارج از دائرۂ اسلام ہے، اس کے کسی فرد کی جنازہ کی نماز پڑھنا جائز نہیں۔ (2)

نمازِ جنازہ درحقیقت دعا ہے، اور کسی کافر کے لیے اس کے مرنے کے بعد دعا کرنا نصِ قرآنی حرام ہے۔ (3)

---

(١) ولهذا أي للقول بكفرمن خالف ظاهر النصوص والمجمع عليه، نكفرمن لم يكفر من دان بغير ملة الإسلام من الملل أووقف فيهم، أي توقّف وتردّد في تكفيرهم أو شك في كفرهم أو صحّح مذهبهم، وإن أظهرالإسلام واعتقده واعتقد إبطال كلّ مذهب سواه، فهو أي من لم يكفر ومابعده كافر.(إكفارالملحدين،(ص:٥٨)ط:دار الكتب العلمية اكوره ختك).

* التوسط والاقتصاد لمحمد انور شاه الكشميري (١/ ١٢٠) ط: دار ابن قيم للنشر والتوزيع.

(٢) قوله تعالىٰ: ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰٓ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِۦٓ﴾ فيه الدلالة على معان. أحدها: فعل الصلاة على موتى المسلمين وحظرها على موتى الكفار.(أحكام القران للجصّاص، [التوبة:٨٤] (٣/ ١٤٤)ط:سهيل اكيدمي لاهور).

* لا يصلى على الكافر لقوله تعالى: ﴿وَلاَ تُصَلِّ عَلٰى أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَداً وَلاَ تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهِ إِنَّهُمْ كَفَرُواْ بِاللهِ وَرَسُولِهِ وَمَاتُواْ وَهُمْ فٰسِقُونَ﴾ (التوبة: ٨٤) وروي أنه لما مات أبو طالب جاء علي رضي الله عنه إلى رسول الله عليه السلام وقال: إن عمك الضال قد مات فقال عليه السلام: "اغسله وكفنه وادفنه وما تحدث به حدثاً حتى تلقاني"، أي: لا تصلِ عليه؛ ولأن الصلاة على الميت دعاء واستغفار له. (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز (٢/ ٣٣٧) ط: دار إحياء التراث العربي بيروت)

* (وشرطها) ستة (إسلام الميت و طهارته) ... إلخ . (الدر المختار مع رد المحتا ر، كتاب الصلاة ، باب صلاة الجنائز، مطلب في صلاة الجنازة ، (١/ ٢٠٧) ط: سعيد)

* الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت، (١/ ١٦٢) ط: حقانيه پشاور.

(٣) ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَن يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبٰى مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ﴾ [التوبة:١١٣]

=

حضرت شاہ صاحب نے "عقيدة السفاريني" سے اہل الاہواء کے سلسلہ میں سلف کا مذہب جس کو انہوں نے خلف تک پہنچایا، یہ نقل کیا ہے:

«بأن لّا يسلموا على القدريّة، ولا يصلّوا على جنائزهم، ولا يعودوا مرضاهم».[1]

سلف کا مذکورہ بالا فیصلہ اہل اہواء کے بارے میں ہے، مرزائی اہواء سے گزر کر برسوں سے صریح کفر میں داخل ہو چکے ہیں، ان کی نمازِ جنازہ میں شرکت کس طرح جائز ہو سکتی ہے!!

بناءً علیہ خواجہ قمر الدین امام وڈکنگ مسجد لندن گمراہ و متبع ہوئی ہے، قطعاً لائقِ امامت نہیں، اس کو علیحدہ کر کے کسی صحیح العقیدہ شخص کو امام مقرر کیا جائے۔ ہشام رازی رحمہ اللہ نے امام محمد رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ اہل الاہواء کے پیچھے پڑھی ہوئی نماز لائقِ اعادہ ہے۔[2] فقط واللہ اعلم

کتبہ: ولی حسن ٹونکی

مسئلہ فوق الذکر کی جو تحقیق کی گئی ہے، یہی دورِ حاضر کے علماءِ امت کا متفقہ فیصلہ ہے، اس لیے میں بھی فتوی مذکور کی تائید و توثیق کرتا ہوں۔ محمد یوسف بنوری (ذیقعدہ ۱۳۹۳ھ)

---

* فقد صرحوا عن آخرهم بأنّ صلاة الجنازة هي الدعاء للميّت إذ هو المقصود منها (ردّ المحتار على الدرّ المختار، كتاب الصلاة، مطلب: هل يسقط فرض الكفاية بفعل الصبي، (٢/ ٢١٠) ط: سعيد)

* وقوله عليه السلام: "لاصلاة إلاّ بفاتحة الكتاب ولاصلاة إلاّ لقراءة"، لايتناول صلاة الجنازة، لأنّها ليست بصلاة حقيقة إنّما هي دعاء و استغفار للميت. (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان كيفية الصلاة على الجنازة، (١/ ٣١٤) ط: سعيد).

(١) إكفار الملحدين، النقل عن الأئمة الأربعة وغيرهم، (ص:٣٨) ط:مجلس علمى كراچى.

* وأوصوا خلافهم بأن لايسلّموا على القدرية، ولايصلّوا على جنائزهم، ولايعودوا مرضاهم. (الفرق بين الفرق، الفصل الثاني في بيان كيفيّة اختلاف الأمّة، (ص:٢٠) ط: دار الباز للنشر والتوزيع، مكة المكرّمة).

(٢) إكفار الملحدين،النقل عن الأئمة...،(ص:٣٨)ط:مجلس علمى كراچى.

* وروى محمّد عن أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله أنّ الصلاة خلف أهل الأهواء لاتجوز. (فتح القدير، كتاب الصلاة،باب الإمامة، (١/ ٣٠٤)ط:مكتبه رشيديه).

* حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان الأحق بالإمامة (١/ ٤١٠) ط: مكتبه غوثية كراچى.

مرزائیوں کے لاہوری گروپ اوران کو کافرنہ سمجھنے والے کا حکم

سوال: کیافرماتے ہیں علمائے دین مفتیانِ شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ میں کہ:

جس شخص کا یہ عقیدہ ہو کہ مرزائیوں کی لاہوری جماعت کفرواسلام کے درمیان معلق ہے، اس لیے کہ نہ تو وہ ایک مدعی نبوت سے بالکل براءت کرتی ہے کہ اس کے افراد کو مسلمان قرار دیا جاسکے، اور نہ اس کی نبوت کا صاف اقرار کرتی ہے، تاکہ اس کی وجہ سے ان کی تکفیر کی جاسکے، تو شریعت مطہرہ میں ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟ **بیّنوا توجروا!**

مستفتی: عبدالکریم، ڈیرہ اسماعیل خان

جواب: مرزائی لاہوری بھی کافر ہیں، کیونکہ وہ ایک مدعی نبوت کو مجدد یا مسلمان سمجھتے ہیں، اس لیے جو لوگ لاہوری مرزائیوں کو کافر نہیں سمجھتے، وہ حد درجہ گمراہ ہیں۔[1]

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: ولی حسن (۶/شوال ۱۳۸۹ھ) دارالافتاء مدرسہ عربیہ اسلامیہ، نیوٹاؤن

نوٹ: مرزائی لاہوری بھی تمام علماءِ امت کے نزدیک کافر ہیں، جو باوجود اس علم کے کہ تمام علماءِ امت نے تکفیر کی ہے، ان کو کافر نہ سمجھے تو وہ بھی کافر ہو جائے گا۔[2] فقط واللہ اعلم

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ

---

(١) أنظر إلي الحاشية، الرقم: (١) على الصفحة: (٧٣).

(٢) فالإجماع على كفر من لم يكفر أحداً من النصارىٰ واليهود وكلّ من فارق دين المسلمين، أو وقف أوشك. (الشفاء مع شرحه للفاضل علي القاري، الباب الثالث في حكم من سبّ لله، (٢/ ٥١٠) ط: الحاج محرم آفندى).

* ومن شك في عذابه وكفره كفر، وتمامه في الدرر في فصل الجزية...إلخ. (الدرّ المختار مع ردّ المحتار، كتاب الجهاد، باب المرتد، مطلب مهمٌّ في حكم سابّ الأنبياء، (٤/ ٢٣٢) ط: سعيد).

معمولی بات پر مسلمان کی تکفیر بہت خطرناک بات ہے

سوال: ۱- ایک حاکم مسلم کا کفار کے کیے ہوئے فیصلے کو اس طرح تسلیم کرنا جیسا کہ قانونِ خداوندی پر یقین رکھا جاتا ہے، مثلاً: ایسا کہنا کہ ''میرا ایمان ہے کہ اعلانِ تاشقند سے پاکستان کی سالمیت ہی نہیں، بلکہ مسئلہ کشمیر کے حل کا ایک امکان بھی ہے''، یہ الفاظ اسلام کے منافی ہیں یا نہیں؟

۲- اگر منافی ہیں تو ایسے الفاظ ادا کرنے والا داخلِ اسلام رہتا ہے یا خارجِ اسلام ہو جاتا ہے؟ جب کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد یہ ہے کہ:

ترجمہ: ''اے ایمان والو! تم مومنین کو چھوڑ کر کافروں کو دوست مت بناؤ، کیا تم یوں چاہتے ہو کہ اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی صریح حجت قائم کر لو۔'' [النساء: ۱۴۴][1]

دوسری جگہ کفار کی اصلیت صاف ظاہر کی گئی۔

ترجمہ: ''ان کا عہد قابلِ رعایت کیسے رہے گا حالاں کہ ان کی حالت یہ ہے کہ اگر وہ تم پر کہیں غلبہ پاجائیں تو تمہارے بارے میں نہ قرابت کا پاس کریں اور نہ قول وقرار کا، یہ لوگ تم کو اپنی زبانی باتوں سے راضی کر رہے ہیں۔'' [التوبۃ: ۸][2]

۳- جس طرح ان الفاظ کو ادا کیا گیا: ''میرا یہ ایمان ہے'' اسی طرح شرطِ ایمانِ کامل کے لیے بذریعہ اعلان اس کی تردید لازمی ہے یا نہیں؟

مستفتی: محمد عمر

جواب: ۱- سیاسی مسائل، مصالح کے پیشِ نظر ہوتے ہیں، ان میں کفر وایمان کی بحث کو

---

(۱) ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ أَتُرِيدُونَ أَن تَجْعَلُوا لله عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا مُّبِينًا﴾ [النساء: ١٤٤].

(۲) ﴿كَيْفَ وَإِن يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوا فِيكُمْ إِلًّا وَلَا ذِمَّةً يُرْضُونَكُم بِأَفْوَاهِهِمْ... الآية﴾ [التوبة:٨]. =

دخل دینا مناسب نہیں، کفار سے حضرت رسول اللہ ﷺ نے بھی معاہدات کیے ہیں[1] اور اس کی پابندی بھی فرمائی ہے، کسی نے اگر وثوق سے کہا کہ یہ بات صحیح یا غلط، دل وزبان میں اگر موافقت ہے تو سچا ہے، ورنہ جھوٹا۔

۲- کفار کو دوست بنانا کفر ہے،[2] تعلقات اور معاہدات اور چیز ہے۔

۳- کوئی تردید ضروری نہیں، کفر وایمان کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

---

(۱) كتب رسول الله صلى الله عليه وسلم كتابا بين المهاجرين والأنصار، وادع فيه اليهود وعاهدهم وأقرهم على دينهم وأموالهم واشترط عليهم وشرط لهم ... إلخ (البداية والنهاية لأبي الفداء الحافظ ابن كثير الدمشقي، باب هجرة رسول الله صلى الله عليه وسلم بنفسه الكريمة من مكة...، فصل في عقده عليه السلام الألفة بين المهاجرين والأنصار وموادعة اليهود...، (٣/ ٢٢٣) ط:دارالريان للتراث).

* السيف المسلول على من سبّ الرسول، الباب الثاني في حكم الساب من أهل الذمة، الفصل الرابع في الأدلة الدالة على قتل الساب الذمي، الدليل الخامس (١/ ٣٣٦) ط: دار الفتح عمان.
* السيرة النبوية لابن هشام، هجرة الرسول صلى الله عليه وسلم (٣/ ٣١) ط: دار الجيل بيروت.

(۲) ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ...الآية﴾ [المائدة:٥١].

* ﴿فإنه منهم﴾ بيّن تعالى أن حكمه كحكمهم ... لأنه قدخالف الله تعالى ورسوله كماخالفوا، ووجبت معاداته كما وجبت معاداتهم، ووجبت له النار كما وجبت لهم، فصار منهم أي من أصحابهم. (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، [المائدة:٥١]، (٦/ ١٥٧) ط: دار إحياء التراث العربي، بيروت).
* روح المعاني للعلامة السيد محمود الآلوسي ، سورة المائدة ، النهي عن اتّخاذ اليهود والنصارٰى أولياء ... إلخ، (٤/ ١٥٧) ط:مكتبه امداديه ملتان.

=

اللہ تعالیٰ صحیح فہم عطا فرمائیں، جذبات میں بہہ کر اعتدال کو چھوڑنا بہت غلط بات ہے، مسلمانوں کی معمولی باتوں پر تکفیر کرنا بہت خطرناک بات ہے۔[1] محمد یوسف بنوری

کسی مسلمان کو کافر کہنے کا حکم

سوال: کسی مسلمان کو کافر کہہ دینا کیسا ہے؟ اور ایسے شخص کو جواباً کیا کہنا چاہیے؟

مستفتی: محمد رفیق (۲۰/ محرم/ ۱۳۹۴ھ)

جواب: کسی مسلمان کو کافر کہنا سخت گناہ ہے، حدیث میں ہے: جو شخص کسی کو کافر کہتا ہے، اگر جس کو کافر کہا ہے وہ کافر نہیں تو کہنے والا کافر ہوگا۔[2] اس لیے کسی مسلمان کو کسی بھی وقت کافر نہیں کہنا چاہیے، اور اگر کوئی کافر کہتا ہے تو اس کا جواب نہیں دینا چاہیے۔

الجواب صحیح	کتبہ
محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ	عبد السلام (۲۳/ محرم/ ۱۳۹۴ھ)

---

(۱) عن أبي ذر أنه سمع النبي صلى الله عليه وسلم يقول: لايرمي رجل رجلاً بالفسوق ولايرميه بالكفر إلا ارتدت عليه إن لم يكن صاحبه كذلك. (صحيح البخاري، كتاب الآداب، باب ماينهى عن السباب واللعن، (۲/ ۸۹۳) ط: قديمى كراچى).

* شعب الإيمان للبيهقي، تحريم أعراض الناس ومايلزم من ترك الوقوع فيها (۹/ ٤٤) ط: مكتبة الرشد، رياض.

* مسند أحمد، حديث أبي ذر الغفاري رضي الله عنه (۳۵/ ٤٥٠، ٤٥١) ط: مؤسسة الرسالة، بيروت.

(۲) انظر إلى الحاشية على الصفحة السابقة (الرقم:۲).

خلافِ شریعت کشف کے متعلق سوالات

سوال: بگرامی خدمت جناب مولانا بنوری صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

بعد سلام عرض ہے کہ چند عرصہ قبل یہاں چند لوگوں نے کشوف جیسی باتیں شروع کیں، جب ان لوگوں کے کشوف کا علم علماء وصلحاء کو ہوا تو علماء نے اکٹھے ہو کر اس کا حل تلاش کرنے کے لیے ان لوگوں سے گفت وشنید کی راہ نکالی، گفت وشنید کے لیے وہ حضرات اپنے پیر مولوی اللہ یار خان کی کتب ساتھ لائے علماء صاحبان کے پاس، علماء نے آپس میں مشورہ کیا، جس میں پانچ علماء کو اس مسئلہ کا حل تلاش کرنے کے لیے منتخب کیا:

(۱) آپ صاحب (مولانا بنوری مدظلہ العالی، دام ظلہ) (۲) مولانا عبدالحق، اکوڑہ خٹک

(۳) مولانا شمس الحق افغانی صاحب، چارسدہ (۴) مولانا عبدالکریم بیرو والے (سندھ)

(۵) مولانا سرفراز خان صاحب، مدظلہ العالی، آف گوجرانوالہ۔

لہٰذا آپ ہر عالم صاحب کے پاس مولوی اللہ یار خان صاحب کی تین تین عدد کتب ارسال کی گئی ہیں، امید ہے کہ آپ صاحب کو مل گئی ہوں گی، ان کتب کے نام یہ ہیں:

(۱) اسرار الحرمین (۲) دلائل السلوک (۳) عرفان

ارسال کردہ کتب میں بعض خاص صفحوں کا تحریر کیا گیا کہ آپ ان صفحوں اور ان کے مریدوں کے مختلف کشوف (جیسا کہ کشف القبور ارسال کیے ہیں) کا مطالعہ کریں، ارسال کردہ کشوف مختصر تھے، ان کے مریدوں کے منہ سے چند ایسے اقوال نکلے ہیں، جو کہ مندرجہ ذیل ہیں، ہمارے لوگوں کا مطلب صرف یہ ہے کہ ان پیر صاحب کی کتب تو آپ خود دیکھیں گے، مگر مریدوں کے حالات سے ہم لوگ آپ کو آگاہ کرتے ہیں۔

أفعال وأقوال وأحوال متبعی مولوی الله یارخان:

١- دخل العوام في سلسلة مولوى (الله) يار خان بسبب أن أتباعه يعلمون أحوال البرزخ من عذاب القبر وراحته ورؤيته العرش والجنة والجحيم ومبايعة النبي صلى الله عليه وسلم وغيرها.

٢- يقول بعض متبعيه: إن الناس يظهرون في مراقبتنابصورة الثعلب والكلب وغيرهما من السبع، لأنهم يدعون أن شكل الروح الأصلي الذي يصار إليه بعد الموت أي صورة كانت يعلم في المراقبة، وفي هذا الزمان ليس على شكل إنسان إلاقليل.

٣- يقول بعض منهم: إنا نكلم مع الملائكة والأرواح من الأحياء والأموات متى شئنا.

٤- يقول بعض من متبعيه: إني نورت لطائف فلان الميت وأعطيت له التعليم فخلص من العذاب.

٥- يقول بعض منهم: إن أحوال القبرمعلوم لنا في أي وقت نريد.

٦- يدور أتباعه في المقابر ويراؤون الناس صاحب هذا القبر في العذاب، وهذا في الدرجة.

٧- ومنهم يقولون: إنا سرنا اليوم إلى الكعبة والمدينة والعرش وإلى غيرها.

٨- يقول بعض: أنا أقرأ القرآن على لوح محفوظ.

٩- يقول بعض منهم: إني مشقوق الصدر، قد شقّ صدري مراراً، مثل شقّ صدر الرسول صلى الله عليه وسلم.

١٠- يقول أحد منهم في وقت دخول أحد في بيعته ابتلاءً للآخر: إن اطلع مولوى الله يارخان بأن فلاناً دخل في سلسلتك، فينادي مولوى الله يارخان، ثمّ حصل منه الإجازة، ثم يطلعون للنبي صلى الله عليه وسلم هكذا.

١١- يقولون في وقت الذكر: أن تنادي لمولوى الله يارخان إن مجلس الذكر اليوم في بيتناأوفي بيت فلان.

١٢- وإذا يقال لهم: إن تلبيس الشيطان يخاف منه، لعل هذه الكشوف من التلبيسات الشيطانية، فيقولون في جوابه: إن منازل طريقتنا تشرع عن فوق العرش ولاتلبيس للشيطان فوق العرش.

١٣- أكثر الكشوف والأقوال والأفعال النارية يظهرعن الجهال فالأجهل منهم أكثر كشفاً من غيره.

١٤- دخل النساء والصبيان في سلسلته، والنساء والصبيان أقدم كشفاً من الرجال.

١٥- طريق تعليمه أن كل أحد منهم مجاز لهذا التعليم من الرجال والنساء والصبيان، فإذا دخل أحد في سلسلته في وقت الظهر مثلاً ، فهو خليفة في وقت العصر من هذا اليوم ويعلّم الناس.

١٦- إذا دخل أحد في سلسلته فقد يُظهر الكشوفَ في ذلك اليوم أو في غد، أو بعد الأسبوع.

١٧- النساء مجازات في طريقتهم، فإحداهنّ تعطي البيعة للأخريات.

١٨- دخل في سلسلته بعض من الملازمين المعروف بالرشوة فهو أكثر

كشفاً وأقدم منزلاً.

١٩- إذا اشتغل أحد من الناس بالتعليم والتعلم الديني، يقولون له : إن هذا ليس سبب النجاة، وسبب النجاة طريقتنا.

٢٠- يقولون: إن الشيخ الذي لايوصل أتباعه إلى بيعة النبي صلى الله عليه وسلم يداً بيدٍ، يقظة مع رؤية السالك للنبي صلى الله عليه وسلم فهوخداع.

٢١- يدورون في العوام والقرى والبيوت، ويقولون للطالب: هي سبب وسعة الذهن، وحصول العلم، ويقولون للمسكين: هي سبب الغناء وغيرها من المرام.

فالحاصل: أن لهم أقوالاً وأفعالاً أخرى كثيرة لايعدّ في حسابنا، والحال هذا أكثرهم جهالاً وفي البعض فسق ظاهر.

مستفتی: دفتر جمعیۃ علماء اسلام، ضلع، ژوب

جواب: كل ما جاء في السؤال وعن بيان حال هؤلاء الجهال لا أصل له في الشرع، كل ذلك ضلالٌ وجهلٌ، لايلتفت إلى أقوال هؤلاء وحيث إنها تخالف الشريعة، ولم تنتهز فرصة لتفصيل الرّد، وربما يقوم له من العلماء غيري. والله الموفق!

كتبه: محمد يوسف البنوري عفا الله عنه

(يوم الثلاثاء، ٥/ ربيع الآخر/ ١٣٩٦هـ)

المدرسة العربية الإسلامية

باب البدعات والرسوم

محفلِ میلاد النبی ﷺ منعقد کرنے کا حکم

سوال: ماہ ربیع الاول میں مخصوص طور پر میلاد النبی یا وعظ کے نام پر اہتمام کے ساتھ جو مجلسیں کی جاتی ہیں، اور ان میں پیدائش اور سیرتِ رسول ﷺ کا حال بیان کیا جاتا ہے، ایسی مجالس کا انعقاد اور ان میں شرکت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

جواب: اگر ان مجالس میں صحیح روایات کو پیشِ نظر رکھ کر سیرت رسول ﷺ بیان کی جائے تو ان کا انعقاد بھی درست ہے،[1] اور اس میں شرکت بھی جائز ہے،[2] ورنہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

جواب صحیح ہے — احقر ولی حسن عفي عنہ [ربیع الثانی ۱۳۷۷ھ]

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ — مدرسہ عربیہ اسلامیہ، جامع مسجد نیو ٹاؤن کراچی/۵

---

(1) ذکر ولادت شریف نبوی ﷺ مثل دیگر اذکار خیر کے ثواب اور افضل ہے، اگر بدعات اور قبائح سے خالی ہو، اس سے بہتر کیا ہے، قال الشاعر: وذكرك للمشتاق خير شراب وكل شراب دونه كسراب

(امداد الفتاوی، کتاب البدعات، تحت عنوان: محفل مولود شریف، (249/5) ط: مکتبہ دار العلوم کراچی)۔

* فتاویٰ رشیدیہ، کتاب البدعات، مجلس میلاد کی ابتداء، (ص: 287) ط: مؤتمر المصنفین دار العلوم حقانیہ پشاور۔

* مجموعۃ الفتاویٰ (اردو) کتاب الحظر والاباحۃ، ربیع الاوّل یا کسی اور مہینہ میں میلاد شریف کی محفل منعقد کرنا درست ہے یا نہیں؟، (282/2) ط: سعید۔

(۲) لابأس للجلوس للوعظ إذا أراد به وجه الله تعالى، كذا في الوجيز للكردري. (الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية، الباب الرابع في الصلاة والتسبيح وقراءة القرآن والذكر... إلخ، (٥/ ٣١٩) ط: حقانيه پشاور).

=

مروجہ عید میلادالنبی ﷺ منانے کا حکم

سوال: سوال اصل میں موجود نہیں ہے۔[1]

جواب: نبی کریم ﷺ کی سیرت وحالاتِ زندگی کو بیان کرنا اور مسلمانوں کو سیرت سے مطلع کرنا دینِ اسلام کا ایک مذہبی فریضہ ہے، اس میں مسلمانوں کی فلاح وبہبودی منحصر ہے، نبی کریم ﷺ کی ولادت بہت سرور اور خوشی کا باعث ہے، تو اگر کوئی ولادت کی خوشی کرے، محفل منعقد کرے، اور بطرزِ وعظ آپ کی ولادت وغیرہ حیاتِ زندگی بغیر رسوم کے بیان کرے تو یہ نہ صرف جائز، بلکہ موجبِ اجر وثواب ہے۔[2]

البتہ آج کل عام طور سے محفلِ میلاد میں بہت سے خلافِ شریعت امور کا ارتکاب کیا جاتا

---

(1) اصل میں یوں ہی ہے۔

(2) مجلس مولود خیر وبرکت ہے درصورتیکہ ان قیودات مذکورہ سے خالی ہو فقط بلاقید وقت معین وبلاقیام وبغیر روایت موضوع مجلس خیر وبرکت ہے، صورت موجودہ جو مروج ہے بالکل خلاف شرع ہے اور بدعت ضلالہ ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ، کتاب البدعات، مجلس میلاد کی ابتداء، (ص:۲۸۷) ط: مؤتمر المصنفین، دارالعلوم حقانیہ پشاور)۔

* پس اگر ولادت یا معجزہ یا غزوات وغیرہ کا ذکر بطرزِ وعظ ودرس بے تداعی مردم وبغیر صورتِ محفل کیا جائے تو ہزاروں برکتوں کا باعث ہوگا. (مجموعۃ الفتاویٰ (اردو) کتاب الحظر والاباحۃ، ربیع الاوّل یا کسی اور مہینہ میں میلاد شریف کی محفل منعقد کرنا درست ہے یا نہیں (۲/ ۲۸۲) ط: سعید)۔

* حاشا أن يقول أحد من المسلمين فضلاً أن نقول نحن إن ذكر ولادته الشريفة عليه الصلاة والسلام بل وذكر غبار نعاله وبول حماره صلى الله عليه وسلم مستقبح من البدعات السيئة المحرمة، فالأحوال الّتي لها أدنٰى تعلق برسول الله صلى الله عليه وسلم ذكرها من أحب المندوبات وأعلىٰ المستحبات عندنا سواء كان ذكر ولادته الشريفة. (فتاوىٰ مظاهر العلوم (فتاوىٰ خليليه) مولانا خليل أحمد سهارنپوری، المهند على المفنّد، الجواب عن السؤال الواحد والعشرون، (ص: ٤٣٦) ط: مكتبة الشيخ كراچی).

=

ہے،[1] مثلاً: یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ آپ محفل میں تشریف لاتے ہیں، آپ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا ناجائز، بلکہ کفر ہے،[2] اسی طرح معین و مقرر تاریخ پر میلاد کرنے کو ضروری خیال کیا جاتا ہے، حالاں کہ

(١) بقي النظر في هذه الموالد التي تقام في هذه الأزمان، ولاشبهة أنها لاتخلو عن المحرمات والمكروهات، وقدأصبحت مواقع الفسوق والفجور وأسواقاً تباع فيها الأعراض وتنتهك محارم الله تعالى وتعطّل فيها بيوت العبادة، فلاريبة في حرمتها والمصلحة المقصود منها لاتبيح هذه المحظورات التي فيها. (الإبداع في مضارّ الإبتداع، الباب الثاني في البدعة من جهة فروعها...، الفصل الرابع في بدع الموالد، أوجه القائلين بالجواز وإن الموالد بدعة حسنة، ردّ تلك الأوجه، (ص:١٢٩) ط: المكتبة العلمية بالمدينة المنورة)

* ومن جملة ما أحدثوه من البدعة مع اعتقادهم أنّ ذلك أكبر العبادات وإظهار الشريعة ما يفعلونه في شهر ربيع الأوّل من المولد وقد احتوٰى ذلك على بدع و محرمات ... إلخ . (المدخل لابن الحاج ، فصل في مولد النّبي صلى الله عليه وسلم ، وما فيه من البدع والمنكرات اليوم ، (٢/ ٣) ط: مطبعة مصطفى الباب الحلبي بمصر)

* ومنها وضع الحدود والتزام الكيفيات في أوقات معينة لم يوجد لها ذلك التعين في الشريعة. (الاعتصام لأبي إسحاق الشاطبي ، الباب الأوّل في تعريف البدع ، (١/ ٣٩) ط: دار الفكر بيروت).

(٢) اعتقاد این که کسے غیر حق سبحانه حاضروناظر وعالم خفی وجلی درهروقت وهرآن است اعتقاد شرك است،... وقال علماءنا: من قال: إن أرواح المشايخ حاضرة تعلم يكفر، انتهى. (مجموعة الفتاوى على هامش خلاصة الفتاوى، كتاب الكراهية، (٤...٣٣١) ط: مكتبه رشيديه).

* سئل القاضي عن مجلس المولد الشريف ، قال : لاينعقد ؛ لأنّه محدث وكل محدث ضلالة ... ويقومون عند ذكر مولده صلى الله عليه وسلم ويزعمون أنّه روحه صلى الله عليه وسلم يجيئ وحاضر فزعمهم باطل بل هٰذا الاعتقاد شرك و قد منع الأئمة عن مثل هٰذا انتهٰى. (فتاوىٰ رشيديه، كتاب البدعات ، تحت عنوان: مجلس ميلاد كا حكم ، (١/ ٢٩٦) ط: مؤتمر المصنفين، دار العلوم حقانيه).

* سادساً: وقت ذکر ولادت کے کھڑے ہوتے ہیں پھر، اس میں بعض کا عقیدہ تو یہ ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ اس وقت تشریف رکھتے ہیں، یہ تو بالکل شرک ہے، اگر علم یا قدرت بالذات کا عقیدہ ہو، ورنہ کذب وافتراء علی اللہ والرسول ہے۔ (امداد الفتاویٰ، کتاب البدعات، تحت عنوان: محفل مولود شریف، (٥/ ٢٥٠) ط: مکتبہ دار العلوم کراچی)۔

=

شریعت نے جب تعیین نہیں کی تو اپنی طرف سے شریعت میں زیادتی کرنا ناجائز ہے،[1] ضرورت سے زیادہ روشنی کا انتظام کیا جاتا ہے، جو بے جا اسراف ہے، اور اسراف ناجائز ہے۔[2]

بہر حال اگر اس قسم کے مفسدات اور خلافِ شرع امور سے احتراز کرتے ہوئے محفلِ میلاد منعقد کی جائے تو موجبِ برکت واجر ہے۔[3]

---

(۱) عن عائشة قالت: قال النبي صلى الله عليه وسلم: من أحدث في أمرنا هذا ماليس منه فهو ردٌّ. (صحيح البخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فهو مردود، (۱/ ۳۷۱) ط: قديمى كراچى).

* مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الأوّل، (ص:۲۷) ط: قديمى كراچى.

* ومنها وضع الحدود والتزام الكيفيات في أوقات معينة لم يوجد لها ذلك التعين في الشريعة . (الاعتصام للشاطبي، الباب الأوّل في تعريف البدع ، (۱/ ۳۹) ط: دار الفكر بيروت)

(۲) قال تعالى: ﴿وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ﴾ [الأعراف:۳۱]

* ﴿إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ﴾ [الإسراء:۲۷]

* وقال العلاَّمة الآلوسي تحت قوله تعالىٰ : ﴿ ولا تسرفوا ...﴾ وقال الزهري: المعنى لاتنفقوا في معصية الله تعالىٰ ويروى نحوه عن مجاهد ، فقد أخرج ابن أبي حاتم عنه أنّه قال: لو كان أبوقبيس ذهبًا فأنفقه رجل في طاعة الله تعالىٰ لم يكن مسرفًا ولو أنفق درهمًا في معصية الله كان مسرفًا. (روح المعاني ، سورة الأنعام ، (۸/ ۳۸) ط: دار إحياء التراث العربي بيروت).

(۳) الموالد والأذكار التي تفعل عندنا أكثرها مشتمل على خير، كصدقة وذكر وصلاة وسلام على رسول الله ﷺ ومدحه، وعلى شرّ بل شرور لولم يكن منها إلا رؤية النساء للرجال الأجانب، وبعضها ماليس فيها شرّ لكنه قليل نادر، ولاشك أن القسم الأول ممنوع للقاعدة المشهورة المقررة "أن درء المفاسد مقدم على جلب المصالح" فمن علم وقوع شيء من الشرّ فيما يفعله من ذلك فهو عاص آثم، وبفرض أنه عمل في ذلك خيراً فربما خيره لايساوي شرّه،... والقسم الثاني سنة تشمله الأحاديث الواردة في الأذكار المخصوصة والعامة كقوله صلى الله عليه وسلم: لايقعد قوم يذكرون الله تعالى إلاحفتهم الملائكة، وغشيتهم الرحمة ونزلت عليهم

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح	الجواب صحیح	الجواب صواب	کتبہ
ولی حسن	محمد یوسف بنوری	عبدالسلام غفرلہ	بندہ احمد الرحمن غفرلہ

(۱۳۹۲/۳/۱۶ھ)

خادم دارالافتاء مدرسہ نیوٹاؤن

جمعہ کے دن مروجہ صلاۃ وسلام پڑھنے کا حکم

سوال: کیافرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں:

آج کل عموماً مساجد میں بعد صلاۃ جمعہ وغیرہ ذلک اوقات میں صلاۃ وسلام پڑھنے کا رواج بنا رکھا ہے، آیا اس کا ثبوت کتاب اللہ یا حدیثِ رسول اللہ ﷺ یا خیر القرون سے ہے؟ علاوہ ازیں تارکین کو موردِ اعتراض بنایا جاتا ہے؟ **بیّنوا توجروا!** فقط والسلام

مستفتی: حاجی معشوق الٰہی، مسجد قدسیہ ناظم آباد، کراچی (۱۵/۱۲/۱۹۶۰م)

جواب: خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے احسانات اس امت مرحومہ پر بے حد وحساب ہیں، آپ ﷺ نے کفر وشرک کی نجاست سے پاک کیا، اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا صحیح راستہ امت کو تلقین کیا، انسان کی فلاح وکامیابی کا نسخہ کیمیا بلا کم وکاست اس تک پہنچایا، ہدایت وضلالت کا فرق واضح

السكينة وذكرهم الله تعالى فيمن عنده. رواه مسلم. (الفتاوى الحديثية، مطلب: الاجتماع للموالد والأذكار وصلاة التراويح ...، (ص: ۲۰۲) ط: میر محمد کتب خانه کراچی).

* امداد الفتاویٰ، کتاب البدعات، تحت عنوان: محفل مولود شریف، (۵/ ۲۴۹) ط: مکتبہ دارالعلوم کراچی۔
* **المهند على المفند** (مترجم اردو) سوال-۲۱: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریفہ کے ذکر کا محبوب ومستحب ہونا، (ص: ۶۶) ط: کتب خانہ مجیدیہ ملتان۔

کیا، ایک ایسا ابدی نظامِ حیات عطا فرمایا جس پر چل کر امت دنیا کی کامیابی اور آخرت کی فلاح وکامرانی حاصل کر سکتی ہے، وغیر ذلک۔

ایسے محسن کے احسانات کا بدلہ نہ دینا بہت بڑی ناشکری اور ناسپاسی تھی، لیکن امت کس طرح بدلہ دے سکتی تھی؟ اور کس طرح اس سے عہدہ برآ ہو سکتی تھی؟ ان حالات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے درود وسلام اپنے نبی پر بھیجنے کا حکم فرمایا، درود شریف حقیقت میں نبی ﷺ کے احسانات عظیمہ کا اقرار اور آپ کی ذات اقدس سے اپنے تعلق کا اظہار اور آپ کے احسانات کا بدلہ دینے کا اعتراف ہے، اسی لیے قرآن کریم میں اس کا حکم دیا گیا،[1] احادیث نبویہ میں اس کے فضائل و برکات بیان کیے گئے،[2] اور درود نہ بھیجنے والوں کی مذمت بیان کی گئی،[3] احادیث اس باب میں کثیر ہیں، فقہاءِ امت نے اس کے مستقل

---

(١) ﴿إِنَّ اللهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ [الأحزاب:٥٦].

(٢) وعن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: من صلى علي واحدة صلى الله عليه عشراً، رواه مسلم. (مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب الصلاة على النبي ﷺ وفضلها، الفصل الأول، (ص:٨٦) ط: قديمى كتب خانه كراچى).

* عن عبدالله بن مسعود أن رسول الله ﷺ قال: أولى الناس بي يوم القيامة أكثرهم علي صلاة. (جامع الترمذي، أبواب الوتر، باب ماجاء في فضل الصلاة على النبي ﷺ، (١/ ١١٠) ط: قديمى كتب خانه كراچى).

* عن أنس بن مالك قال: قال رسول الله ﷺ: من صلى علي صلاة واحدة صلى الله عليه عشر صلوات، وحطت عنه عشر خطيئات ورفعت له عشر درجات. (سنن النسائي، كتاب السهو، باب الفضل في الصلاة على النبي ﷺ، (١/ ١٩١) ط: قديمى كتب خانه كراچى).

(٣) عن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ: من نسي الصلاة عليّ خطئ طريق الجنة. (سنن ابن ماجه، كتاب الصلاة، أبواب إقامة الصلاة والسنة فيها، الصلاة على النبي ﷺ، (ص:٦٥) ط: قديمى كتب خانه كراچى).

* السنن الكبرٰى للبيهقي، باب الصلاة على رسول الله ﷺ، (٢٨٦/٩) ط: مجلس دائرة المعارف حيدر آباد هند.

* شعب الإيمان للبيهقي، تعظيم النبي ﷺ، (١٣٥/٣) ط: مكتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض.

احکام بیان کیے۔

فقہاء کی تصریح ہے کہ جب بھی آپ ﷺ کا نام نامی زبان پر آئے درود شریف پڑھنا واجب ہے۔

"قال الطحاوي: تجب كلما ذكر، ... وجعل في التحفة قول الطحاوي أصحّ، وهو المختار."(۱)

"والمعتمد من المذهب قول الطحاوي،كذا ذكره الباقاني".(۲)

اس کے علاوہ عمر میں ایک مرتبہ پڑھنا فرض ہے، نماز میں سنت اور عام اوقات میں بشرطیکہ کوئی مانع نہ ہو، مستحب ہے۔(3)

الغرض درود شریف پڑھنا بڑی نیکی کا کام اور بہت فضیلت اور برکت کی چیز ہے۔

البتہ کوئی عمل اللہ تعالیٰ کے یہاں اسی وقت قبول ہوگا جب کہ اس کو اس طریقہ پر انجام دیا جائے جو طریقہ جناب رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام اور ائمہ مجتہدین سے ثابت ہو، اگر اس طریقہ

---

(۱) غنية المستملي شرح منية المصلي، المعروف بـ "حلبي كبير"، صفة الصلاة، (ص:۳۳٤) ط:سهيل اكيدمى لاهور.

(۲) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، (۱/ ۵۱۷) ط: سعيد.

(۳) ثم قال: فتكون فرضاً في العمر ... وسنة في الصلاة ومستحبة في كل أوقات الإمكان. وفي ردالمحتار: حيث لامانع. (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، (۱/ ۵۱۸) ط:سعيد).

* بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: وأما سننها فكثيرة (۱/ ۲۱۳) ط: سعيد.
* حاشية الطحطاوي علي مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان سننها (۱/ ۳٦۹) ط: مكتبه غوثية كراچى.
* أنّ الصلاة تكون فرضًا و واجبًا وسنة و مستحبة ومكروهة فالأول في العمر مرة والثاني كلما ذكر على الصحيح والثالث في الصلاة والرابع في جميع أوقات الإمكان والخامس في الصلاة في غير التشهد في القعود الأخير. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، فصل: وإذا أراد الدخول في الصلاة كبر... إلخ، (۱/ ۳۲۸) ط: سعيد).

=

سے تجاوز کیا گیا اور خود ساختہ طریقے ایجاد کیے گئے، اسی طرح اعمال کے درجات ایجاد کے طور پر مرتب کیے گئے تو بجائے اجر وثواب کے حبط اعمال وگناہ کا اندیشہ ہے۔[1]

دیکھیے! نماز جس قدر اہم عبادت ہے، جس کی فرضیت دین کا ایک رکن ہے، اگر ایک شخص نماز کو ان اوقات میں پڑھے جن کی ممانعت حدیث میں بیان کی گئی، یا بجائے پانچ نمازوں کے چھ نماز قرار دے تو ایسے شخص کو کیا کہا جائے گا!

اتباعِ سنت اعمالِ حسنہ کی روح ہے، اسی لیے صحابہ کرام کے نزدیک اتباعِ سنت سب سے زیادہ محبوب چیز تھی، اور اس میں تھوڑی سی تبدیلی کو یہ حضرات بڑی معصیت شمار کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

''تم میں سے کوئی شخص اپنی نماز میں شیطان کا حصہ نہ رکھے، یہ امر ضروری نہ سمجھے کہ امام کے لیے سلام کے بعد داہنی طرف بیٹھنا ضروری ہے، میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو بائیں طرف بیٹھتے ہوئے بھی دیکھا ہے۔''

حدیث اس طرح ہے:

"عن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: لايجعلنّ أحدكم

---

(١) وخرّج ابن وهب عن سفيان أنه كان يقول: لايستقيم قولٌ إلا بعمل ولاقول وعمل إلا بنية ولاقول ولاعمل ولانية إلا موافقاً للسنة. (الاعتصام للشاطبي، الباب الثاني في ذم البدع وسوء منقلب أهلها، فصل: الوجه الثاني من النقل، (١/ ٥٨) ط: المكتبة التجارية الكبرى، مصر).

* أنّ البدعة المذمومة هو المحدث في الدين من غير أن يكون في عهد الصحابة والتابعين ولا دل عليه الدليل الشرعي. (شرح المقاصد في علم الكلام، الباب: بسم الله الرحمٰن الرحيم، (٢٧١/٢) (ط: دار المعرف النعمانية).

* عن حذيفة رضي الله عنه قال: قال رسول الله عليه وسلم: لايقبل الله لصاحب بدعة صومًا ولا صلاة ولا صدقة ولاحجا ولا عمرة ولاجهادًا ولاصرفًا ولاعدلاً يخرج من الإسلام كما تخرج الشعرة من العجين. (سنن ابن ماجه، باب اجتناب البدع والجدل، (ص: ٦) ط: قديمی كتب خانه كراچی).

=

للشيطان شيئاً من صلاته يرى حقاً عليه ... "الخ[1]

اس کے ذیل میں علامہ طیبی شارح "مشکاۃ المصابیح" لکھتے ہیں:

"وفيه أن من أصرّ على أمر مندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصرّ على بدعة أو منكر."[2]

اس کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص کسی امر مستحب کو ضروری سمجھے، اور رخصت پر عمل نہ کرے تو وہ شخص گمراہ ہے، جب کسی امر مستحب کو ضروری سمجھنے کا حکم یہ ہے تو اندازہ لگاؤ کہ کسی بدعت یا منکر کو ضروری سمجھنے والے کا کیا حال ہوگا!

فقہاء کی تصریح ہے کہ اگر کوئی حکم سنت اور بدعت کے درمیان متردد ہو تو ترکِ سنت راجح ہوگا فعلِ بدعت کے مقابلہ میں۔

في الدر المختار: في باب مكروهات الصلاة: "(وقلب الحصا) للنهي (إلا

---

(١) مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، الفصل الأول، (ص:٨٧) ط: قديمى كراچى.

* صحيح البخاري ، كتاب الأذان ، باب الانفتال والانصراف عن اليمين والشمال ، (١١٨/١) ط: قديمى كتب خانه كراچى.
* الصحيح لمسلم ، كتاب صلاة المسافرين وقصرها ، باب جواز الانصراف من الصلاة عن اليمين والشمال ، (١/ ٢٤٧) ط: قديمى كراچى.

(٢) شرح الطيبي على مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، الفصل الأول، (٢/ ٣٤٧) ط: إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچى.

* مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، الفصل الأول، (٣/ ٣١) ط: مكتبه رشيديه.
* واستنبط منه أنّ المندوب ربما انقلب مكروها إذا خيف أن يرفع عن رتبته. (مجمع بحار الأنوار ، باب الصاد مع الراء، (٢/ ٣١٨) ط: مكتبه دار الإيمان المدينة المنوّرة ١٤١٥هـ).

=

لسجوده) التام، فيرخص (مرّةً) وتركها أولىٰ." قال الشامي تحت (قوله: وتركه أولى) "لأنه اذا تردّد الحكم بين سنة وبدعة كان ترك السنة راجحاً على فعل البدعة."[1]

فقہاء کرام نے اس امر پر بار بار تنبیہ کی ہے کہ عوام کسی غیر فرض کو فرض نہ بنالیں۔

قال في الفتح: "وقيده في التحفة بكونه على وجه لايعلم العوام ذلك كي لايعتادوا صومه، فيظنّ الجهال زيادة على رمضان."[2]

واضح رہے کہ کسی غیر فرض کو فرض سمجھنا اور اس کے نہ کرنے والے پر نکیر واعتراض کرنا بدعت ہے اور بدعت کرنا اسلام میں بدترین معصیت ہے۔[3] **أعاذنا الله منها!**

---

(١) الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، مطلب: إذا تردد الحكم بين سنة وبدعة، (١/ ٦٤٢) ط: سعيد.

* بدائع الصنائع ، كتاب الصلاة، فصل وأما سننها كثيرة (١/ ٢٠٨) ط: سعيد.
* البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها (٢/ ٢٠) ط: سعيد.

(٢) الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصوم، مبحث في يوم الشك (٢/ ٣٨٣) ط: سعيد.

* البحر الرائق، كتاب الصوم (٢/ ٢٦٥) ط: سعيد.
* تحفة الفقهاء لعلاء الدين السمرقندى، كتاب الصوم (١/ ٣٤٣) ط: دار الكتب العلمية بيروت.
* ترك السنة أولي من فعل البدعة (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان محل سجود السهو (١/ ١٧٤) ط: سعيد).

(٣) وإذا ثبت في الأمور الشرعية أنها قد تعد بدعاً بالإضافة ... ثم إذا اعتقد فيها ثانياً السنية أو الفرضية صارت بدعة من ثلاثة أوجه، ومثله يلزم في كل بدعة أظهرت والتزمت. (الاعتصام للشاطبي، الباب الخامس في أحكام البدع الحقيقية، فصل في تمام ماقبله (١/ ٢٩١) ط: المكتبة التجارية الكبرى، مصر).

* (من وقر) عظم (صاحب بدعة) في الدين (فقد أعان على هدم الإسلام) لأن البدعة تميت السنة، وإماتة السنة هدم للدين. (التنوير شرح الجامع الصغير، حرف الميم، من مع التاء المثناة (١٠/ ٤٢٣) ط: مكتبة دار السلام رياض).

=

جمعہ کی نماز کے بعد اس طرح صلاۃ وسلام پڑھنا جس کا آج کل بعض مساجد میں رواج ہے، صحابہ کرام اور تابعین اور ائمہ مجتہدین سے ثابت نہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک جماعت کو دیکھا کہ وہ مسجد میں بلند آواز سے درود پڑھ رہے ہیں، آپ نے ان کو مسجد سے نکال دیا اور فرمایا: ''میں تم کو بدعتی سمجھتا ہوں۔''

حدیث اس طرح ہے:

"عن ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه: أنه أخرج جماعة من المسجد يهلّلون ويصلّون على النبيّ ﷺ جهراً، وقال لهم: ما أراكم الّا مبتدعين."[1]

وأخرج الدارمي في مسنده، ١/ ٣٨.[2]

---

* من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد أي مردود بمعنى باطل غير معتد به، قال النووي: هذا الحديث قاعدة عظيمة من قواعد الإسلام، وهو من جوامع كلمه صلى الله عليه وسلم فإنه صريح في رد البدع والمخترعات. (الديباج على مسلم، كتاب الأقضية (٤/ ٣٢١) ط: دار ابن عفان، سعودية).

* قال الحافظ بن عبد البر: كل من أحدث في الدين فهو من المطرودين عن الحوض كالخوارج والروافض و سائر أصحاب الهوٰى. (تحفة الأحوذي، كتاب الفتن، أبواب صفة القيامة، باب ما جاء في شأن الحشر ، (٧/ ٩٣) ط: دار الكتب العلمية بيروت).

(١) رد المحتار على الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع (٦/ ٣٩٨) ط: سعيد.

* المحيط البرهاني، كتاب الاستحسان والكراهية، الفصل الرابع في الصلاة والتسبيح وقراءة القرآن... إلخ (٥/ ١٤٣) ط: دار إحياء التراث العربي بيروت.

* الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ الهندية ، كتاب الكراهية ، الفصل التاسع في المتفرقات ، (٦/ ٣٧٨) ط حقانيه پشاور.

* المنهل العذر المورود شرح سنن أبي داود ، باب في كراهية إنشاد الضالة في المسجد الكلام في منع الصبي من دخول المسجد ، (٤/ ٨٩) ط: مطبعة الاستقامة القاهرة مصر .

(2) ملاحظہ: تلاش بسیار کے باوجود مسند دارمی میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مذکورہ فعل کا حوالہ نہیں ملا، بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ مفتی ولی حسن ٹونکیؒ نے مسند دارمی کے حوالے سے مذکورہ مسائل کے متعلق کوئی اور روایت نقل کی ہے جو کاتب یعنی نقل کرنے والے سے رہ گئی ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

احقر ولی حسن

خادم دارالافتاء،

مدرسہ عربیہ اسلامیہ، نیوٹاؤن، کراچی/۵

الجواب صواب

محمد یوسف بنوری عفااللہ عنہ

مروجہ حیلۂ اسقاط کا حکم اور حیلۂ اسقاط کی جائز صورت

سوال: مفتیانِ کرام وعلمائے ملت: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

ہمارے ہاں رواج ہے کہ جنازہ اٹھادینے کے بعد بشکلِ دائرہ قرآن پھرایا جاتا ہے، اس کو اسقاط کہتے ہیں۔ برائے کرم ارشاد فرمایا جائے کہ یہ طریقہ شریعت سے ثابت ہے؟ اس کی کیا دلیل ہے؟ اگر ثابت نہیں ہے، تو برائے کرم دلائل سے تردید فرمائی جائے کہ سب کو اطمینان ہو جائے۔ فقط والسلام!

مستفتی: حسین احمد

جواب: میت سے اگر نماز روزے وغیرہ اتفاقاً فوت ہوگئے ہوں، اور ان کی قضا کا موقع نہ ہو، اور موت کے وقت وصیت کی، لیکن اس کے ترکہ میں اتنا مال نہیں کہ جس سے تمام فوت شدہ نمازوں کا فدیہ ادا کیا جاسکے، تو ان کے اسقاط کے سلسلے میں فقہاء نے ایک حیلہ تجویز فرمایا ہے، وہ یہ کہ میت کے ذمہ جتنے نماز روزے رہ گئے ہیں، ان کے بقدر فی نماز اور فی روزہ پونے دو سیر گندم کے حساب سے اس کی قیمت علیٰحدہ کرلی جائے، اور کسی فقیر کو اس کا مالک بنادیا جائے، فقیر اسے قبضہ کرے، اور سمجھ لے کہ میں اس کا مالک ہوگیا ہوں، پھر وہ اپنے اختیار سے وصی یا وارث کو ہبہ کردے، پھر وہ وصی یا وارث وہ رقم دوسرے فقیر کو دے، اس طرح تمام فقراء جو اس وقت موجود ہوں، سب کو دیا جائے، اور وہ وصی کو ہبہ کرتے رہیں، یہاں تک کہ تمام روزے اور نمازیں اور قربانی کا حساب مکمل ہو جائے، اس کے بعد بہتر ہے کہ وہ رقم فقراء میں تقسیم کردی جاوے۔

صورت مذکورہ میں ان شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے اگر یہ حیلہ کیا جائے تو بلاشک وشبہ جائز ودرست ہے۔ چناں چہ علامہ شامی اپنے رسالہ "**منّة الجليل لبيان إسقاط ماعلى الذمة من كثير وقليل**" میں لکھتے ہیں:

"(وممّا تعارفه الناس) ونصّ عليه أهل المذهب أن الواجب إذا كثر أداروا صرّة مشتملة على نقود أو غيرها كجواهر أوحلي أوساعة، وبنوا الأمر على اعتبار القيمة. ولإدارة الصرة طرائق، أحسنها أن يعطي الوصي الصرّة إلى الفقير على أنها فدية عن صلاة يقدرها ويقول له: خذ هذه الصرّة عن فدية صلاة سنة أو عشر سنين مثلاً عن فلان... ويقبلها الفقير ويقبضها ويعلم أنها صارت ملكاً له، ويقول الفقير هكذا وأنا قبلتها، وتملكتها منك، ثمّ يعطيها الفقير إلى الوصي بطريق الهبة... حتى يستوعب الفقراء ويستوعب قدر ما على الميت من الصلوات، ثم يفعل كذلك عن الصوم وعن جميع ماذكرنا من الصيام والأضحية، ثمّ بعد تمام ذلك كله ينبغي أن يتصدق على الفقراء بشيءٍ من ذلك المال أوبما أوصى به الميت..."الخ[1]

لیکن عام طور پر اسقاط کے سلسلے میں جو حیلہ مروجہ ہے، وہ بیشتر مفاسد پر مشتمل ہے۔ مثلاً:

۱- اس میں غنی اور فقیر کا امتیاز نہیں رکھا جاتا، یعنی اگر غنی فوت ہو جائے اور اس کے ترکہ

(۱) مجموعة رسائل ابن عابدين، الرسالة الثامنة: منّة الجليل لبيان إسقاط ما على الذمة من كثير وقليل، (ص۲/ ۲۱۲) ط: سهيل أكيدمى لاهور.

* حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض، فصل في إسقاط الصلاة والصوم (۲/ ۳۱، ۳۲) ط: المكتبة الغوثية كراچی.

* تبيين الحقائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض (۲/ ۱۹٤) ط: سعيد.

=

میں اتنامال بھی ہو کہ جس سے فدیہ ادا کیا جاسکے، اس کے لیے بھی یہی صورت اختیار کی جاتی ہے، حالاں کہ اس کا جواز صرف فقیر کے لیے ہے۔[1]

۲ – مروجہ صورت میں قرآن مجید کا پھرانا کہیں ثابت نہیں، یہ طریقہ قرآن کریم کی تکریم اور اس کی حرمت کے خلاف ہے۔

۳ – بہت سے مواقع میں جو مال رکھا جاتا ہے، وہ اکثر میت کے متروکہ مال میں سے ہوتا ہے، جس کے حق دار وارث بعض موجود نہیں ہوتے، یا نابالغ ہوتے ہیں، تو ان کے مشترکہ سرمائے کو بغیر ان کی اجازت کے استعمال کرنا حرام ہے، حدیث میں ہے:

"لایحلّ مال امرئ مسلمٍ إلّا بطیب نفسٍ منه."[2]

---

(۱) إذا مات الرجل وعليه صلوات فائتة وأوصى بأن يعطى كفارة صلاته ... وإن لم يترك مالاً تستقرض ورثته نصف صاع ويدفع إلى المسكين ثم يتصدق المسكين على بعض ورثته ثم يتصدق ثم وثم حتى يتم لكل صلاة ماذكرنا. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، قبيل: باب سجود السهو (۲/ ۹۰، ۹۱) ط: سعيد).

* ولو لم يترك مالا يستقرض وارثه نصف صاع مثلاً ويدفعه لفقير ثم يدفعه الفقير للوارث ثم وثم حتى يتم. وفي ردالمحتار: (قوله: ولو لم يترك مالاً إلخ) أي أصلاً: أو كان ما أوصى به لايفي. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، مطلب في إسقاط الصلاة عن الميت (۲/ ۷۳) ط: سعيد).

* الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الحادى عشر في قضاء الفوائت (۱/ ۱۲۵) ط: مكتبه حقانيه پشاور.

(۲) وعن أبي حرة الرقاشي عن عمه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألا لاتظلموا! ألا لايحلّ مال امرئ إلا بطيب نفسٍ منه. رواه البيهقي في شعب الإيمان والدارقطني في المجتبى. (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، (ص:۲۵۵) ط: قديمى كراچى).

* شعب الإيمان للبيهقي، باب في قبض اليد على الأموال المحرمة ، (٤/ ٣٨٧) ط: دار الكتب العلمية بيروت.

=

اور نابالغ اگر اجازت بھی دے دے تو وہ بھی شرعاً معتبر نہیں، اور ولی نابالغ کو ایسے تبرعات میں اس کی طرف سے اجازت دینے کا اختیار نہیں ہے، بلکہ اس کام میں اس کا مال خرچ کرنا حرام ہے:

لقوله تعالیٰ: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا﴾[النساء:١٠]

ترجمہ: جو لوگ یتیموں کا مال ظلماً خرچ کرتے ہیں، وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں۔

٤ – جس فقیر کو مالک بنایا جاتا ہے، محض رسمی طور پر بنایا جاتا ہے، جس کی کھلی علامت یہ ہے کہ اگر لینے والا شخص دوسرے کو نہ دے اور لے کر چل دے تو لوگ اسے ہرگز برداشت نہ کریں، اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں تملیک صحیح نہیں ہوتی، اور بدون تملیک کے کفارہ یا فدیہ معاف نہیں ہوتا۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:

"ويجب الاحتراز من أن يلاحظ الوصي عند دفع الصرّة للفقير الهزل أو الحيلة، بل يجب أن يدفعهاعازماً على تمليكها منه حقيقة لا تحيّلاً ملاحظاً أن الفقير إذا أبى عن هبتها إلى الوصي كان له ذلك، ولايجبر على الهبة..." إلخ[1]

٥– حیلہ میں یہ بھی ضروری ہے کہ جس شخص کو وہ تھیلی دی جائے، وہ مصرف صدقہ وزکاۃ کا ہو، صاحبِ نصاب نہ ہو،[2] لیکن مروجہ صورت میں اس کا بھی لحاظ نہیں رکھا جاتا، عام طور پر ائمۂ مساجد

---

(١) رسائل ابن عابدين، الرسالة الثامنة، منّة الجليل لبيان إسقاط ما على الذمة من كثير و قليل (١/ ٢٢٥) ط: سهيل أكيدمى لاهور.

(٢) (ولو مات وعليه صلوات فائتة وأوصى بالكفارة يعطى لكل صلاة نصف صاع من برّ) كالفطرة... ويدفعه لفقير... إلخ. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، (٢/ ٧٢، ٧٣) ط: سعيد).

* البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، قبيل باب سجود السهو (٢/ ٩٠، ٩١) ط: سعيد.

* الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت (١/ ١٢٥) ط: مكتبه حقانيه پشاور.

=

کے ذریعہ یہ کام انجام پاتا ہے، جو اکثر صاحبِ نصاب ہوتے ہیں۔

٦- صورت مروجہ میں آخری شخص جس کو مالک بنایا جاتا ہے، اس سے لے کر نصف امام کو دیا جاتا ہے، اور نصف فقراء میں تقسیم کیا جاتا ہے، ظاہر ہے کہ یہ ملکِ غیر میں بلا اجازت تصرف ہے، جو کہ حرام ہے۔[1]

٧- اس حیلہ کا التزام کرنا اور تجہیز و تکفین جیسے واجباتِ شرعیہ کی طرح اس کو اعتقاداً ضروری سمجھنا یا عملاً اس کا التزام کرنا إحداث في الدين ہے، جس کو اصطلاحِ شریعت میں "بدعت" کہتے ہیں، جو اپنی معنوی حیثیت سے شریعت میں ترمیم واضافہ ہے۔[2] (نعوذ باللہ)

---

(١) عن أنس بن مالك، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفسه. (سنن الدار قطنى، كتاب البيوع (٣/ ٤٢٤) ط: مؤسسة الرسالة، بيروت).

* السنن الكبرى للبيهقى، كتاب الغضب، باب من غصب لوحًا فادخله فى سفينة أو بني عليه جدارًا (٦/ ١٦٦) ط: دار الكتب العلمية بيروت.

* الأشباه والنظائر لابن نجيم، كتاب الغصب (١/ ٢٨٣) ط: دار الكتب العلمية بيروت.

* لايجوز التصرف في مال غيره بلا إذنه ولا ولايته. (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الغصب (٦/ ٢٠٠) ط: سعيد).

(٢) من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد أي مردود بمعنى باطل غير معتد به، قال النووي: هذا الحديث قاعدة عظيمة من قواعد الإسلام وهو من جوامع كلمه صلى الله عليه وسلم، فإنه صريح في رد البدع والمخترعات. (الديباج على مسلم، كتاب الأقضية (٤/ ٣٢١) ط: دار ابن عفان، سعودية).

* وفيه: أن من أصرّ على أمر مندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصرّ على بدعة أومنكر. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، الفصل الأول (٣/ ٣١) ط: مكتبه رشيديه).

* شرح الطيبى على مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، الفصل الأول (٢/ ٣٤٧) ط: إدارة القرآن والعلوم الاسلامية كراچى.

۸ – نیز اس حیلہ کے التزام سے عوام الناس اور جہلاء میں جرأت حاصل ہو جائے گی، جو سارے دین کی بنیاد منہدم کرنے کے مترادف ہے، لہٰذا ان مفاسد کے پیشِ نظر شرعاً یہ حیلہ جائز اور درست نہیں ہے۔ واللہ اعلم

الجواب صواب	الجواب صحیح	کتبہ
محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ	ولی حسن غفرلہ	محمد شاہد

ایصالِ ثواب کے لیے ختمِ قرآن پر دعوت کا حکم

سوال: اگر کسی میت کو ثواب پہنچانے کی خاطر قرآن خوانی کی جائے اور ختمِ قرآن پاک کے موقع پر مہمانوں کے لیے ضیافت کا اہتمام کیا جائے، تو اس ضیافت کا کیا حکم ہے؟ کیا ایسا کھانا جائز ہے؟ اور اس صورت میں میت کو ثواب پہنچتا ہے؟

جواب: ایصالِ ثواب کے لیے جو ختم ہوتے ہیں، ان کے ساتھ کھانے کی ضیافت کو جمع نہیں کرنا چاہیے، اگر اس کھانے کو باضابطہ یا عادۃً قراءتِ قرآن کا معاوضہ سمجھا جاتا ہو، تو اس صورت میں کھانے اور کھلانے والے دونوں گناہ گار ہوں گے، اور اس طرح پڑھنے سے میت کو ثواب ہی نہیں ملتا۔[1]

---

(۱) قال تاج الشريعة في شرح الهداية: إن القرآن بالأجرة لا يستحق الثواب لا للميت ولا للقاري، وقال العيني في شرح الهداية: ويمنع القاري للدنيا، والآخذ والمعطي آثمان، فالحاصل: أن ما شاع في زماننا من قراءة الأجزاء لا يجوز، لأن فيه الأمر بالقراءة وإعطاء الثواب للآمر، والقراءة لأجل المال، فإن لم يكن للقارئ ثواب لعدم النية الصحيحة فأين يصل الثواب إلى المستاجر! ولولا الأجرة ماقرأ أحد في هذا الزمان بل جعلوا القرآن العظيم مكسباً ووسيلة إلى جمع الدنيا. (رد المحتار على الدر المختار، كتاب الإجارة، مطلب: تحرير مهم في عدم جواز الاستيجار على التلاوة ... إلخ (٦/ ٥٦) ط: سعيد).

=

البتہ جہاں یہ دونوں باتیں نہ ہوں کہ پڑھنے والے کھانے کی غرض سے پڑھے، اور نہ کھلانے والا معاوضہ سمجھ کر کھلائے تو اس صورت میں کھانا اور کھلانا جائز ہے، اور میت کو ثواب بھی پہنچ جائے گا۔[1]

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح	الجواب صواب	کتبہ
ولی حسن محمد یوسف بنوری	عبدالسلام غفرلہ	بندہ احمد الرحمن غفرلہ
		(۱۳۹۲/۳/۱۶ھ)
		خادم دارالافتاء مدرسہ نیوٹاؤن

---

* المنهل العذب المورود شرح سنن أبي داود، باب الصبر عند المصيبة (٨/ ٢٧٣) ط: مطبعة الإستقامة، القاهرة.
* قراءة الفاتحة والإخلاص والكافرون بدعة.(الجنة لأهل السنة، باب ثالث ملقب بـ"جهد المهتدي في إرشاد المعتدي" فاتحة مروجة... (ص: ١٥٥) ط: المكتبة البنورية كراچی).

(١) صرّح علمائنا في باب الحجّ عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أو صوماً أوصدقة أو غيرها. (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب في القراء ة للميت وإهداء ثوابها له، (٢/ ٢٤٣) ط: سعيد).

* قال علماؤنا: الأصل في الحج عن الغير أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره من الأموات والأحياء حجا أو صلاة أو صوما أو صدقة أو غيرها كتلاوة القرآن والأذكار فإذا فعل شيئا من هذا وجعل ثوابه لغيره جاز ويصل إليه عند أهل السنة والجماعة. (عون المعبود، باب في ذكر البصرة (١١/ ٢٨٤) ط: دار الكتب العلمية بيروت).

کتاب العلم

علم کا بیان

قرآن شریف کا ترجمہ بلا متن شائع کرنے کا حکم

سوال: بخدمت گرامی قدر! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

قرآن شریف کا ترجمہ بلا متن ہندوستان کی کسی بھی زبان میں شائع کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا! فقط والسلام

مستفتی: این۔آر۔اسلام، جنرل سیکرٹری انجمن اشاعۃ الحسنات

جواب: بغیر متن قرآن کریم کسی بھی زبان میں شائع کرنا ناجائز ہے،[1] اس میں قوی اندیشہ ہے کہ آگے چل کے اسی ترجمہ کو قرآن سمجھا جانے لگے گا اور یہ خطرناک چیز ہے اور انجیل کے تراجم سے جو چیز پیدا ہو چکی ہے، وہی یہاں بھی پیدا ہو گی۔

کتبہ: محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ (۱۷/ربیع الثانی/۱۳۸۱ھ)

---

(۱) في الفتح عن الكافي: إن اعتاد القراءة بالفارسية أو أراد أن يكتب مصحفا بها يمنع. (رد المحتار على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب في بيان المتواتر والشاذ، (۱/ ٤٨٦) ط: سعيد).

* فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، (۱/ ۲٤۸) ط: رشيديه.
* كتاب التجنيس والمزيد لصاحب الهداية العلامة المرغيناني، كتاب الصلاة، باب القراءة في الصلاة، فصل في القراة في غير الصلاة ومايتعلق بذلك، (۱/ ٤۷۷، ٤۷۸) ط: إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، كراچی الطبعة الأولى ۱٤۲٤هـ.

چند آیات کا صرف ترجمہ بلا متن شائع کرنے کا حکم

سوال: بخدمت گرامی قدر! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

روزنامہ ''دعوت'' دہلی، ''الجمعیۃ'' دہلی اور ''ترجمان القرآن'' لاہور میں بلا متن کئی آیات کا صرف اردو ترجمہ آرہا ہے، کیا ازروئے شرع شریف یہ درست ہے؟ **بیّنوا توجروا!** فقط والسلام

مستفتی: این۔آر۔اسلام، جنرل سیکرٹری انجمن اشاعۃ الحسنات

جواب: اس بنا پر ترجمہ پر اکتفا کرنا کہ قرآنی کلمات وآیات کی بے حرمتی نہ ہو جائے، جائز ہے۔[1]

کتبہ: محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ (۱۳۸۱/۴/۱۷ھ)

غیر مسلم کو بذریعہ قرآن اسلام کا تعارف کرانے کی کیا صورت ہوگی؟

سوال: بخدمت گرامی قدر! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

غیر مسلم کے بذریعہ قرآن اسلام سے آشنا ہونے کی آسان صورت کیا ہے؟ **بیّنوا توجروا!** فقط والسلام

مستفتی: این۔آر۔اسلام، جنرل سیکرٹری انجمن اشاعۃ الحسنات

---

(1) البتہ ایک یا دو آیت سے زیادہ آیت کا ترجمہ ایک ساتھ شائع نہ کریں، جیسا کہ فتاوی شامی میں ہے:

"وتجوز كتابة آية أو آيتين بالفارسية لا أكثر." وفي رد المحتار: "والظاهر أنّ الفارسية غير قيد."(الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب في بيان المتواتر والشاذ، (١/ ٤٨٦) ط: سعيد).

* فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، (١/ ٢٤٨) ط: رشيديه.
* ويجوز كتابة الآية والآيتين بالفارسية، والأكثر منها لا يجوز. (البناية شرح الهداية، كتاب الكراهية، مسائل متفرقة، التعشير و النقط في المصحف (١١/ ٢٦٨) ط: دار الكتب العلمية بيروت).

=

جواب: قرآن کریم کے وہ تراجم جو معتمد اہلِ علم اور اہلِ حق کے ہیں، ان کا مطالعہ کرے اور ان تراجم کا انتخاب اہلِ حق علماء کی رائے سے معلوم کرے۔[1]

کتبہ: محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ

(۱۷/ربیع الثانی/۱۳۸۱ھ)

آیت ﴿وَلَا تَقُولَنَّ لِشَيْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا إِلَّا أَن يَشَاءَ اللهُ﴾ میں أَن يَشَاءَ الله مستقبل قریب ہے یا مستقبل بعید؟

سوال: بخدمت شریف جناب مفتی صاحب مدظلہ العالی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

حضرت خدمت عالیہ میں گزارش یہ ہے کہ مجھے مسئلہ معلوم کرنا ہے، مہربانی فرماکر جواب عطا کرنے سے عین نوازش ہوگی، مسئلہ مندرجہ ذیل ہے:

---

(۱) ووجه الدلالة منه أن النبي صلى الله عليه وسلم كتب إلى الروم،وهم كفار، والكافر جنب،... وقد أجيب ممن منع ذلك... وهم الجمهور... بأنّ الكتاب اشتمل على أشياء غير الآيتين،فأشبه ما لو ذكر بعض القرآن في كتاب في الفقه أوفي التفسير، فإنّه لايمنع قراء ته ولامسّه عند الجمهور، لأنّه لايقصد منه التلاوة ،ونصّ أحمد: أنّه يجوزمثل ذلك في المكاتبة لمصلحة التبليغ. (فتح الباري، كتاب الحيض، باب تقضي الحائض المناسك كلّها إلا الطواف بالبيت، (١/ ٤٠٨) ط: رئاسة إدارات البحوث العلمية والإفتاء والدعوة والإرشاد بالمملكة العربية السعودية).

* عمدة القاري شرح صحيح البخارى، كتاب الحيض، باب تقضي الحائض المناسك كلها إلا الطواف بالبيت (٣/ ٢٨٤) ط: دار إحياء التراث العربي بيروت.
* إعلاء السنن، كتاب الطهارة، باب أنّه لا يمسّ القرآن إلاطاهر، (١/ ٣٧٩) ط:إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچى، ١٤١٨هـ.

=

﴿وَلَا تَقُولَنَّ لِشَيْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا ۔ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ﴾[1] اس میں "أَن يَشَاءَ اللَّهُ" مستقبل بعید اور قریب دونوں کے لیے مستعمل ہے یا نہیں؟ اگر دونوں میں مستعمل ہے اس کے لیے کیا دلیل؟ اور حال کے لیے بھی استعمال ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اگر ہو سکتا ہے تو کیا دلیل؟ اور صرف **غداً** کے لیے جو یہ خواص نہیں اس کے رد میں کیا دلیل؟

الغرض پوری صورتیں خود نکال کے جواب عنایت فرمانے سے ممنون ہوں گا، تکلیف اور گستاخی معاف ہو، نیز دعا کا محتاج ہوں۔ والسلام آپ کا شاگرد: احقر عبد الحیی

جواب: آیت مذکورہ میں "أن يشاء الله" سے مراد مطلق زمانہ مستقبل ہے، جس میں مستقبل قریب اور مستقبل بعید دونوں داخل ہیں، اور اس کی دلیل خود یہ آیت ہے، کیوں کہ آیت میں **غداً** سے مراد مطلقاً زمانہ مستقبل ہے؛ اس لیے کہ "**غداً**" فاعل کے مدلول (مطلق آئندہ زمانہ) کی تاکید ہے، اور ظاہر ہے کہ موکد اور تاکید کے ایک ہی معنی ہوتے ہیں، ورنہ تاکید نہیں ہوگی، پس ثابت ہوا کہ "**غداً**" سے مراد مطلقاً زمانۂ مستقبل ہے اور زمانۂ مستقبل میں جیسا کہ آئندہ کل داخل ہے، اسی طرح آئندہ آدھ گھنٹہ، ایک گھنٹہ، دس منٹ، پانچ منٹ تک داخل ہے۔ چناں چہ روح المعانی ۵/۲۴۷ میں ہے:

"{غداً} أي: في ما يستقبل من الزمان مطلقاً وهو تاكيد لمايدل عليه اسم الفاعل بناءً على أنه حقيقة في الإستقبال."[2]

ایسا ہی تفسیر مظہری[3] اور جلالین شریف[4] میں بھی "**غداً**" سے مراد مطلقاً آئندہ زمانہ لیا گیا ہے، اور

---

(١) الكهف: ٢٢.

(٢) تفسير روح المعاني، [الكهف:٢٣، ٢٤] (٦/ ٢٣٥) ط: دار الكتب العلمية، بيروت.

(٣) والإستثناء استثناء من النهي، أي {لاتقولنّ} لأجل شيءٍ تعزم عليه { إني فاعل ذلك } الشيء في ما يستقبل من الزمان إلّا أن يشاء الله. (التفسير المظهري، [الكهف:٢٣، ٢٤] (٦/ ٢٢٥) ط: بلوچستان بک ڈپو).

(٤) {إني فاعل ذلك غداً} أي: في ما يستقبل من الزمان. (تفسير الجلالين، [الكهف:٢٣، ٢٤] (ص:٢٤٣) ط: الميزان لاهور).

''ان شاء لله'' کہنے کا مقصد اپنے ارادہ کو مشیتِ خداوندی سے تعلیق کرنا ہے، اور تعلیق آئندہ زمانہ پر ہوتی ہے نہ کہ زمانۂ حال پر، کیوں کہ زمانۂ حال پر تعلیق کرنے سے کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوتا ہے۔ **والله أعلم وعلمه أتمّ وأحكم**

الجواب صحیح	کتبہ
محمد یوسف البنوری	اکبر علی اسلام آبادی
	(۱۳۸۲/۷/۲۵ھ)

آیت ﴿إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ...﴾ کو تعجب کے لہجے میں پڑھنے کا حکم

سوال: حضرت مولانا شیخ الحدیث جناب بنوری صاحب مدظلہ! السلام علیکم

عرض یہ ہے کہ ایک کتاب ''اخلاق جلالی'' (جو عرصہ دراز سے منشی فاضل کے نصاب میں داخل ہے) میں لکھا ہے کہ قرآن پاک کی مندرجہ ذیل آیت مبارکہ کسی قدر تعجب کے لہجے میں پڑھنی چاہیے:

﴿إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ... الاية﴾ [الكهف: ۱۱۰]

اگر واقعی تعجب کے انداز میں یہ کہا جائے کہ: میں تم جیسا ایک بشر ہوں تو معنی بالکل برعکس ہو جاتا ہے، اور آج تک ہمارے اکابر جو سمجھاتے رہے ہیں، وہ غلط ہو جاتا ہے۔ براہِ کرم قرآن شریف کے سیاق وسباق اور مزاج سے یہ نقطہ واضح کریں تاکہ عقائد درست ہوں۔ خداوند تعالیٰ آپ کو اجر عظیم عطا فرمائیں۔

مستفتی: سلیم احمد اعجازی، (۳۱/اکتوبر، ۱۹۶۳م)

جواب: گرامی قدر محترم **وفقك الله للخير**، السلام علیکم! نامہ کرم ملا، پہنچا۔ مجھے فرصت نہیں ملی کہ ''اخلاقِ جلالی'' کی مراجعت کرتا کہ اصلی فارسی کی عبارت کیا ہے؟ اور کیسی ہے؟

آیۃ کریمہ ﴿إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ... الآية﴾ [الكهف: ۱۱۰] ہے، قرآن کریم کی تصحیحِ مخارج اور تجویدِ حروف اور طریقِ ادا کے لیے علومِ قراءات کے متعدد علم ہیں، کسی نے یہ نہیں لکھا

کہ یہاں لہجہ تعجب کا ہو۔

بہر حال نصِ قرآن مجید کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ حقیقت واضح وآشکارا ہے، کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں، تمام شبہوں سے بالاتر ہے کہ میں بشر ہی ہوں، لیکن تمہارا جیسا بشر نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ سلسلۂ پیغام جاری ہے، ہدایات آتی رہتی ہیں،[1] اگر تعجب کے معنی یہ ہوں کہ دیکھنے میں فوق العادۃ بشر ہوں، بشر تو ہوں لیکن فوق العادۃ بشر ہوں، اللہ تعالیٰ کی وحی مجھ کو آتی ہے تو شاید درست ہو جائے اور یہی مراد ہو۔

بہر حال کسی مصنف کے کلام سے اللہ تعالیٰ کا کلام بالاتر ہے، لہجے سے حقیقت میں تبدیلی نہیں آسکتی، بلکہ لہجہ حقیقت کے تابع ہونا چاہیے، اور اس حقیقتِ واقعیہ کو اس لہجہ میں ادا کرنا چاہیے، جس سے یہ حقیقت واشگاف ہو جائے۔

بدیہیات وقطعیات کا دائرہ شک وشبہ سے بالاتر ہوتا ہے، بالفرض کسی نے ایسا کچھ لکھا بھی جس سے حقیقت بدلتی ہو، تو اس کے کلام کی تاویل کرنی چاہیے، نہ کہ قرآن کے مطلب میں تحریف کی جائے،[2]

---

(١) وأيضاً فالإجماع على أنهم مكلفون بترك الذنوب مثابون به، ولوكان الذنب ممتنعاً عنهم لماكان كذلك، وأيضاً فقوله: {قل إنما أنا بشر مثلكم يوحى إلي } يدل على مماثلتهم لسائر الناس في ما يرجع إلى البشرية والإمتياز بالوحي لاغير. (المواقف في علم الكلام، المقصد السادس في حقيقة العصمة، (ص:٣٦٦) ط: عالم الكتب، بيروت).

* واعلم أنه تعالى لمّا بيّن كمال كلام الله أمر محمّداً صلى الله عليه وسلم بأن يسلك أمر التواضع فقال: { قل إنما أنا بشر مثلكم يوحى إلي} أي: لا إمتياز بيني وبينكم في شيءٍ من الصفات إلّا أن الله تعالى أوحى إليّ أنه لا إلٰه إلّا الله الواحد الأحد الصمد. (التفسير الكبير للرازي، [الكهف:١١٠]، (٢١/ ١٧٦) ط: إيران).

* اللباب في علوم الكتاب لابن عادل الحنبلي، (١٢/ ٥٧٨، ٥٧٩) ط:دار الكتب العلمية، بيروت.

* تفسير روح المعاني للآلوسي، [الكهف:١١٠] (٦/ ٥٣) ط: إدارة الطباعة المنيرية، مصر.

(٢) (و) اعلم أنه (لايفتى بكفر مسلم أمكن حمل كلامه على محمل حسن أو كان في كفره خلاف)... إذا كان في المسألة وجوه توجب الكفر وواحد يمنعه فعلى المفتي الميل لمايمنعه. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الجهاد، باب المرتد، (٤/ ٢٢٩) ط: سعيد).

=

افسوس کہ بعض نادان حضرات نے اصلی حقیقت کے چہرے پر کتنے پردے ڈال دیے، اللہ تعالیٰ کے کمال کا پورا ظہور تو جب ہی ہوتا ہے کہ بشر بنا کر ملائکہ کے کمالات و درجات سے بالاتر بنادے، اگر فرشتہ ہو کر معصومیت ہوتی تو کیا کمال ہوتا؟ کمال تو یہ ہے کہ بشر ہو کر معصوم ہے، حضرت رسول اللہ ﷺ کے کمالات و بشریت کے سامنے انوار و ملائکہ کی حیثیت کیا ہے اور کیا رتبہ ہے!؟ شمس و قمر و نور کا درجہ تو تمام انسانوں سے فروتر ہے، خاتم الانبیاء ﷺ کے درجات کا کیا ٹھکانہ؟

امید ہے کہ ان چند حرفوں سے آپ کا شبہ زائل ہو گیا ہو گا۔

محمد یوسف بنوری

[جمادی الثانیہ ۱۳۸۳ھ]

مروجہ محافلِ حسنِ قراءت اور مقابلہ قراءت کے انعقاد کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

کراچی میں ایک ”مقابلہ قراءت“ منعقد ہو رہا ہے، جس میں پورے پاکستان کے قاریوں کو شرکت کی دعوت دی گئی ہے۔

۱- قرآن کریم جیسی مقدس کتاب کو پڑھنے کے لیے اس قسم کی مقابلہ بازی اور ہار جیت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ کیا رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین کے زمانے میں اس قسم کے مقابلے تاریخ اور احادیث سے ثابت ہیں؟ قراء کو اس قسم کے مقابلوں میں شرکت کرنا چاہیے یا نہیں؟

---

* إذا كان في المسألة وجوه توجبه، ووجه واحد يمنعه، يميل العالم إلى مايمنع من الكفر، ولايرجح الوجوه على الوجه، لأن الترجيح لايقع بكثرة الأدلة ولاحتمال أنه أراد الوجه الذي لايوجب التكفير. (الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى الهندية، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أو كفراً أو خطأ، الثاني في ما يكون كفراً من المسلم ومالايكون، (٦/ ٣٢١) ط: رشيديه).
* الفتاوى الهندية، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين، (٢/ ٢٨٣) ط: رشيديه.

۴- جو مخیر حضرات اس مقابلہ کے اخراجات کے کفیل ہوں گے، وہ مستحق ثواب ہوں گے یا نہیں؟

جواب کا طالب

مستفتی: فیاض احمد، پٹیل روڈ، کراچی/۱

جواب: اگر مقابلہ قراءت سے قراء و مجودین کی تشجیع اور عام لوگوں کے دلوں میں فنِ قراءت و تجوید کا شوق پیدا کرنا اور علم کی خدمت کرنا مقصود ہے، تب تو اس مقابلہ میں شرکت کرنا اور خرچ وغیرہ کرنا جائز ہے، البتہ اس کے لیے لفظ "مقابلہ" موحش ہے، "جائزہ" یا کوئی دوسرا لفظ ہو تو بہتر ہے۔

اگر اس مقابلہ سے صرف ریاکاری، تفوق و برتری، شہرت، دنیاوی امور کا حصول مقصود ہے تو حد درجہ شنیع، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی کتابِ عظیم کا ان مقاصد کے لیے استعمال حاملینِ کتابِ الٰہی کو زیب نہیں دیتا، اس صورت میں شرکت، اس میں حصہ لینا وغیرہ سب مکروہ ہوگا۔

قال ابن عابدين في ردالمحتار، ٥/ ٦٥٨، تحت قول صاحب الدر:

"وتمامه في الزيلعي حيث ذكر أنه لوقال واحد من الناس لجماعة من الفرسان أو لإثنين: من سبق فله كذا من مال نفسه، أوقال للرماة:من أصاب الهدف فله كذا جاز؛ لأنه من باب التنفيل، فإذا كان التنفيل من بيت المال كالسلب ونحوه يجوز، فما ظنك بخالص ماله. وعلى هذا: الفقهاء إذا تنازعوا في المسائل وشرط للمصيب منهم جعل جاز، إذا لم يكن من الجانبين على ما ذكرنافي الخيل، إذ التعلم في البابين يرجع إلى تقوية الدين وإعلاء كلمة الله تعالى، والمراد بالجواز المذكور في باب المسابقة الحل دون الاستحقاق ..."الخ[1]

(١) رد المحتار على الدر المختار، مسائل شتى بعد كتاب الخنثى، قبيل كتاب الفرائض، (٦/ ٧٥٣) ط: سعيد.
=

وقال أيضاً في ص:٣٥٤:

"إنما يكون كذلك بالقصد، أما إذا قصد التلهي أو الفخر أو لترى شجاعته فالظاهر الكراهة، لأن الأعمال بالنيات، فكما يكون المباح طاعةً بالنية تصير الطاعة معصية بالنية."[1]

---

* (ولابأس بالمسابقة في الرمي والفرس)... (و) كذا الحكم (في المتفقه). في رد المحتار: (قوله: وكذا الحكم في المتفقة) أي على هذا التفصيل... وإنما جاز؛ لأن فيه حثاً على الجهاد وتعلم العلم فإن قيام الدين بالجهاد والعلم فيما يرجع إليهما لاغير كذا في فصول العلامي. (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، (٦/ ٤٠٢، ٤٠٣) ط: سعيد)
* ولهو فيه فائدة مقصودة، ولم يرد الشرع بتحريمه وليس فيه مفسدة دينية واشتغل به على غرض صحيح لتحصيل الفائدة المطلوبة لابقصد التلهي، فهذه خمسة أنواع لاجائز فيها إلا الأخير الخامس. (أحكام القرآن للشيخ محمد شفيع العثماني، [لقمان:٦] اختلاف الفقهاء في بعض الملاهي، (٣/ ٢٠١) ط: إدارة القرآن كراچی)
* قال ابن بطال: المراد بقوله زينوا القرآن بأصواتكم المد والترتيل والمهارة في القرآن، جودة التلاوة بجودة الحفظ، فلا يتلعثم ولا يتشكك، وتكون قراءته سهلة بتيسير الله تعالى كما يسره على الكرام البررة، قال: ولعل البخاري أشار بأحاديث هذا الباب إلى أن الماهر بالقرآن هو الحافظ له مع حسن الصوت به والجهر به بصوت مطرب بحيث يلتذ سامعه انتهى والذي قصده البخاري إثبات كون التلاوة فعل العبد، فإنها يدخلها التزيين والتحسين والتطريب، وقد يقع بأضداد ذلك وكل ذلك دال على المراد. (فتح الباري لابن حجر، كتاب التوحيد، باب قول النبي صلي الله عليه وسلم : الماهر أي الحاذق (١٣/ ٥١٩) ط: دار المعرفة بيروت)

(١) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، فرع، (٦/ ٤٠٢) ط: سعيد.

* استجرار الجيفة بالمعازف أهون من استجرارها بالمصاحف، وفي الأخبار: من طلب بالعلم المال كان كمن مسح أسفل مداسه ونعله بمحاسنه لينظفه، وروي عن الحسن البصري أنه قال: البهلوان الذي يلعب فوق الحبال أحسن من العلماء الذين يميلون إلى المال؛ لأنه يأكل الدنيا بالدنيا وهؤلاء يأكلون الدنيا بالدين. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب فضائل القرآن، باب القراءة وجمع القرآن، الفصل الثالث، (٤/ ٧٢١) ط: مكتبه رشيديه).
* فمن أراد به الدنيا فهو متعجل، وإن ترسل في قراءته ومن أراد به الآخرة فهو متأجل، وإن

اب رہا یہ سوال کہ صحابہ کرام کے عہد سعادت میں اس قسم کے مقابلے ہوتے تھے، سو ظاہر ہے کہ اس کا ثبوت نہیں ملتا، کیوں کہ وہ دور اس قسم کے تکلفات سے خالی تھا۔

البتہ مجامع ومجالس میں قرآن پڑھنا اور دوسرے حضرات کا سننا ثابت ہے۔

"وقد كان أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا اجتمعوا أمروا أحدهم أن يقرأ سورة من القرآن، كذا في الغرائب."(۱)

واضح رہے کہ جواز صرف اسی صورت میں ہوگا، جب کہ انعام کی شکل ہو، یعنی یہ کہا گیا ہو کہ جو بہتر پڑھے گا اس کو اس قدر انعام ملے گا، اگر انعام کی شکل نہ ہو، بلکہ جانبین سے شرط علی المال ہو تو وہ بالکل قمار ہوگا، جو قطعاً حرام ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ قرآن مجید کو ریاکاری یا دنیاوی امور کے حصول کی خاطر مجامع ومحاسن میں پڑھنا سخت گناہ ہے، حدیث شریف میں اس پر سخت وعید وارد ہوئی ہے:

أسرع في قراءته بعد إعطاء الحروف حقها، وهذه معجزة من معجزاته صلى الله عليه وسلم، فقد وقع ما أخبر به صلى الله عليه وسلم، وصار القراء لايتعلمون القرآن إلا لأجل الدنيا والتعيش به، فلاحول ولاقوة إلا بالله. (الفتح الرباني، كتاب فضائل القرآن وتفسيره وأسباب نزوله، باب ماجاء في قراءة القرآن بأجر وتعليمه بأجر، (٩/ ١٨) ط: طبعة المؤلف أحمد بن عبدالرحمن البناء، الطبعة الأولى ١٣٧٣هـ).

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية، الباب الرابع في الصلاة والتسبيح وقراءة القرآن ...، (٥/ ٣١٦) ط: حقانيه پشاور.

* وكان عمر بن الخطاب رضي الله عنه يقول لأبي موسى الأشعري: يا أبا موسى! ذكرنا ربنا، فيقرأ وهم يسمعون ويبكون، وكان أصحاب محمد صلى الله عليه وسلم إذا اجتمعوا أمروا واحدا منهم أن يقرأ القرآن والباقي يستمعون، وقدثبت في الصحيح: أن النبي صلى الله عليه وسلم مرّ بأبي موسى الأشعري وهو يقرأ فجعل يستمع لقراءته. (مجموعة الفتاوى لابن تيمية، (٥/ ٥١) ط: مكتبة العبيكان).

* وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لأبي بن كعب: كيف تقرأ في الصلاة؟ فقرأ أم القرآن.... وفي الحاشية: قوله: فقرأ) أي: قرأ أم القرآن مرتلا ومرسلا ومجودا. (مشكاة المصابيح، كتاب فضائل القرآن، الفصل الثاني، (ص:١٨٧) ط: قديمى كراچى).

"عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: تعوّذوا بالله من جبّ الحزن! قالوا: يارسول الله وماجبّ الحزن؟ قال: وادٍ في جهنم، يتعوّذ منه جهنم كل يوم أربعمائة مرّةً، قيل: يارسول الله ومن يدخلها؟ القراء المراءون بأعمالهم، رواه الترمذي."(۱)

"لو قرأ طمعاً في الدنيا في المجالس يكره، وإن قرأ لوجه الله تعالى لايكره، وقد كان أصحاب رسول الله ..." الخ(۲) والله تعالىٰ اعلم

جواب باصواب نہایت عمدہ وشافی ہے — احقر ولی حسن عفي عنه

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ — دارالافتاء مدرسہ عربیہ اسلامیہ، کراچی/۵

حرفِ ضاد کا مخرج

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین متین اس مسئلہ میں کہ:

بعض علماء وقراءِ ہند فرماتے ہیں کہ ضاد مشابہ بالظاء ہے، اور اس وجہ سے یہ حضرات حرف ضاد کو ضاد

---

(۱) مشكاة المصابيح، كتاب العلم، الفصل الثالث، (ص:۳۰۸) ط: قديمى كراچى.

* وعن بريدة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من قرأ القرآن يتأكل به الناس جاء يوم القيامة ووجهه عظم ليس عليه لحم. (مشكاة المصابيح، كتاب فضائل القرآن، باب، الفصل الثالث، (ص:۱۹۳) ط: قديمى كراچى).

* وعن عمران بن حصين أنه مرّ على قاصّ يقرأ ثم يسأل، فاسترجع، ثم قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من قرأ القرآن فليسأل الله به، فإنه سيجيء أقوام يقرءون القرآن يسألون به الناس. (مشكاة المصابيح، كتاب فضائل القرآن، باب، الفصل الثاني، (ص:۱۹۲) ط: قديمى كراچى).

(۲) الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية، الباب الرابع في الصلاة والتسبيح وقراءة القرآن ...، (۵/ ۳۱۶) ط: حقانيه پشاور.

=

متعارف بین العرب کے خلاف ادا کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہی ضاد صحیح ہے، اور یہ جو عام عرب و عجم پڑھتے ہیں، صحیح نہیں ہے، اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ ضاد ضعیفہ ہے، اور جو حرف ضاد علماءِ حرمین وغیرہ ادا کرتے ہیں، یہی صحیح ہے۔ کیا واقعی یہ ضاد متعارف بین العرب (جو کہ بظاہر دال مفخم جیسا مسموع ہوتا ہے، اگرچہ یہ دال مفخم حقیقت میں نہیں ہے) صحیح نہیں ہے؟ اور اگر ضاد متعارف صحیح ہے، تو جو بعض کتب سے تشابہ بین الضاد والظاء معلوم ہوتا ہے، اس کا کیا مقصد ہے؟ **بیّنوا توجروا!**

جواب: یہ مسئلہ عرصہ دراز سے علماء و عوام میں زیر بحث رہا ہے، اور مستقل رسائل بھی لکھے گئے ہیں، چند باتیں بالکل واضح ہیں:

(1) ضاد، ظاء دو مستقل حرف ہیں، اور دونوں کے مستقل مخارج ہیں۔[1]

(2) ضاد صحیح مخرج وصفات کے ساتھ ادا کرنے میں مشکل ترین حرف ہے، قابو یافتہ قاری عالم ہی صحیح طور پر مشق و تمرین کے بعد ادا کر سکتا ہے، اس لیے علماء نے لکھ دیا ہے کہ اس عسرِ نطق کی بنا پر بلاارادہ یا بالارادہ ظاء ادا ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔[2]

---

(۱) (والضاد من حافته إذ وليا) ... (الأضراس من أيسر أو يمناها) ... (والظاء والذال وثا للعليا) ... (من طرفيهما ومن بطن الشفة). (المقدمة الجزرية مع شرحها المنح الفكرية لملاعلي القاري، باب مخارج الحروف، (ص:١٢- ١٤) ط: شركة مكتبة ومطبعة مصطفي البابي الحلبي بمصر).

* فمخرج الضاد هو: إحدى حافتي اللسان أو كلتاهما مع ما يحاذيه من الأضراس العليا، بينما مخرج الظاء هو: من طرف اللسان مع أطراف الثنايا العليا. فهناك اختلاف من حيثُ المخرج كما هو واضح. (فتح رب البرية شرح المقدمة الجزرية في علم التجويد: باب الضاد والظاء (ص: ٦٣) ط: دار نور المكتبات جدة).

* امداد الفتاوى للشيخ التهانوي، كتاب الصلاة، فصل في التجويد، الفتاوى المتعلقة بالضاد...، (١/ ٢٣٩) ط: مكتبه دارالعلوم كراچی.

(2) پس تحقیق مذکور سے واضح ہو گیا کہ ضاد کو دال یا ظاء پڑھنا ناجائز و تحریف صریح ہے... بلکہ حتی الوسع اس کے مخرج سے نکالنے کا قصد کرے، خواہ نکلے صحیح یا نہ نکلے صحیح یا غلط ظاء نکلے یا دال مہملہ یا غیر ان دونوں کا، شرعاً وہ معذور اور مصیب ہوگا، لقوله تعالیٰ: { لَا يكلف الله نفسا الَّا وسعها} ...الخ (امداد الفتاوى للشيخ التهانوي، كتاب الصلاة، فصل في التجويد، الفتاوى المتعلقة بالضاد، (١/ ٢٤٠، ٢٤١) ط: مكتبه دارالعلوم كراچی).

=

(3)سب اہلِ قراءت باتفاق لکھتے ہیں کہ ضاد اگر صحیح مخرج وصفات سے ادا ہو تو مشابہ بالظاء نکلے گا۔[1]

اب اشتباہ کا منشا یہ ہے کہ جب ظاء صحیح انداز اور صحیح مخرج وصفات سے ادا ہو تو جب جا کر مشبہ بہ کی معرفت حاصل ہو گی، در حقیقت آج کل جو سب سے بڑا قصور ہے، وہ ظاء صحیح ادا نہ کرنے اور صحیح تلفظ نہ ہو سکنے سے استبعاد یا اشتباہ ہو جاتا ہے، ورنہ در حقیقت بات بالکل صاف ہے، یہ کیفیت تلفظ و ادا و تعبیر و نطق سے واضح ہو سکتی ہے۔

عام طور پر جو ظاء ادا کیا جاتا ہے، وہ ذال مفخم ہے، تو ضاد کو اس طرح پر ا گر ادا کیا جائے تو ضاد ضعیفہ بن جاتا ہے، وہ در حقیقت ذال مفخم سا ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ واقعی ضاد مشابہ بالظاء ہے، لیکن مشبہ بہ کی معرفت اور نطق اور صحیح ادا کو متعین کر کے جب وجہ شبہ اور کیفیت واضح ہو گی۔

محمد یوسف بنوری

[شعبان المعظم ۱۳۸۳ھ]

---

(١) قال الحافظ ابن كثير في تفسيره: والصحيح من مذاهب العلماء أنه يغتفر الإخلال بتحرير ما بين الضاد والظاء لقرب مخرجيهما، وذلك أن الضاد مخرجها من أول حافة اللسان ومايليها من الأضراس، ومخرج الظاء من طرف اللسان وأطراف الثنايا العليا، ولأن كلا من الحرفين من الحروف المجهورة ومن الحروف الرخوة ومن الحروف المطبقة، فلهذا كله اغتفر استعمال أحدهما مكان الآخر لمن لا يميز ذلك. والله أعلم. (تفسير المنار لسيد محمد رشيد رضا، [الفاتحة:٧]، فائدة في مخرجي الضاد والظاء وحكم تحريف الأول، (١/ ١١٦) ط: المكتبة التوفيقية، مصر).

* الاتقان في علوم القرآن للسيوطي، النوع الثامن والخمسون في بدائع القرآن، الجناس، (٢/ ٩١) ط: مصطفي البابي الحلبي مصر.

* جمال القرآن للشیخ التھانوی، چوتھا معہ، مخارجِ حروف، (ص:11) ط: قدیمی کتب خانہ۔

حرفِ ضاد کا مخرج اور صفات ذاتیہ

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں کہ حرف ''ض'' کا صحیح مخرج اور صفات ذاتیہ کیا ہیں؟ اگر حرف ''ض'' کو اپنے صحیح مخرج سے صفات ذاتیہ کے ساتھ پڑھا جائے، تو اس کی آواز سننے میں حرف ''ظ'' کی آواز کے ساتھ مشابہ ہو گی یا حرف دال کی آواز کے ساتھ مشابہ ہو گی؟

جواب: **بعد الحمد والصلاة** عرض ہے کہ ''ض'' و ''ظاء'' دو مستقل حرف ہیں، ان کے مخرج بھی علیحدہ علیحدہ ہیں، تجوید کی کتابوں میں ان کی صفات مختصہ و مشترکہ سب مذکور ہیں، اکثر صفات دونوں کے مشترکہ ہیں۔ **ولا حاجة لتفصيلها فإنها واضحة مفروغ منها۔**

یہ صحیح ہے کہ اگر ضاد صحیح طور پر پوری صفات کی رعایت سے ادا کیا جائے، تو صوت مشابہ بالظاء ہو گی، بشرطیکہ ''ظاء'' صحیح مخرج سے ادا ہو، نہ یہ کہ ''ذال'' کو مفخم یا ''ذُواء'' ادا کیا جائے۔

عام طور سے غلطی کا منشا یہ ہے کہ ظاء کا مخرج صحیح نہیں سمجھا گیا، یا صحیح طور سے ادا نہیں کیا گیا، عام طور سے ''ضاد'' کا تلفظ کرنے والے جو مشابہ بالظاء پڑھتے ہیں، وہ مشابہ بالذُّواء اور ''**الضالين**'' کو ''**الذالين**'' پڑھتے ہیں، یہ بالکل غلط ہے، اگر ''ظاء'' کو صحیح طور پر پڑھا جائے، اور زبان کو ''ثنایا'' سے لگایا جائے، تو صوت ایسی نکلے گی جس کو دال کے قریب سمجھا جائے گا، اس لیے عام مصر وغیرہ کے قراء جو پڑھتے ہیں، انہیں ہماری ''دال'' کے تلفظ سے تشابہ پایا جاتا ہے، درحقیقت ''ظاء'' کا مخرج اگر صحیح سمجھا جائے، اور تلفظ صحیح کیا جائے تو ذال کا تلفظ مطلقاً نہ ہو گا۔

اس وقت شاید اتنا لکھنا کافی ہو گا، باقی ایضاحِ واضحات کی نہ ضرورت نہ فرصت۔[1]

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ

---

(١) الملاحظة: وقد مر تخريجه في الفتاوى التي سبق ذكرها.

درمیانِ کلام میں وقف کی صورت کے متعلق سوال/قراءت اوراد عیہ واذکار میں سانس توڑے بغیر وقف کرنا

سوال: بخدمت شریف جناب مفتی صاحب مدظلہ العالی!

السلام علیکم ورحمۃاللہ وبرکاتہ!

حضرت! خدمت عالیہ میں گزارش یہ ہے کہ مجھے مسئلہ معلوم کرنا ہے، مہربانی فرماکر جواب عطا کرنے سے عین نوازش ہوگی، مسئلہ مندرجہ ذیل ہے:

"لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" یا "سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم" میں حالت اضطراری کے علاوہ اگر لفظ **"اللہ"** میں سانس توڑے بغیر **"ھ"** کو ساکن پڑھے تو یہ جائز ہے کہ نہیں؟ لفظ **"اللہ"** میں اعراب ظاہر کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ نیز بغیر وقف کرنے کی صورت میں اگر ایسا اعراب ظاہر نہ کرے تو اس کے لیے کوئی گناہ ہے یا نہیں؟ نیز قرآن میں ایسا وقف کرنا، بغیر وقف کرتے ہوئے اعراب ظاہر کرنے سے کیا نقصان ہے؟ اور قراءت کے اعتبار سے جائز ہے یا نہیں؟

الغرض کلام پاک، کلمہ طیبہ اور بخاری شریف کی آخری حدیث میں، اس میں ایسی صورت ہونے سے کیا نقصان ہے؟ سب صورت کو نظر رکھتے ہوئے خود تفصیلی جواب عطا فرمانے سے نہایت ہی مشکور ہوں گا، تکلیف اور گستاخی معاف ہو، نیز دعا کا محتاج ہوں۔ والسلام

آپ کا شاگرد: احقر عبدالحیی

جواب: قرآن مجید کے الفاظ اور ترتیبِ آیات توقیفی ہیں،[1] ان طریقوں میں سوائے چند جگہ

(١) انعقد إجماع الأمة على أن ترتيب آيات القرآن الكريم على هذا النمط الذي نراه اليوم بالمصاحف، كان بتوقيف من النبي صلى الله عليه وسلم عن الله تعالى، وأنه لامجال للرأي والاجتهاد فيه. (مناهل العرفان في علوم القرآن، المبحث التاسع في ترتيب آيات القرآن وسوره، ترتيب آيات القرآن، (١/ ٣٤٦) ط: دارالفكر بيروت).

=

سکتوں کے سانس جاری رکھتے ہوئے وقف کرنا ثابت نہیں، توجیسا کہ الفاظِ قرآن اور ترتیبِ آیات وسور میں تغیر تبدل کرنا جائز نہیں، اسی طرح طریقۂ قراءاتِ متواترہ کے علاوہ اور کسی طریقہ سے پڑھنا اور سانس جاری رکھتے ہوئے وقف کرنا جائز نہیں۔[1]

البتہ قرآن مجید کے علاوہ ادعیہ واذکار میں سانس جاری رکھتے ہوئے قراءت کے درمیان وقف کرے تو جواز کی گنجائش ہے، لیکن عربی کو بہر صورت عربوں کی طرح پڑھنا بہتر اور افضل ہے، اور عربوں کا یہ طریقہ ہے کہ وقف کے ساتھ ساتھ سانس بھی توڑدیتے ہیں۔ **واللہ أعلم وعلمه أتمّ وأحكم**

الجواب صحیح	کتبہ
محمد یوسف البنوری	اکبر علی اسلام آبادی (۱۳۸۲/۷/۲۵ھ)

* الإجماع والنصوص المترادفة على أن ترتيب الآيات توقيفي لاشبهة في ذلك. (الإتقان في علوم القرآن، النوع الثامن عشر في جمعه وترتيبه، فصل، (١/ ٦٠) ط: سهيل اكيدمى لاهور).
* لأن القراءة والآية توقيفية ليس للرأي فيها مدخل. (البحرالرائق،كتاب الكراهية، فصل في البيع، (٨/ ٢٠٣) ط: سعيد.

(١) عن القاسم بن عوف البكري قال: سمعت عبدالله بن عمر يقول: لقد عشنا برهة من دهرنا وإن أحدنا ليؤتى الإيمان قبل القرآن، وتنزل السورة على محمد صلى الله عليه وسلم فنتعلم حلالها وحرامها، وماينبغي أن يوقف عنده... قال النحاس: فهذا الحديث يدل على أنهم كانوا يتعلمون الأوقاف كمايتعلمون القرآن، وقول ابن عمر: لقد عشنا برهة من دهرنا، يدل على أن ذلك إجماع من الصحابة ثابت. (الإتقان في علوم القرآن، النوع الثامن والعشرون في معرفة الوقف والابتداء، (١/ ٨٣) ط: سهيل اكيدمى لاهور).

* المدخل إلي علوم القرآن الكريم، أقسام الوقف عند معلم القراء (١/ ٢١٦) ط: دار عالم القرآن، حلب.
* كل قراءة لم تتوافر فيها هذه الأركان الثلاثة يحكم بعدم قبولها. (مناهل العرفان في علوم القرآن، المبحث الحادي عشر في القراءات، (١/ ٤٢٣) ط: دارالفكر بيروت).

حدیث ''النكاح من سنتي ... ''الخ کی تحقیق، نیز خطبۂ نکاح کے احکام

سوال: بخدمت گرامی جناب مولانا محمد یوسف صاحب زیدت معالیہم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

۱- ''**النكاح من سنتي، فمن رغب عن سنتي فليس مني**'' یہ حدیث کہاں باسناد صحیح مروی ہے؟

۲- اس کا ثبوت دیا جائے کہ یہ حدیث رسول اللہ ﷺ نے کس خطبے میں پڑھی تھی؟

جواب: دو نامے مسلسل پہنچے، میں انتہائی مشغول تھا اور ہوں، اس لیے جواب میں بادل نخواستہ تاخیر و تقصیر ہوئی، اس کے لیے معذرت خواہ ہوں۔ اب اختصار کے ساتھ عرض کرتا ہوں:

۱- یہ ایک حدیث نہیں، دو حدیثیں ہیں۔

''**النكاح من سنتي**'' حدیث عائشہ صدیقہ ہے، جو سنن ابن ماجہ میں مروی ہے،[1] اسناد متکلم فیہ ہے، مگر شواہد کثرت سے موجود ہیں،[2] اگر مخصوص اسناد صحیح نہیں ہے تو معنٰی صحیح ہے، اور

---

(۱) عن عائشة، قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "النكاح من سنتي، فمن لم يعمل بسنتي فليس مني". (سنن ابن ماجة، أبواب النكاح، باب ما جاء في فضل النكاح، (ص:۱۳۲، ۱۳۳) ط: قديمى كتب خانه كراچى)

(۲) هذا إسناد ضعيف لضعف عيسى بن ميمون، وله شاهد في الصحيحين وغيرهما من حديث عبد الله بن مسعود، ورواه البزار في مسنده من حديث أنس. (مصباح الزجاجة في زوائد سنن ابن ماجه للشهاب أحمد بن أبي بكر البوصيري، [المتوفي: ۸٤۰هـ] كتاب النكاح، باب فضل النكاح، (۲/ ٦٥) ط: دار الكتب الإسلامية مطبعة حسان القاهرة بمصر)

* صحيح البخاري، كتاب النكاح، الترغيب في النكاح، (۲/ ۷۵۷، ۷۵۸) ط: قديمى كتب خانه.
* صحيح مسلم، كتاب النكاح، باب استحباب النكاح، (۱/ ٤٤٩) ط: قديمى كتب خانه. =

شواہد صحیحہ کی بناپر صحیح لغیرہ کے حکم میں ہوگئی۔[1]

"فمن رغب عن سنتي فليس مني" یہ حدیث انس بن مالک کی مرفوعاً صحیح بخاری شریف میں موجود ہے،[2] اس کی صحت میں کلام نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر نے بھی "التلخيص الحبير" میں تنبیہ کی ہے، اور اسی طرح ذکر کیا ہے۔[3]

نیز حدیث ہونے کے لیے اصطلاحی صحیح ہونا ضروری بھی نہیں، حسن بھی حدیث ہے، ضعیف بھی حدیث ہے۔[4] ہر مسئلے میں صحیح حدیث نہیں ہوتی، بلکہ بسا اوقات حسن وغیرہ سے بھی تمام محدثین

---

* حاشية السندي على سنن ابن ماجه للأستاذ الفاضل أبي الحسن محمد بن عبد الباری [المتوفي: ١١٣٨هـ] أبواب النكاح، باب ما جاء في فضل النكاح، (١/ ٢٩١) ط: المطبعة العلمية ١٣١٣هـ .

(١) وأما الصحيح لغيره فهو ما لم يشتمل على أعلى صفات القبول بأن كان الضبط فيه غير تام، ولكنه ورد من طرق أخرى تترجح عليه أو تساويه أو من طرق أخرى منحطة عنه في الرتبة، وأقلها طريقان، فحينئذ يصير صحيحاً لغيره. (شرح المنظومة البيقونية في مصطلح الحديث لعمر بن محمد بن البيقونی الشافعی، [المتوفي: ١٠٨٠هـ]، أنواع الصحيح، (ص:٤٧) ط: مكتبه دارالفلاح).

* بهجة النظر على شرح نخبة الفكر، الصحيح لذاته والصحيح لغيره (ص: ١٤٧) ط: مؤسسة بينونة للنشر والتوزيع.

* شرح أصول الحديث على رسالة البركوي، تقسيم الحديث من حيث الإتصال والإنقطاع، الحديث الصحيح (ص: ٦١، ٦٢) ط: دار الكتب العلمية بيروت.

(٢) صحيح البخاری، كتاب النكاح، الترغيب في النكاح (٢/ ٧٥٧، ٧٥٨)ط: قديمی كتب خانه.

(٣) حديث: النكاح من سنتی، فمن رغب عن سنتی فليس منی، ابن ماجه عن عائشةأن النبي صلى الله عليه وسلم قال: النكاح من سنتی فمن لم يعمل بسنتی فليس منی ... وفي إسناده عيسى بن ميمون وهو ضعيف. (التلخيص الحبير في تخريج أحاديث الرافعی الكبير لابن حجر عسقلانی، كتاب النكاح، [رقم الحديث:١٤٣٥] (٣/ ٨١١٨) ط: مكتبة المصطفي الباز مكة، الرياض).

(٤) اعلم علمك الله وإيای :أن الحديث عند أهله ينقسم إلى صحيح و حسن و ضعيف..الخ (مقدمة ابن صلاح، النوع الأول، معرفة الصحيح من الحديث (ص:٧) ط: اسلامی اكيدمی لاهور.

=

امت استدلال کرتے چلے آرہے ہیں۔

بہر حال جب دو حدیثیں ہوں تو پڑھنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ شروع میں **قال رسول الله ﷺ** کہے، دوبارہ پھر کہے، **وقال رسول الله ﷺ: فمن رغب عن سنتي فليس مني**، اور میں ہمیشہ ایسا ہی پڑھتا ہوں۔

یہ سب کچھ یاد سے لکھ رہا ہوں، اس لیے ابن ماجہ، صحیح البخاری اور التلخیص الحبیر کا صفحہ وغیرہ نہیں لکھا، اگر ضرورت ہوئی تو لکھ دیا جائے گا۔

۲- رسول اللہ ﷺ کا پڑھنا ضروری نہیں، حدیث ہونا کافی ہے، خطبۂ حاجت وخطبۂ نکاح جو ترمذی وغیرہ کی احادیث میں آیا ہے، اس کا مطلب اتنا ہی ہے کہ حمد وشہادتین سے خطبہ شروع ہونا چاہیے، جامع ترمذی کی آیت تقویٰ والی حدیث کی اسناد محدثین کے اصول سے صحیح نہیں، زیادہ سے زیادہ حسن کا درجہ ہے، اس لیے کہ وہ روایت ابوعبیدہ کی عبداللہ بن مسعود سے ہے، ابوعبیدہ کا سماع عبداللہ سے ثابت نہیں،[1] اس لیے محدثین کے نزدیک منقطع ہے اور منقطع حدیث صحیح نہیں ہوتی، بلکہ ضعیف ہوتی

---

* شرح أصول الحديث لداؤد القارصي على رسالة البركوي، تقسيم الحديث من حيث الإتصال والإنقطاع، الحديث الغريب (ص: ١٠٥) ط: دار الكتب العلمية بيروت.
* الرابع: قوله "حديث حسن" أو "صحيح" أو "ضعيف" أو "حديث صحيح الإسناد" أو "حسن الإسناد" أو "ضعيف الإسناد" فالمحكوم عليه في الأول المتن... إلخ. (جواهر الأصول في علم حديث الرسول للإمام أبي الفيض محمد بن محمد الفارسي، القسم الأول في المتن واقسامه وأنواعه: الفصل الثالث في الضعيف (ص: ٤٥) ط: دار الكتب العلمية بيروت).

(١) حديث ابن مسعود موقوفاً ومرفوعاً: إذا أراد أحدكم أن يخطب لحاجة من النكاح أو غيره فليقل: الحمد لله نحمده ونستعينه... الحديث، وفيه الآيات... إن رسول الله صلى الله عليه وسلم أوتي جوامع الخير وخواتيمه، فعلمنا خطبة الصلاة، وخطبة الحاجة، فذكر خطبة الصلاة، ثم خطبة الحاجة، ورواه أبوداود والنسائي والترمذي والحاكم وأبوعبيده لم يسمع من أبيه. (التلخيص الحبير، كتاب النكاح، باب استحباب خطبة النكاح، (٣/ ١١٦٧) ط: مكتبه نزار مصطفي الباز، مكة المكرمة).

=

ہے،[1] حاکم نے مستدرک میں جو روایت ابن مسعود کی روایت کی ہے، اس میں آیاتِ تقویٰ کا ذکر نہیں، اس لیے بھی محلِ نظر ہوگئی،[2] اگر مثبت کو ترجیح دی جائے جب بھی ثبوت مل گیا۔

اور اگر یہی مضمون ضروری ہوتا تو نبی کریم ﷺ اس کا التزام فرماتے، حال آں کہ ابو درداء رضی اللہ عنہ کی روایت میں حمد و ثنا، شہادتین کے الفاظ بھی اور ہیں، نیز حضرت فاطمہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے عقدِ نکاح کا خطبہ مرفوعاً ثابت ہے، وہ بالکل اور خطبہ ہے، معلوم ہوا کہ نکاح کے بارہ میں آیات اور احادیث کا ذکر ہی ہونا ضروری یا مندوب ہے، کوئی خاص لفظ مطلوب نہیں، اور تمام امت کے نزدیک مسلم ہے کہ نفس خطبۂ نکاح بھی مندوب اور مستحب ہے، واجب نہیں۔[3]

---

(١) وأن المنقطع: منه الإسناد الذي فيه قبل الوصول إلى التابعي راو لم يسمع من الذي فوقه، والساقط بينهما غير مذكور لامعيناً ولامبهماً، ومنه الإسناد الذي ذكر فيه بعض رواته بلفظ مبهم نحو رجل أو شيخ أو غيرهما. (مقدمة ابن الصلاح، النوع العاشر: معرفة المنقطع، (ص: ٢٧) ط: اسلامی اکیدمی لاهور).

* المقنع في علوم الحديث، النوع الثاني، فروع، (١/ ٩٩) ط: دار فواز للنشر، السعودية.
* والمنقطع ضعيف والضعيف لايعل الصحيح. (تدريب الراوي، الحديث صحيح وحسن وضعيف، الأول: الصحيح وفيه مسائل، الخامسة: الصحيح أقسام، (١/ ١٣٦) ط: مكتبة الرياض الحديثية).

(٢) إلّا أن الحاكم رواه من طريق آخر عن قتادة عن عبدربه عن أبي عياض عن ابن مسعود، وليس فيه الآيات. (التلخيص الحبير، كتاب النكاح، باب استحباب خطبة النكاح، (٣/ ١١٦٨) ط: مكتبه نزار مصطفي الباز، مكة المكرمة).

(٣) ويندب إعلانه وتقديم خطبة. وفي رد المحتار: (قوله: وتقديم خطبة) بضم الخاء ما يذكر قبل إجراء العقد من الحمد والتشهد... وأطلق الخطبة فأفاد أنها لا تتعين بألفاظ مخصوصة، وإن خطب بما ورد فهو أحسن... إلخ. (رد المحتار على الدر المختار، كتاب النكاح (٣/ ٨) ط: سعيد).

* البحر الرائق، كتاب النكاح (٣/ ٨١) ط: سعيد.
* إعلاء السنن، كتاب النكاح، باب استحباب الإعلان بالنكاح والخطبة وكونه في المسجد (٦/ ١١) ط: إدارة القرآن كراچی.

=

پھر ان ماثورہ خطبوں میں سے کوئی بھی ہو اس کا التزام مستحب ہے، نہ واجب، نہ سنت موکدہ ہے، پھر جب حمد وثنا، شہادتین، آیاتِ تقویٰ پڑھیں گے، تو اصلی سنت ادا ہوگئی، اس کے بعد مزید ترغیب وتذکیر کی نیت سے احادیث ماثورہ کا پڑھنا مجتہدانہ ذوق کے پیشِ نظر عین منشا حدیث ہے، حضرت رسول اللہ ﷺ کا مختلف خطبات پڑھنا اور فرمانا اس کی دلیل ہے کہ اصلی مقصود حمد وثنا، شہادتین، متعلقاتِ نکاحِ آیات واحادیث کا ذکر کرنا ہے، پھر جب اصلی سنت ادا ہوگئی، اور مسنون ومستحب درجہ پورا ہوگیا، اس پر اضافہ کرنا خلافِ سنت کہنا بہت بے انصافی ہے، یا سطحی غیر مفتیانہ ذوق ہے۔

پھر اگر بالفرض مستحب کو کوئی ترک بھی کردے، تو ترکِ مستحب پر نکیر کرنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے! اور پھر اعتراض کرنا ترکِ مستحب پر بالخصوص جب فتنے کا باعث ہو، کیوں کر صحیح ہوسکتا ہے! اور کسی مستحب کے ترک پر اعتراض کرنا اس کے واجب ہونے کی دلیل ہے، اور جس مستحب کو واجب سمجھ لیا گیا اس کا ترک ازروئے حدیث واجب ہے،[1] اللہ تعالیٰ صحیح فہم عطا فرمائے!

بہر حال رسول اللہ ﷺ سے مختلف خطبے قولاً وعملاً ثابت ہیں، اور قدرِ مشترک حمد وثنا وشہادتین اور متعلقاتِ نکاح کا ذکر کرنا ہے اور بس!

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ
(ربیع الثانی ۱۳۹۰ھ)

---

(۱) عن عبد الله بن مسعود، قال: لا يجعل أحدكم للشيطان شيئاً من صلاته يرى أن حقاً عليه... وفي شرحه: أن من أصر على أمر مندوب، وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال. (شرح الطيبي على مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، الفصل الأول، (٢/ ٣٤٧) ط: إدارة القرآن والعلوم الاسلامية كراچی).

* واستنبط منه أن المندوب ربما انقلب مكروهاً إذا خيف أن يرفع عن رتبته. (مجمع بحار الأنور، باب الصاد مع الراء (٢/ ٣١٨) ط: مكتبة الإيمان المدينة المنورة).

حدیث ”فاطمة بضعة مني وإني أكره أن يسوءها“ کے متعلق اعتراضات اور جوابات

سوال: مخدومی و محترمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

گزارش ہے کہ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنے کے بعد آں حضرت ﷺ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے اقرباء نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے دوسری شادی کی اجازت مانگی، ان کے متعلق حضور پر نور ﷺ سے حسب ذیل احادیث مروی ہیں:

١- كتاب النكاح، باب الغيرة: "عن مسور بن مخرمة قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول وهوعلى المنبر: إن بني هشام بن المغيرة استأذنوني في أن ينكحوا ابنتهم علي بن أبي طالب، فلا اٰذن ثم لااٰذن ثم لا اٰذن إلَّا أن يريد ابن أبي طالب أن يطلق ابنتي وينكح ابنتهم، فإنّما هي بضعة مني، يريبني ما أرابها، ويؤذيني مااٰذاها، هكذا."[1]

٢- كتاب المناقب، باب ذكر أصهار النبي صلى الله عليه وسلم: "إن المسور بن مخرمة قال: إن عليًّا خطب بنت أبي جهل، فسمعت بذلك فاطمة، فأتت رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقالت: يزعم قومك أنك لاتغضب لبناتك، وهذا علي ناكح بنت أبي جهل، فقام رسول الله صلى الله عليه وسلم، فسمعته حين تشهد يقول: أما بعد! فإنّي أنكحت أبا

(١) صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب ذب الرجل عن ابنته في الغيرة والإنصاف، (٢/ ٧٨٧) ط: قديمی کتب خانه کراچی.

العاص بن الربيع، فحدثني وصدقني، وإن فاطمة بضعة مني، وإني أكره أن يسوء ها. والله لايجتمع بنت رسول الله وبنت عدو الله عند رجل واحد. فترك عليّ الخطبة."[1]

٣- "عن مسور قال: سمعتُ النبي صلى الله عليه وسلم ذكر صهراً له من بني عبدشمس، فأثنى عليه في مصاهرته إياه فأحسن، قال: حدثني، فصدقني، ووعدني فوفي لي."[2]

٤- "علي بن حسين عن مسورقال: إن علي بن أبي طالب خطب بنت أبي جهل على فاطمة، فسمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو يخطب الناس في ذلك على منبره هذا، وأنا يومئذٍ محتلم، فقال: إن فاطمة مني، وإني أتخوف أن تفتن في دينها، قال: ثمّ ذكر صهراً له من بني عبد شمس، فأثنى عليه في مصاهرته إياه فأحسن، قال: حدثني فصدقني ووعدني فأوفي لي، وإني لست أحرّم حلالاً ولاأحلّ حراماً، ولكن والله لاتجتمع بنت رسول الله وبنت عدوّ الله مكاناًواحداً أبداً."[3]

مضامین ملتے جلتے ہیں، بہر حال اس کے متعلق مجھے اور میرے ساتھیوں کو شبہ ہے، مختلف علماء سے دریافت کیا، قابل تشفی جواب نہیں ملا، براہِ کرم جواب دے کر ممنون فرماویں، اس پر چند شبہات اور واقع ہوتے ہیں:

---

(١) صحيح البخاري، كتاب المناقب، باب ذكر أصهار النبي صلى الله عليه وسلم، منهم أبو العاص بن الربيع، (١/ ٥٢٨) ط: قديمى كتب خانه كراچى.

(٢) صحيح البخاري، كتاب المناقب، باب ذكر أصهار النبي صلى الله عليه وسلم، منهم أبو العاص بن الربيع، (١/ ٥٢٨) ط: قديمى كتب خانه كراچى.

(٣) صحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب من فضائل فاطمة رضي الله عنها، (٢/ ٢٩٠) ط: قديمى كتب خانه كراچى.

۱- ایک حلال کام جس کا قرآن میں حکم ہے، اور احادیث سے ثابت ہے، رسول اللہ ﷺ اور خلفاءِ راشدین وصحابہ کرام کا اس پر عمل رہا، اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے منع فرمایا، وہ بھی نہایت غصہ سے بر سرِ منبر، باوجود یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر اصحاب اس پر عامل تھے، کسی کو منع نہیں کیا، کیا دوسرا کوئی شخص بھی اس بناپر داماد کو عقد ثانی سے روک سکتا ہے؟

۲- ایک جائز کام حضرت علی کرتے تو کیا رسول اللہ ﷺ کو اس سے تکلیف پہنچتی ہے؟

۳- کیا رسول اللہ ﷺ کی بیٹی کے دین میں خرابی واقع ہوتی، اگر خرابی ہونے کا خطرہ تھا تو دوسری عورت کو بدرجہ اولیٰ اس کا خطرہ ہے؟ کیا رسول اللہ ﷺ کو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ دیگر مسلمان عورت کے لیے دین عزیز نہ تھا؟

٤- اگر عقدِ ثانی سے عورت کے دین میں خطرہ ہے تو ایسا کام خدا نے جائز کیوں کیا؟ بلکہ صیغۂ امر ''فَانْكِحُوْا'' کیوں استعمال کیا؟

۵- حضرت علی رضی اللہ عنہ عدل نہ کر سکتے تھے تو دیگر مسلمان کیسے عدل کر سکتے ہیں؟

٦- کیا یہ عذر صحیح ہے کہ جس (عورت) سے حضرت علیؓ نکاح کر رہے تھے وہ ابوجہل کی بیٹی تھی، اس وجہ سے ان سے نکاح کرنا رسول اللہ ﷺ کو منظور نہ تھا؟ اگر یہ وجہ صحیح ہے تو کیا کسی کافر کی بیٹی خواہ مسلمان ہو جائے، باپ کے گناہوں کی ذمہ دار رہتی ہے؟ یا کم از کم پکا کفر اور عداوتِ اسلام بیٹی کے لیے باعثِ ذلت اور سببِ تذلیل رہتا ہے، حال آں کہ وہ خود اسلام لے آئے؟ کیا عکرمہ رضی اللہ عنہ بھی ابوجہل کا بیٹا ہونے کی وجہ سے قابلِ احترام نہ تھے؟ رسول اللہ ﷺ اور اصحاب کیا ان کو بھی ابوجہل کا بیٹا ہونے کی وجہ سے اچھا نہ سمجھتے تھے؟

۷- اسلام لانے کے بعد ایک سخت کافر کی بیٹی اور اپنی یا ولی کی بیٹی میں اسلامی قانون کے لحاظ سے فرق کیا جائے گا؟ جب کہ کافر کی بیٹی بھی مؤمنہ صالحہ ہو؟

۸- کیا اگر داماد عقدِ ثانی کرے تو خسر صرف اس بناپر بلا کسی عذر شرعی کے بیٹی کو طلاق

دلواسکتا ہے؟ یاعورت طلاق لے سکتی ہے؟ **ولكم في رسول الله أسوة حسنة!**

امید ہے کہ نمبروار جواب رسائی سے ممنون فرمائیں گے!

جواب: از نمبر: اتا نمبر: ۸- یہاں اتفاق سے چند امور جمع ہو گئے ہیں:

۱- حضرت رسول اللہ ﷺ کا خسر ہونا۔

۲- ہر اس امر سے اجتناب ضروری ہے، جس سے نبی کریم ﷺ کے قلب مبارک کو ایذا پہنچے۔[1]

۳- پیغمبر کی محبت جزءِ ایمان ہے، اور اسی طرح دفعِ ایذا جزءِ ایمان ہے۔[2]

٤- ابو جہل رسول اللہ ﷺ کا اعدیٰ عدو تھا، اس کی صاحبزادی اگر سامنے ہوتی تو ہر وقت اس ایذا کا استحضار ہوتا، وحشی رضی اللہ عنہ کو آپ نے فرمایا تھا، جب مشرف باسلام ہوئے تھے کہ اگر آپ ایسا

---

(۱) قال العلماء في هذا الحديث: تحريم إيذاء النبي صلى الله عليه وسلم بكلّ حال وعلى كل وجه. (شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب الفضائل، فضائل فاطمة بنت النبي صلى الله عليه وسلم، (۸/ ۱۹۹) ط: قديمى كراچى).

* فتح الباري شرح صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب ذب الرجل عن ابنته في الغيرة والإنصاف، (۹/ ٤۱۱) ط: دار الكتب العلمية، بيروت.

* عمدة القاري شرح صحيح البخارى، كتاب النكاح، باب ذب الرجل عن ابنته في الغيرة والإنصاف (۲۰/ ۳۰۱) ط: مكتبه رشيديه.

(۲) عن أنس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لايؤمن أحدكم حتى أكون أحبّ إليه من والده وولده والناس أجمعين. (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب حبّ الرسول صلى الله عليه وسلم من الإيمان، (۱/ ۷) ط: قديمى كتب خانه كراچى).

* فيجب تقديم محبة الرسول صلى الله عليه وسلم على النفوس والأولاد والأقارب والأهلين والأموال والمساكن وغير ذلك ممايحبه الناس غاية المحبة. (فتح الباري، كتاب الإيمان، باب حبّ الرسول صلى الله عليه وسلم من الإيمان، (۱/ ٤۳) ط: دار ابن الجوزي، الدمام، المملكة العربية السعودية).

=

کر سکیں کہ میرے سامنے نہ آئیں تو کر گزریے، کیوں کہ حضرت سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہ کی کیفیتِ قتل آپ کے سامنے آتی، اور آپ نہیں چاہتے تھے کہ ایک مسلمان سے طبعی تکدر رہے، ہر وقت تکلیف کا استحضار رہے،[1] جس سے اندیشہ ہوتا ہے کہ دوسرے کو نقصان نہ پہنچے اور آپ کی شفقت کا تقاضا یہ تھا کہ کسی کو نقصان یا ضرر نہ پہنچے۔[2]

۵— اندیشہ تھا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حقوقِ زوجیت میں تقصیر کرتیں، اور شرعاً گناہ گار ہوتیں، اور آپ ﷺ کو طبعاً ناگوار تھا کہ وہ ایسے امر میں مبتلا ہوں کہ آخرت کی مسئولیت ان پر ہو۔[3]

---

(١) عن جعفر بن عمرو الضمري ، قال : خرجت مع عبيد الله بن عدي بن الخيار إلى الشام : فلمّا قدمنا حمص، قال لي عبيد الله: هل لك في وحشي عن قتل حمزة؟ قلت: نعم، ... قال: فخرجت معهم حتى قدمت على رسول الله صلى الله عليه وسلم قال : فلمّا رآني قال : أنت وحشي؟ قال: قلت: نعم، قال: أنت قتلت حمزة؟ ، قال: قلت: قد كان من الأمر ما بلغك يا رسول الله، إذ قال : ماتستطيع أن تغيب عنّي وجهك ... إلخ . (مسند أحمد بن حنبل، حديث وحشي الجيش عن النّبي صلى الله عليه وسلم ، (٣/ ٥٠١) ط: دار عالم الكتب بيروت)

* صحيح ابن حبان، كتاب إخباره صلى الله عليه وسلم عن مناقب الصحابة ، (١٥/ ٤٨١) ط: مؤسّسة الرسالة بيروت .

* جامع الأصول في أحاديث الرسول لابن الأثير ، حرف الغين ، الكتاب الأول في الغزوات والسرايا والبعوث، غزوة أحد، [رقم الحديث : ٦٠٧٤] ، (٨/ ٢٤٧) ط: مكتبة دار الإيمان.

(٢) ومع ذلك فقد منع ذلك في الحال لمايترتب عليه من الضرر في المآل، وفيه بقاء عار الآباء في أعقابهم، لقوله: بنت عدوّ لله، فإنّ فيه إشعاراً بأنّ للوصف تأثيراً في المنع. (فتح الباري، كتاب النكاح، باب ذبّ الرجل عن بنته ...، (٩/ ٤١١) ط: دار الكتب العلمية، بيروت)

* شرح صحيح البخاري لابن بطال، كتاب النكاح ، باب ذبّ الرجل عن ابنته في الغيرة والإنصاف، (٧/ ٣٥٥) ط: مكتبة الرشد السعودية الرياض .

* عون المعبود شرح سنن أبي داؤد، كتاب النكاح ، باب ما يكره أن يجمع بينهنّ من النساء، (٦/ ٥٧) ط: دار الكتب العلمية بيروت .

(٣) عن عبد الله بن عباس أن (جميلة بنت سلول أتت النّبي صلى الله عليه وسلم فقالت: والله ما أعتب على ثابت في دين ولا خلق ولكن أكره الكفر في الإسلام ، لاأطيقه بغضا ، فقال لها النّبي

ظاہر ہے کہ یہ سب باتیں کہیں اور جمع ہونے کا امکان نہیں، لیکن باوجود اس کے اصل مسئلہ وشرعی حکم پر آگاہ کردیا کہ:

"إني لست أحرّم حلالاً ولاأحلّ حراماً، ولكن لاتجتمع بنت رسول الله ولابنت عدوّ لله."[1]

واضح رہے کہ دوسرا نکاح بنصِّ قرآن حلال ہے، اس کی تحریم نہیں کرتا،[2] لیکن یہاں اتفاق سے ایک طرف بیوی کے والد حضرت رسول اللہ ﷺ ہیں، دوسری طرف جس عورت کا خِطبہ کا ارادہ ہے، اس کا والد عدو اللہ گزرا ہے۔

علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ: ہو سکتا ہے کہ جس طرح رسول اللہ ﷺ کی ازواج سے نکاح کرنا جائز نہیں، اسی طرح آپ کی بنات پر نکاح کرنا بھی جائز نہ ہو۔[3]

صلى الله عليه وسلم: أتردّين عليه حديقته؟ فقالت: نعم، فأمره رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يأخذ منها حديقته، ولايزداد. (سنن ابن ماجه، أبواب الطلاق، باب المختلعة يأخذ ما أعطاها، (ص: ١٤٨) ط: قديمى كتب خانه كراچى.

* المعجم الكبير للطبراني، باب العين، أحاديث عبد الله بن العبّاس بن عبد المطّلب، [رقم الحديث: ١١٨٣٤]، (١١/ ٣١٠) ط: مكتبة العلوم والحكم الموصل.
* جامع الأصول في أحاديث الرسول صلى الله عليه وسلم لابن الأثير، حرف الخاء، الكتاب الخامس في الخلع، رقم الحديث: ٢٠٩٢، (٤/ ١٣٣) ط: مكتبة دار البيان.

(١) صحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب من فضائل فاطمة رضي الله عنها، (٢/ ٢٩٠) ط: قديمى كراچى.

* صحيح البخاري، كتاب الجهاد، باب ماذكر من درع النبي صلى الله عليه وسلم وعصاه وسيفه...، (١/ ٤٣٨) ط: قديمى كتب خانه كراچى.
* صحيح ابن حبان، كتاب إخباره صلي الله عليه وسلم عن مناقب الصحابة، ذكر البيان بأن هذه الفعل لو فعله علي كان ذلك جائزاً (١٥/ ٤٠٧) ط: مؤسسة الرسالة.

(٢) {فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ} [النساء: ٣].

(٣) والذي يظهر لي أنه لايبعد أن يعدّ في خصائص النبي صلى الله عليه وسلم أن لايتزوج على بناته، ويحتمل أن يكون ذلك خاصاً بفاطمة عليها السلام. (فتح الباري شرح صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب ذبّ الرجل عن ابنته في الغيرة والإنصاف، (٩/ ٣٢٩) ط: دار المعرفة بيروت).
=

الغرض اگر اس طرح صورت حال کا جائزہ لیا جائے تو اشکال ختم ہو جاتا ہے۔ [1]

---

* فتح المنعم شرح صحيح مسلم، باب من فضائل فاطمة رضى الله عنها (٩/ ٤١٨) ط: دار الشروق.
* ارشاد الساری لشرح صحيح البخاری، كتاب النكاح، باب: يقل الرجال ويكثر النساء (٨/ ١١٤) ط: المطبعة الكبرى الأميرية، مصر.

(1) یہ اعتراض کسی طرح بھی صحیح نہیں کہ کافر کی اولاد مسلمان ہو جائے تو بھی اس کے ساتھ امتیازی سلوک رکھا جائے گا، اس لیے کہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم پہلے مسلمان نہیں تھے، بعد میں مسلمان ہوئے، کسی سے امتیازی سلوک تو کیا ہوتا! عالی مقامات سے نوازا گیا، جانبین سے رشتے ہوئے، یہودیوں اور مشرکین کی بیٹیوں سے نکاح کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ام المؤمنین کے منصب کا تاج پہنایا۔

* عن عائشة أم المؤمنين قالت : لما قسم رسول الله صلى الله عليه وسلم سبايا بنى المصطلق، وقعت جويرة بنت الحارث في السهم لثابت بن قيس بن الشماس أو لابن عم له، وكاتبته على نفسها، وكانت امرأة حلوة ملاحة لا يراها أحد إلاَّ أخذت بنفسه، فأتت رسول الله صلى الله عليه وسلم تستعينه في كتابته قالت : فوالله ما هو إلاَّ أن رأيتها على باب حجرتي فكرهتها وعرفت أنّه سيرى منها مارأيت فدخلت عليه ، فقالت يا رسول الله ! أنا جويرية بنت الحارث بن أبي ضرار سيد قومه، وقد أصابني من البلاء مالم يخف عليك ... قال : فهل لك في خير من ذلك؟ قالت : وما هو يارسول الله؟ قال : أقضي كتابتك وأتزوجك ، قالت : نعم يا رسول الله! قال: قد فعلت ، قالت : وقد خرج الخبر إلى النّاس إنّ رسول الله صلى الله عليه وسلم تزوج جويرية بنت الحارث . فقال النّاس: أصهار رسول الله صلى الله عليه وسلم فأرسلوا ما بأيديهم، قالت : فلقد أعتق بتزويجه إيّاها مائة أهل بيت من بني المصطلق، فما أعلم امرأة كانت أعظم بركة على قومها منها . (مسند أحمد بن حنبل، حديث السيدة عائشة رضي الله عنها، رقم الحديث: ٢٧٤٠٨، (٦/ ٢٧٧) ط: مؤسّسة القرطبة القاهرة)

* عن أنس بن مالك أنّ رسول الله صلى الله عليه وسلم غزا خيبر، فصلينا عندها صلاة الغداة بغلس ... قال بعض أصحابنا: والخميس يعني الجيش ، قال : فأصبناها عنوة، فجمع السبي، فجاء دحية فقال: يا نبي الله! أعطني جارية من السبي فقال : إذهب فخذ جارية فأخذ صفية بنت حيي، فجاء رجل إلى النّبي صلى الله عليه وسلم فقال: يا نبي الله! أعطيت دحية بنت حيي سيدة قريظة والنضير لا تصلح إلاَّ لك ، قال : ادعوه بها ، فجاء بها فلمّا نظر إليها النّبي صلى الله =

عليه وسلم قال: خذ جارية من السبي غيرها ، قال : فأعتقها النّبي صلى الله عليه وسلم وتزوّجها... إلخ. (صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب ما يذكر في الفخذ ، (١/ ٥٤) ط: قديمى كراچى).

تاریخ اسلامی پر معمولی نظر رکھنے والے آدمی کو اس میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا کہ اسلام قبول کرنے کے بعد کسی کے کافر باپ کا کفر اولاد کے لیے باعث تذلیل ہو سکتا ہے، نہ ہی اولاد اپنے آباء کے گناہوں کی ذمہ دار ہوتی ہے، نہ ہی انہیں اس پر طعنہ دیا گیا، نہ ہی طعنہ دینا جائز ہے، چناں چہ حضرت عکرمہ بن ابی جہل کے ساتھ مسلمانوں کا کیا رویہ رہا؟ سیرت کا مطالعہ کرنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عکرمہ کے اسلام قبول کرنے کی نیت سے آتے وقت صحابہ سے کیا ارشاد فرمایا تھا، اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس پر ساری زندگی کیسے عمل کیا۔

عن أم سلمة قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: رأيت لأبي جهل عذقا في الجنة، فلما أسلم عكرمة بن أبي جهل قال: يا أم سلمة هذا هو، قالت أم سلمة: وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: شكا إليه عكرمة أنه إذا مر بالمدينة، قيل له: هذا ابن عدو الله أبي جهل، فقام رسول الله صلى الله عليه وسلم خطيبا، فقال: إن الناس معادن، خيارهم في الجاهلية خيارهم في الإسلام إذا فقهوا، لا تؤذوا مسلما بكافر صحيح الإسناد، ولم يخرجاه. (المستدرك على الصحيحين للحاكم تعليقات الذهبى فى التلخيص، ذكر مناقب عكرمة بن أبي جهل واسم أبيه (٢/ ٢٧١) ط: دار الكتب العلمية بيروت).

لہٰذا اس واقعے کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خصوصیت پر محمول کیا جائے گا، خصوصاً مقام نبوت کو دیکھتے ہوئے کہ جیسے عام آدمیوں کے درمیان محبت کے بغیر بھی ایمان باقی رہتا ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت فرض اور ایمان کا حصہ ہے، اسی طرح جو بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناگواری کا سبب ہو، اس سے بچنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

عام مسلمان کے لیے بیوی کا نفقہ اور اپنی حیثیت میں مال واسباب دینا لازم ہوتا ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے مطالبے پر انہیں صاف صاف دو امور میں سے ایک کا اختیار دیا گیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کریں یا دنیا کو اختیار کریں۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی موجودگی میں کسی دوسری عورت سے نکاح خصوصیت سے منع کیا گیا، کیوں کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا تھی۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی آئندہ کی خبریں بھی عطا کی گئیں، اور کسی شخص کے لیے آئندہ کیا مفید ہے اور کیا غیر مفید؟ یہ فیصلہ عام آدمی نہیں کر سکتا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعۂ وحی اطلاع ہو سکتی ہے کہ کوئی جائز عمل

.....واللہ اعلم بالصواب

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ

(۱۲/صفر ۱۳۸۱ھ)

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دینے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کی باری دینے کے متعلق روایت پر اعتراض وجواب

سوال: ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو بوجہ پیرانہ سالی طلاق دینے کا ارادہ فرمایا، حضرت سودہ نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دی، اس طرح طلاق سے بچ گئیں۔ اس پر حسبِ ذیل شبہات وارد ہوتے ہیں:

۱- اپنی بیوی کو جب بوڑھی ہو جائے بلا عذر شرعی طلاق دے سکتے ہیں؟

۲- ''پیرانہ سالی'' عورت کا اختیاری امر ہے؟ اگر نہیں، تو اس بناپر طلاق کی کس طرح مستحق ہو جاتی ہے؟

۳- کیا اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق کا خوف دلا کر جبراً اس کی باری اور حقوقِ زوجیت معاف کرائے یا دوسری عورت کو دلوادے تو یہ جائز ہے؟

امید ہے کہ نمبر وار جواب رسائی سے ممنون فرمائیں گے!

جواب: دراصل سارے سوالات وشبہات کا منشا یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی خصوصیات

بھی آئندہ کسی شخص کے حق میں مضر ہو جائے گا، تو آئندہ کے نقصان کی پیش بندی بھی ملحوظ رکھی گئی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اصل بات وہی ہے جو حضرت بنوری رحمہ اللہ نے اگلے فتوے میں تحریر فرمائی ہے کہ: دراصل سارے سوالات وشبہات کا منشا یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات نبویہ کا خیال نہیں کیا گیا۔ واللہ اعلم۔ =

نبویہ جو ازواج مطہرات میں تھیں، اس کا خیال نہیں کیا گیا، نبی کریم ﷺ کے تعدد ازواج کی بنیادی حکمت یہ ہے کہ امت محمدیہ کی عورتوں کو دین کے مسائل معلوم ہو جائیں، اور ان کے ذریعے سے جلد سے جلد گھریلو زندگی کے احکام شرعیہ معلوم ہوں،[1] پھر اگر یہ محسوس ہو کہ اس بیوی کی زوجیت کی شرعی مصلحت پوری ہو چکی، یا یہ کہ کوئی بیوی یہاں تکلیف میں ہے، ممکن ہے کہ طلاق سے اس کو راحت پہنچے تو اس نظریے سے طلاق، پیغمبرانہ شفقت کا مقتضا ہوگا، نہ یہ کہ بے رحمی و وفا ترسی۔

بہر حال سودہ رضی اللہ عنہا کے قصہ میں اتنا ہے کہ ان کو یہ خیال تھا کہ شاید طلاق کی نوبت آجائے، انہوں نے یہ پیشکش کی میں آپ کی بیوی عقد نکاح میں رہنا پسند کرتی ہوں اور نفس کی خواہشات میری رخنہ ہو گئی ہیں؛ اس لیے یہ حق میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دینا چاہتی ہوں۔[2]

نبی کریم ﷺ پر ویسے حنفی نقطۂ نظر سے نوبت واجب نہ تھی، لیکن اپنے مکارم اخلاق کی بنا پر اپنے

---

(١) (فائدة) ذكر في حكمة تكثير نسائه وحبه فيهن أشياء: ... السادس: نقل الشريعة التي لايطلع عليها الرجال... إلخ (التلخيص الحبير، كتاب النكاح، فصل في التخفيف في النكاح، (٣/ ١١٤٦) ط: مكتبه نزار مصطفي الباز مكة المكرمة).

* فتح ذي الجلال والإكرام بشرح بلوغ المرام، كتاب الصيام، حكم القبلة للصائم، (٣/ ٢٠٨) ط: المكتب الإسلامية للنشر والتوزيع السعودية .

* تفسير المنار ، [النّساء : ٦] ، (٤/ ٣٠٣) ط: الهيئة المصرية العامة للكتاب.

(٢) وقال رزين: قال غير عطاء: هي سودة، وهو أصحّ، وهبت يومها لعائشة حين أراد رسول الله صلى الله عليه وسلم طلاقها، فقالت له: أمسكني، قدوهبت يومي لعائشة؛ لعلي أكون من نسائك في الجنة. (مشكاة المصابيح، كتاب النكاح، باب القسم، الفصل الثالث، عن عطاء، (ص: ٢٨٠) ط: قديمى كراچى).

* جامع الأصول في أحاديث الرسول، الكتاب الثاني في النكاح، الفصل الثاني في العدل بين النساء (١١/ ٥١٧) ط: مكتبة الحلواني.

* مسند أحمد، مسند الصديقة عائشة بنت الصديق رضي الله عنه (٤١/ ٣٥٣) ط: مؤسسة الرسالة.
=

ذمے اس کا التزام کیا تھا،[1] جو صاف واضح دلیل اس کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نفسانی خواہشات سے بالاتر رکھا۔

بلکہ سودہ کے قصہ میں فتح الباری وزرقانی میں طبقات ابن سعد کی روایت میں یہ ہے کہ طلاق اور کسی وجہ سے دی گئی تھی، اس پر انہوں نے درخواست پیش کی کہ مجھے آپ کی بیوی رہنے کی آرزو ہے، اگرچہ مجھے نفسانی اب کوئی خواہش باقی نہیں، پھر آپ نے رجوع کیا، اس کے بعد محض اپنے قلب کے تقاضے سے یہ پیشکش کی، اپنی باری صدیقہ کو دے دی۔[2] اگر صورت حال یہ ہو تو جو شبہ یہاں پر آسکتا تھا، وہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ نصوص قطعیہ سے جو آپ کی شفقت و مکارم اخلاق، ہمدردی متواتر ہو چکی ہے، وہ ایک راوی کے طرز تعبیر اور ایک آدھ حرف کے ایہام سے کیوں کر قطعی چیز ختم ہو جائے گی!! رسول اکرم ﷺ سے اتقیٰ واخشیٰ وارحم کوئی پیدا ہی نہیں ہوا، اس لیے ضروری ہے کہ اس روایت و تعبیر کی تاویل ایسی کی جائے کہ نصوص کے خلاف نہ ہو اور یہی انصاف کا طریقہ ہے۔

---

(١) قلنا: ذلك كان استحباباً لتطييب قلوبهنّ،... وذلك أنه لم يكن القسم واجباً عليه صلى الله عليه وسلم، قال تعالى: { ترجي من تشاء منهنّ وتؤوي اليك من تشاء }. (فتح القدير، كتاب النكاح، باب القسم، (٣/ ٣٠٣) ط: رشيديه).

* رد المحتار على الدرالمختار، كتاب النكاح، باب القسم، (٣/ ٢٠٦) ط: سعيدكراچی.

* البحر الرائق، كتاب النكاح، باب القسم، (٣/ ٢٢٠) ط: سعيد.

(٢) وأخرج ابن سعد بسند رجاله ثقات من رواية القاسم بن أبي بزة مرسلاً: أن النبي صلى الله عليه وسلم طلّقها، فقعدت له على طريقه، فقالت: والذي بعثك بالحق مالي في الرجال حاجة؛ ولكن أحبّ أن أبعث مع نسائك يوم القيامة، فأنشدك بالذي أنزل عليك الكتاب هل طلقتني لموجدة وجدتها عليّ؟ قال: لا، قالت: فأنشدك لما راجعتني، فراجعها، قالت: فإني قدجعلت يومي وليلتي لعائشة حبة رسول الله صلى الله عليه وسلم. (فتح الباري، كتاب النكاح، باب العدل بين النساء (٩/ ٣١٣) ط: دار المعرفة بيروت).

* تحفة الأحوذي شرح جامع الترمذي، أبواب التفسير عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب ومن سورة النساء، (٨/ ٣٩٦) ط: قديمی كتب خانه كراچی.

اب جو شکوک وشبہات پیدا ہوئے ہیں خود بخود ختم ہو جاتے ہیں، اب ایک تعبیر کی وجہ سے عام استنباط کر کے جدید مسائل پیدا کرنا درست نہ ہوگا۔ **واللہ سبحانہ ولي التوفيق والهداية!**

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ

(۱۲/صفر، ۱۳۸۱ھ)

حدیث "من تشبّه بقوم فهو منهم" کا مطلب

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں:

" من تشبّه بقوم فهو منهم ".

۱- اس حدیث شریف کا کیا مطلب ہے؟

۲- پتلون، پینٹ اس میں داخل ہے یا خارج؟ جائز یا ناجائز؟ ناجائز تو کیوں؟

۳- کہا جاتا ہے تشبہ ابتدا میں ہوتا ہے، لیکن جب مسلمان خود اپنا لیں تو تشبہ نہیں رہتا، یہ کہاں تک صحیح ہے؟ تو اس قاعدہ پر پینٹ، پتلون داخل ہیں یا خارج؟ تقریباً پاکستان میں اوسطاً ۳/۵ پتلون پہنتے ہیں۔

جواب: ۱- حدیثِ تشبہ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص کسی قوم کا شعار لباس وغیرہ میں اس لیے اختیار کرے کہ یہ معلوم ہو اس قوم کا فرد ہے، تو انہی میں شمار ہوگا۔[1]

---

(۱) وعنه (ابن عمر) قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من تشبه بقوم فهو منهم. رواه أحمد وأبوداود. (مشكاة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، (ص:۳۷۵) ط: قديمى كراچى).

* (قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من تشبه بقوم) أي: من شبه نفسه بالكفار مثلاً في اللباس وغيره أو بالفساق أو الفجار أو بأهل التصوف والصلحاء الأبرار (فهو منهم) أي: في الإثم والخير. قال الطيبي: هذا عام في الخلق والخلق والشعار، ولماكان الشعار أظهر في الشبه ذكر في

۲ – پتلون، پینٹ وغیرہ اب کفار کی قوم کا مخصوص شعار نہیں رہا، اس لیے کراہت زیادہ سے زیادہ ہوگی، حرمت نہیں، نیز مقصد بھی یہ نہیں ہوتا ہے کہ میں انگریز معلوم ہوں۔

۳ – جب کوئی چیز عام ہو جائے، مسلمان و کفار دونوں استعمال کریں تو خصوصیت ختم ہونے سے تشبہ رہتا نہیں، یہ درست ہے۔[1] واللہ اعلم

محمد یوسف بنوری

شب براءت کے متعلق حدیث کی تحقیق

سوال: إلى فضيلة الشيخ يوسف البنوري عافاه الله

والسلام عليكم ورحمة الله وبركاته

وبعد تقديم فروض التحية وواجبات الولاء يافضيلة الشيخ! أفتوني مأجورين وأريد أن أستخبركم ولأستضئ بعلومكم؛ لأنكم الأئمة والنجوم، مارأيكم في الأحاديث الآتية وماقيمتها عندكم؟

هذا الباب، قلت: بل الشعار هو المراد بالتشبه لاغير. (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، (٨/ ٢٥٥) ط: إمداديه ملتان).

* ان میں سے ہر چیز تشبہ کے لیے کافی ہے، مگر تشبہ کا حکم اسی صورت میں ہوتا ہے کہ دیکھنے والا اسے دیکھ کر اس شبہ میں پڑ جائے کہ یہ شخص اس قوم کا فرد ہے، مثلاً: ہیٹ لگانے والے کو کرسٹن سمجھا جائے تو جو چیزیں کہ غیر لوگوں میں بھی عام طور پر استعمال ہونے لگی ہوں، مثلاً: بوٹ، پتلون، کوٹ تو ان میں تشبہ کی جہت کمزور اور کراہت خفیف رہ جاتی ہے۔ (کفایت المفتی، **کتاب الحظر والإباحة، الفصل الأوّل في مايتعلق بلبس البنطلون والإزار وغيرهما**، [سوال: ۵۱۳۲] زیرِ عنوان: ''پینٹ شرٹ، ہیٹ اور انگریزی بالوں میں یہود و نصاریٰ سے مشابہت کا حکم''، (۲۸۶/۱۲) ط: إدارة الفاروق، جامعہ فاروقیہ کراچی)۔

(1) حوالہ بالا۔

"عن عائشة رضي الله عنها قام رسول الله صلى الله عليه وسلم من الليل يصلي، فأطال السجود حتى ظننت أنه قدقبض، فلما رأيت ذلك قمت حتى حركت إبهامه فتحرك، فرجعت، فلما رفع رأسه من السجود وفرغ من صلاته، قال: ياعائشة! ياحميراء! أظننت أن النبي صلى الله عليه وسلم قد خاس بك (أي غدر)؟ قلت: لا، والله يارسول الله! ولكني ظننت أنك قبضت لطول سجودك، فقال: أتدرين أي ليلة هذه؟ قلت: الله ورسوله أعلم، قال: هذه ليلة النصف من شعبان، إنّ الله عزّوجلّ يطلع على عباده في ليلة النصف من شعبان، فيغفر للمستغفرين ويرحم المسترحمين. الحديث رواه البيهقي".(١)

"وعنها قالت: فقدت رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات ليلة، فخرجت فإذا هو بالبقيع رافع رأسه إلى السماء، فقال لي: أكنت تخافين أن يحيف الله عليك ورسوله؟ قالت: يارسول لله! ظننت أنك أتيت بعض نسائك، فقال: إن الله تعالى ينزل ليلة النصف من شعبان إلى السماء الدنيا فيغفر للأكثر من عدد شعر غنم كلب. الحديث رواه أحمد".(٢)

فصّل كل الفصل وبيّن كل البيان.

جواب: باسم الله الرحمن الرحيم

إلى الأخ في سبيل الله الشيخ عبدالملك عبدالرؤوف المحترم وفقه الله للخير.

---

(١) شعب الإيمان للبيهقي، كتاب الصيام، باب ماجاء في ليلة النصف من شعبان، [رقم الحديث: ٣٥٥٤] (٥/ ٣٦١) ط: مكتبة الرشد، الرياض)

(٢) مسند الإمام أحمد، مسند الصديقة عائشة بنت الصديق، [رقم الحديث:٢٦٠١٨] ط: مؤسسة الرسالة، الطبعة الأولى، ١٤٢١هـ - ٢٠٠١م)

تحية وسلاماً، وبعد! فقد تسلمت كتابكم الكريم ووقفت على سؤال سيادتكم، فأقول: إن الحديث الذي روته عائشة من حديث طويل هو حديث صحيح على اصطلاح أبي حنيفة ومالك رحمهما الله، حيث إن رجال الإسناد ثقات، إلا أن العلاء بن الحارث لم يسمع من عائشة، فالحديث فيه انقطاع،(١) وأبوحنيفة ومالك لايريان الإنقطاع قادحاً في الصحّة،(٢) ولو سلّم ضعفه عند الجمهور بسبب الإرسال والإنقطاع فهو مقبول حيث إنه في فضائل الأعمال، والضعيف مقبول ومعمول عند

(١) قلت: هذا مرسل جيد، ويحتمل أن يكون العلاء بن الحارث أخذه من مكحول، والله أعلم. (شعب الإيمان للبيهقي، باب في حب النبي صلى الله عليه وسلم، [رقم الحديث:٣٥٥٤] (٣/ ٣٨٣) ط: دار الكتب العلمية بيروت).

* تحفة الأحوذي شرح جامع الترمذي، أبواب الصوم، باب ماجاء في ليلة النصف من شعبان، [رقم الحديث: ٧٣٩] (٣/ ٣٦٦) ط: دارالكتب العلمية، بيروت.

* مرعاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب قيام شهر رمضان، الفصل الثالث، (٤/ ٣٤١) ط: إدارة البحوث العلمية والدعوة والإفتاء، بنارس الهند.

(٢) وقيل: المرسل مارفعه التابعي الكبير، ومراسيل صغارهم تسمى منقطعة، حكاه ابن عبدالبر عن قوم، وقيل: ماسقط راو من إسناده فأكثر من أي موضع كان، فعلى هذا المرسل والمنقطع واحد ... حكم العمل بالمرسل: ذهب الجمهور إلى ضعفه وسقوط الإحتجاج به، ونقله مسلم في صدر صحيحه عن قول أهل العلم بالأخبار لاحتمال سماعه من بعض التابعين أو ممن لايوثق بصحبته، وقال بقبوله مالك وأبوحنيفة. (البحر المحيط في أصول الفقه، فصل في المرسل من الحديث، حكم العمل بالمرسل، (٣/ ٤٥٨) ط:دارالكتب العلمية، بيروت).

* إعلام الموقعين عن رب العالمين لابن قيم الجوزية، فصل [الرابع: الأخذ بالمرسل، والحديث الضعيف] (٢/ ٥٦) ط: دارابن الجوزي للنشر والتوزيع، السعودية.

* الكفاية في علم الرواية للخطيب البغدادي، باب الكلام في إرسال الحديث، (١/ ٣٨٤) ط: المكتبة العلمية بالمدينة المنورة.

=

جمهرة المحدثين في باب الفضائل،[1] ولعلّ هذا الكلام يكفي ويشفي.

والسلام عليكم ورحمة الله

مخلصكم: محمد يوسف البنوري

(۱۰/رجب ۱۳۹۴ھ)

---

(۱) قال السيوطي في تدريب الراوي شرح تقريب النواوي: (ويجوز عند أهل الحديث وغيرهم التساهل في الأسانيد) الضعيفة (ورواية ماسوى الموضوع من الضعيف والعمل به من غير بيان ضعفه في غير صفات الله تعالى) ومايجوز ويستحيل عليه وتفسير كلامه (والأحكام كالحلال والحرام) وغيرهما وذلك كالقصص وفضائل الأعمال والمواعظ وغيرها (ممالاتعلق له بالعقائد والأحكام) ومن نقل عنه ذلك: ابن حنبل وابن مهدي وابن المبارك، قالوا: إذا روينا في الحلال والحرام شددنا، وإذا روينا في الفضائل ونحوها تساهلنا.

تنبيه: لم يذكر ابن الصلاح والمصنف هنا وفي سائر كتبه لماذكر سوى هذا الشرط، وهو كونه في الفضائل ونحوها، وذكر شيخ الإسلام له ثلاثة شروط:

أحدها: أن يكون الضعف غير شديد، فيخرج من انفرد من الكذابين والمتهمين بالكذب ومن فحش غلطه، نقل العلائي الإتفاق عليه.الثاني:أن يندرج تحت أصل معمول به.الثالث: أن لايعتقد عند العمل به ثبوته بل يعتقد الإحتياط.

وقال: هذان ذكرهما ابن عبدالسلام وابن دقيق العيد.

قال المحقق عبدالوهاب عبداللطيف الأستاذ سابقاًبكلية أصول الدين بجامعة الأزهر تحته: "نص على قبول الضعيف في فضائل الأعمال أحمد بن حنبل وابن سيد الناس والنووي والعراقي والسخاوي والشيخ زكريا وابن حجر العسقلاني والسيوطي وعلي القاري، بل ذهب ابن الهمام إلى أنه يثبت به الاستحباب، وأشار إلى ذلك النووي وابن حجر المكي والجلال الدواني، وممن منع العمل به الشهاب الخفاجي والجلال الدواني. وتوسع في القول فيه والعمل به اللكنوي في ظفر الأماني بشرح خلاصة الجرجاني، وفي رسالته "الأجوبة الفاضلة" وممن أفاض في ذلك ابن عدي في مقدمة كتابه "الكامل" والخطيب في "الكفاية". (تدريب الراوي في شرح تقريب النواوي، للسيوطي، (۱/ ۲۹۸، ۲۹۹) ط: المكتبة العلمية بالمدينة المنورة).

* ومن المقرر أن الحديث الضعيف يعمل به في فضائل الأعمال. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب العلم، الفصل الأول، (۱/ ۲٦٦) ط: مكتبه إمداديه، ملتان).
* فالضعيف غير الموضوع يعمل به في فضائل الأعمال. (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الإمامة، (۱/ ۳۰۳) ط: رشيديه).

اشارۃً ناتمام درود شریف لکھنے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد میں محراب کے اوپر حسبِ ذیل عبارت تحریر ہے:

"لا الٰه إلَّاالله محمد رسول الله"

اس عبارت میں محمد رسول اللہ کے "اللہ" کے اوپر صاد کا اشارہ درود شریف کے لیے ہے۔

ایک صاحب فرماتے ہیں کہ: یہ صاد کا اشارہ "اللہ" پر نہیں ہونا چاہیے، بلکہ محمد پر ہونا چاہیے، جلد از جلد اس غلطی کی تصحیح کی جائے، یہ اللہ تعالیٰ کی توہین ہے۔

دوسرے صاحب کہتے ہیں کہ: یہ صاد کا اشارہ پورے جملے "**لا الٰه إلَّاالله محمد رسول الله**" پر ہے، نہ صرف "اللہ" پر ہے، جیسے لکھا ہوا ہے، نہ "**لا الٰه إلَّاالله**" پر ہے، اب کوئی توہین یا غلطی نہیں۔ مسئلہ دریافت ہے کہ یوں لکھنا درست ہے یا نہیں؟

جواب: نبی علیہ السلام کے اسم گرامی کے ساتھ درود شریف کے لیے اشارۃً ناتمام صلاۃ وسلام، ایک حرف یا دو حرف یا تین حروف یا "صلعم" کے لکھنے کو علماء نے غیر پسندیدہ اور مکروہ قرار دیا ہے، بلکہ علماء نے لکھا ہے کہ: جس شخص نے سب سے پہلے یہ بدعت ایجاد کی، اس کا ہاتھ کاٹا گیا، علامہ سخاوی نے اس طرح لکھنے کو جاہلانہ فعل قرار دیا ہے، امام احمد بن حنبل نے اس کو امر شنیع قرار دیا ہے، اور پورا صلاۃ وسلام ان کے نام نامی کے ساتھ لکھنے کو علماء نے مستحب لکھا ہے۔ چناں چہ **معارف السنن للشيخ البنوري** میں لکھا ہے:

"ومايكتبون من لفظ "صلعم" رمزاً لقوله صلى الله عليه وسلم فغير مرضي. وقال في التدريب (ص:١٥٤): "ويكره الرمز إليهما في الكتابة بحرف أوحرفين كمن يكتب "صلعم" بل يكتبهما بكمالهما، ويقال: إن

أول من رمزها بـ"صلعم" قطعت يده..."الخ

قال العراقي في ألفيته: "واجتنب الرمز لها ... قال السخاوي في شرحها: "كما يفعله الكسائي والجهلة من أبناء العجم غالباً وعوام الطلبة فيكتبون بدلاً عن "صلى الله عليه وسلم" "ص" أو "صم" أو "صلم" أو "صلعم"، فذلك مما فيه من نقص الأجر لنقص الكتابة خلاف الأولى" الخ. قال الشيخ: وقدشنع عليه أحمد بن حنبل ولم أقف عليه".[1]

لہٰذا (ص) کا اشارہ کلمہ طیبہ میں بالکل نہیں ہونا چاہیے، اور کلمۂ طیبہ میں پورا صلاۃ وسلام بھی نہیں لکھنا چاہیے، البتہ کلمۂ طیبہ کے بعد زبانی "صلى الله عليه وسلم" کہنا چاہیے، یہی بہتر ہے، تاکہ امر شریعت میں زیادتی نہ آجائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح	الجواب صحیح	کتبہ
محمد یوسف بنوری غفرلہ	ولی حسن	احمد الرحمن غفرلہ (۱۳۸۹/۵/۲۸ھ)

(١) معارف السنن شرح سنن الترمذي، أبواب الصلاة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب... في صفة الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم، كتابة الصلاة كاملة دون الإشارة، (٤/ ٢٩٧) ط: مجلس الدعوة والتحقيق الإسلامي، علامه بنوری تاؤن کراچی.

* ثم حذر رحمه الله تعالى من التقصير فيها صورة كما يفعله بعض المحرومين يشيرون إليها بنحو "صلعم" بدلاً عن "صلى الله عليه وسلم". (الدر المنضود لابن حجر الهيتمي، الفصل السادس في ذكر أمور مخصوصة تشرع الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم فيها، السادس والأربعون، (ص:١٤٩) ط: دار الكتب العلمية، بيروت).

* شرح الطيبي، كتاب الصلاة، باب الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم وفضلها، (٢/ ٣٦٤) ط: إدارة القرآن كراچی.

معراج کی رات طویل تھی یا معمولی؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومشائخ عظام اس مسئلہ میں کہ معراج کی رات طویل تھی یا قصیر؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اٹھارہ سال کی تھی، بعض کہتے ہیں کہ معمولی سی رات تھی۔

فاكتبوا الجواب مع الحوالة في اللسان العربي، هذا يكون فضلاً لكم على العبد العاصي! والسلام

مستفتی: حمید اللہ جان غفرلہ

جواب: ليلة الإسراء أو المعراج لم تكن طويلةً، وإنّما كانت مثل عامّة الليالي في حقّ سائر الناس، ثمّ في حقّه صلى الله عليه وسلم يحتمل أنّها طالت بطي الزمان، أو وقعت تلك الوقائع في أسرع وقت، وأن يرى هناك امتداد وتراخ، والكل محتمل،(۱) والعلم عند الله تعالى.

ويقول إمام العصر شيخنا محمد أنور شاه الديوبندي في قصيدة له:

وأبدى له طي الزمان فعاقه رويداً عن الأحوال حتّاه ماأجرى

الجواب صحیح

ولی حسن عفی عنہ

کتبہ

محمد یوسف البنوری [رجب ۱۳۷۷ھ]

مدرس مدرسہ عربیہ، نیوٹاؤن کراچی/۵

---

(۱) وروي أنه كان نائماً في بيت أمّ هانئ بعد صلاة العشاء فأسري به ورجع من ليلته. (تفسير الكشاف مع الحواشي، [الإسراء: ۱] (۲/ ٦٤٧) ط: دار الكتاب العربي بيروت).

* {أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ لَيْلًا}: بمعنى "بعض ليل" على تقليل وقت الإسراء. (إيجاز البيان عن معاني القرآن، ومن سورة بني إسرائيل، (۲/ ٤٩٣) ط: دار الغرب الإسلامي بيروت).

* {لَيْلًا} نصب على الظرف، وفيه تأكيد الإسراء، وفي تنكيره تقليل مدة الإسراء ؛ لأنّ التنكير فيه معنى البعضية، أخبر أنه أسري به في بعض الليل. (تفسير الإمام النيسابوري على هامش تفسير الطبري، [الإسراء: ۱] (٤/ ۱٥) ط: دار المعرفة بيروت لبنان).

صلحِ حدیبیہ میں حضور ﷺ کے حکم کے باوجود صحابہ رضی اللہ عنہم کی جانب سے حلق وقربانی میں تاخیر کی توجیہ

سوال: کسی شخص نے بولا کہ میں نے کسی بڑے عالم سے روبرو سنا ہے کہ صلح حدیبیہ میں حضور ﷺ نے اصحاب کو تین دفعہ فرمایا کہ قربانی کرو، کسی نے بھی قربانی نہیں کی، آخر آپ ﷺ ناراض ہو کر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لائے، اور یہ شکایت بیان فرمائی، حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ آپ قربانی کریں، وہ بھی کریں گے، جب حضور ﷺ نے قربانی کی، تو سب اصحاب نے قربانی کی، مشکاۃ شریف میں جو حدیث لکھی ہوئی ہے، اس میں تو یہ بات نہیں ہے، کیا یہ بات صحیح ہے یا غیر صحیح؟ یہ بات تو اصحاب رضوان اللہ علیہم کے شان کے شایان نہیں ہے، آپ نوازش فرما کر تسلی بخش جواب عنایت فرماویں۔

جواب: صحیح واقعہ جو صحیح بخاری شریف میں ہے، وہ یہ ہے کہ احرام کھولنے کے متعلق آپ نے صحابہ کو فرمایا، صحابہ نے اس خیال سے توقف کیا کہ شاید حکم ہو جائے گا کہ جاؤ عمرہ کر آؤ، اگرچہ جہاد کرنا پڑے، رسول اللہ ﷺ کو خیال ہوا کہ تعمیلِ حکم میں تردد کیوں کرتے ہیں؟ حضرت ام سلمہ سے ذکر فرمایا، انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ آپ خود احرام کھلوائیں، (یعنی پھر دیکھ لیں کیسے تعمیل کرتے ہیں)، چناں چہ آپ نے حجام کو بلایا، اور حجامت کرانے بیٹھ گئے، اب ہر شخص کی خواہش یہی تھی کہ وہ جلد سے جلد تعمیل کرے۔[1]

---

(١) فلمّا فرغ من قضية الكتاب، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لأصحابه: قوموا فانحروا ثمّ احلقوا، قال: فو الله ماقام منهم رجل حتى قال ذلك ثلاث مرات، فلما لم يقم منهم أحد دخل على أم سلمة فذكر لها مالقي من الناس، فقالت أم سلمة: يانبي الله! أتحبّ ذاك؟ اخرج ثم لاتكلم أحداً منهم كلمة حتى تنحر بدنك وتدعو حالقك فيحلقك، فخرج فلم يكلّم أحداً منهم حتى فعل ذلك، نحر بدنه ودعا حالقه فحلقه، فلما رأوا ذلك قاموا فنحروا وجعل

معلوم ہوا کہ تردد یا توقف صرف اس امید پر تھا کہ شاید احرام نہ کھولنے کی اجازت دی جائے گی، اور جب معلوم ہوا کہ یہ حکم آخری ہے، کسی نے تردد نہیں کیا، اس صورت میں صحابہ کی شانِ اطاعت کے خلاف کوئی بات نہیں، بلکہ انتہائی جذبۂ اطاعت ہے۔ محمد یوسف بنوری

صحابی کی رائے چھوڑ کر اپنی رائے پر عمل کرنے کا حکم

سوال: کیا اب بھی کوئی جگہ ہے کہ صحابہ کی رائے ہوتے ہوئے کسی نے اپنی رائے پر عمل کیا ہو اور صحابی کی رائے کو چھوڑ دیا ہو؟ جواب مفصل دیں! مستفتی: احمد شہزادہ

جواب: بظاہر اس کی نظیر اختلافاتِ ائمہ میں نہیں ملے گی کہ حدیث میں کوئی تصریح نہ ہو، اور پھر صحابہ میں ان کا تعامل موجود ہو، اس کو ترک کر دیا جائے، اور صرف اپنی رائے سے کام لیا جائے۔[1] البتہ اس کے نظائر بہت ہیں کہ صحابہ میں آراء کا اختلاف رہا، ان میں کسی ایک کو ترک کیا گیا، اور

بعضهم يحلق بعضاً حتى كاد بعضهم يقتل بعضاً غمًّا. (صحيح البخاري، كتاب الشروط، باب الشروط في الجهاد والمصالحة مع أهل الحرب وكتابة الشروط مع الناس بالقول، (١/ ٣٨٠) ط: قديمى كتب خانه كراچى).

* السنن الكبرٰى للبيهقي، باب من أحصر بعد وهو محرم، رقم الحديث: ١٠٣٦٨، (٥/ ٢١٥) ط: مجلس دائرة المعارف حيدر آباد هند.
* صحيح ابن حبّان، باب الموادعة والمهاونة، رقم الحديث: ٤٨٧١، (١١/ ٢١٦) ط: مؤسّسة الرسالة، بيروت).

(١) أخرج الدارمي عن المسيّب بن رافع قال: كانوا إذا نزلت فيهم قضية ليس فيها عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أثر اجتمعوا لها وأجمعوا، فالحقّ فيما رأوا فالحق فيما رأوا. (إزالة الخفاء عن خلافة الخلفاء، مترجم، (١/ ٥٠٩) ط: قديمى كتب خانه كراچى).

* ذكرنا في صدر كلامنا في أصول أبي حنيفة رضي الله عنه أنّه قال: إن لم أجد في كتاب الله ولا سنّة رسول الله صلى الله عليه وسلم أخذت بقول أصحابه، أٰخذ بقول من شئت وأدع من شئت منهم ...إلخ. (أبوحنيفة للإمام أبي زهرة، (ص: ٢٦٧) ط: دار الفكر بيروت).

=

دوسرے کو اختیار کیا گیا۔[1]

اس وقت بہت عجلت میں یہ چند سطریں لکھ سکا، مزید تفصیل ودلائل کی اس وقت فرصت نہیں۔

محمد یوسف بنوری

(۱۳۸۳/۳/۵ھ)

رجال کی کتب میں ''شیعي محترق'' کے الفاظ کا مطلب

کتبِ ستہ کے بعض رواۃ شیعہ ہیں

شیعہ ''داعیه إلی النحلة'' نہ ہو تو شیعیت کی بنا پر غیر ثقہ نہیں

سوال:-۱ رجال کی بعض کتابوں میں ایک لفظ ''**هو شيعي محترق**'' آیا کرتا ہے، اس کے متعلق دریافت کرنا ہے، محترق ہونے کا کیا مقصد ہے؟ ان کی کچھ جماعت کہیں جلائی گئی تھی؟ یا اور کوئی مقصد ہے؟

---

* وحاصل صنيعهم أن يتمسّك بمسند من حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم ، والمرسل جميعًا، ويستدلّ بأقوال الصحابة والتابعين علمًا منهم أنّها إما أحاديث منقولة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم احتقروها وجعلوها موقوفة ... أو يكون استنباطًا منهم من المنصوص أو اجتهادًا منهم بآرائهم، وهم أحسن صنيعًا في كل ذلك ممّن يجيئ بعدهم وأكثر إصابة وأقدم زمانًا وأوعٰى علمًا فتعين العمل بها.(حجة الله البالغة، المبحث استنباطًا، مبحث الشرائع من حديث النّبي صلى الله عليه وسلم، باب أسباب اختلاف مذاهب الفقهاء، (١/ ١٤٤، ١٤٥) ط: إدارة الطباعة المنيرية بمصر).

* مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: مقام ابی حنیفۃ، تالیف: مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ، عنوان: امام صاحب کس وقت رائے قائم کرتے تھے؟(ص:۱۸۲)ط: مکتبہ صفدریہ، نزد مدرسہ نصرۃ العلوم، گھنٹہ گھر، گوجرانوالہ۔

(۱) انظر إلى الحاشية (الرقم:۱).

۲ – بعض اسناد ایسی ملتی ہیں کہ ان کے رجال شیعہ اور سنی دونوں کے اسماء رجال میں پائے جاتے ہیں، یا بعض اسناد میں ایسے افراد ہوتے ہیں کہ سنیوں کے یہاں تو ان کا کوئی پتہ نہیں چلتا، البتہ شیعہ رجال میں وہ شخص مذکور ہوتا ہے، اور کوئی جرح اس پر نہیں ہوتی۔

پہلی صورت [بظاہر دوسری صورت ہونا چاہیے، لیکن اصل میں اسی طرح نقل ہے۔ واللہ اعلم] میں تو وہ یقیناً شیعہ ہی شمار ہونا چاہیے، جب کہ ہمارے رجال میں اس کا کوئی پتہ نہیں، اور شیعوں کے رجال میں اس کا شمار ہوتا ہے۔

جواب:-۱ **شيعي محترق**: محترق فرقہ کافرقہ نہیں۔ [یہ بھی اسی طرح نقل ہے، بظاہر یوں ہوگا: محترق نام کافرقہ نہیں] "**التبصير في الدين في تمييزالفرق الناجية من الهالكين لأبي المظفر الاسفرائيني**" جو فرق کی تفصیل میں عمدہ ترین اور جامع کتاب ہے، میں اس فرقہ کا ذکر نہیں، بظاہر مراد ہے کہ غالی شیعہ ہے۔[1]

۲– درست ہے کہ صحاح میں بلکہ خود صحیح بخاری میں ایسے افراد موجود ہیں کہ وہ شیعہ تھے، لیکن ان حضرات کی رائے یہ تھی کہ جو شیعہ "**داعيه إلى النحلة**" نہ ہو اور حدیث میں کذب کا صدور نہ ہو تو شیعیت کی بنا پر غیر ثقہ نہیں،[2] اسی طرح بعض خوارج بھی رواۃ میں ہیں۔

---

(۱) قال ابن عدي: حدّث بأحاديث موضوعة، محترق في الرفض. (لسان الميزان، لابن حجر العسقلاني، من اسمه عيسى، (٤/ ٤٠٦) ط: مؤسسة الأعلمي للمطبوعات بيروت).

* وهو أحد من يعد من المحترقين بالكوفة في التشيع، وعلى ضعفه يكتب حديثه. (مختصر الكامل في الضعفاء، حرف الحاء، من اسمه حارث، (١/ ٢٣٤) ط: مكتبة السنة، القاهرة).

(۲) قلت: فهذا شيعي داعية، والمذهب الأعدل رد روايته على مذهب الجمهور. (الإنتهاء لمعرفة الأحاديث التي لم يفت بها الفقهاء، الحديث الثالث والعشرون في المتابعين إن اختلفا (١/ ٣٤١) ط: دار ابن حزم بيروت).

البتہ جو غالی شیعہ ہو اور یا داعیہ ہے تو حدیث اس کی وجہ سے ضعیف ہو گی، جیسے جابر جعفی یا حارث اعور، صحاح میں تو کوئی ایسا راوی نہیں ہے، جس کا ذکر "تہذیب التهذیب" اور "میزان الإعتدال" میں نہ ہو۔

محمد یوسف بنوری [۱۳۷۸ھ]

فرض اور واجب کی تعریف اور ان کے درمیان فرق باعتبارِ ثبوت و دلالت ادلّہ سمعیہ کی اقسام

سوال: فضيلة العلامة مولانا الجليل الشيخ محمد يوسف البنوري حفظه الله! السلام عليكم ورحمة الله وبركاته!

وردتنا المسألة التالية من أحد المسلمين في سيلان، فنرجو التفضل بالإجابة عليها، وننشر الإجابة في العرب، ليعمّ فائدتها.

ما الفرق بين الفروض والواجبات على المذاهب الأربعة؟ وكيف نشأ هذا؟ والسلام على فضيلتكم ورحمة الله!

المخلص: عبدالمنعم العدوي (١٠/ صفرالخير، ١٣٩٠ھ)

جواب: حضرة الأستاذ السيد عبدالمنعم العدوي المحترم وفقه الله لكل خير، تحية وسلاماً!

الأدلة السمعية أي: القرآن والحديث وآثار الصحابة، منها: قطعية الثبوت: كالقرآن الكريم، والأخبار المتواترة، وقطعية الدلالة. ومنها: ظنية الثبوت: كأخبار الآحاد، وظنية الدلالة على المراد. ومنها: مايكون

قطعية في الدلالة وظنية في الثبوت، وبالعكس.

فالقسم الأوّل يثبت به الفرضية، وبالثالث والرابع الواجب عند الحنفية، أو سنة مؤكدة أحياناً عندهم، وعند غيرهم سنة مؤكدة، وبالثاني المستحبات والمندوبات.[1]

هذا هو أصل المنشأ للإختلاف، وهناك وجوه أخر، ليس هذا محلّ تفصيلها. والسلام عليكم ورحمة الله وبركاته!

مخلصكم: محمد يوسف البنوري عفا الله عنه (٢٠/ ٤/ ١٩٧٠ھ)

تقلید واجب اور ضروری ہے

سوال: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! جناب بعد سلام مسنون خدمت عالیہ میں یہ عرض ہے کہ ہمارے اطراف میں چند مسائل کے مابین لوگوں کے درمیان بات چھڑ گئی ہے، جس کا ثالث آپ حضرات کو منتخب کیا گیا ہے کہ آپ حضرات جو فیصلہ عنایت کریں گے، اس پر ہم سب کا متحد ہونا اور اس پر

---

(١) أقول: بيان ذلك أن الأدلة السمعية أربعة: الأول: قطعي الثبوت والدلالة، كنصوص القرآن المفسرة أو المحكمة، والسنة المتواترة التي مفهومها قطعي، الثاني: قطعي الثبوت ظني الدلالة، كالآيات المؤولة، الثالث: عكسه كأخبار الآحاد التي مفهومها قطعي، الرابع: ظنيها كأخبار الآحاد التي مفهومها ظني، فبالأول يثبت الفرض والحرام، وبالثاني والثالث الواجب وكراهة التحريم، وبالرابع السنة والمستحب. (رد المحتار على الدر المختار، كتاب الطهارة، مطلب في الفرض القطعي والظني، (١/ ٩٥) ط: سعيد).

* حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان واجب الصلاة، (١/ ٣٣٧) ط: مكتبه غوثيه كراچی.
* معارف السنن، أبواب الصلاة، باب مفتاح الصلاة الطهور، مسألة إثبات مرتبة الواجب وتحقيقه بكل دقّة. (١/ ١٢٠) ط: مجلس الدعوة والتحقيق الإسلامي، علامه بنوری تاؤن كراچی. =

عمل کرنا ہم سب پر ضروری ہے، اس لیے بذریعہ خط مسئلہ ذیل میں آپ کا فیصلہ چاہتا ہوں۔

بنا بریں قوی امید و توقع کامل ہے کہ آپ حضرات ازراہِ کرم ہمارے ان مسائل کا صحیح فیصلہ عنایت فرما کر ہم کو حوادث و فتن سے باز رکھ کر خوش و ممنون فرمائیں۔ فقط والسلام

کسی کی تقلید کرنا جائز ہے یا نہیں؟

مستفتی: مولوی سراج الدین غفرلہ، ساکن بانی گرام خان باڑی، پوسٹ بانی گرام ضلع سلہٹ، شرقی پاکستان (۲۷/۴/۱۳۹۰ھ)

جواب: بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

چار اماموں میں سے کسی ایک امام کی تقلید جائز ہی نہیں، بلکہ واجب ہے، نہ کرنے والا گناہ گار ہوگا۔[1] والسلام

محمد یوسف بنوری

(۵/جمادی الاولی/۱۳۹۰ھ)

---

(۱) {فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ} [النحل:٤٣]

* واستدلّ بها (أي: بهذه الآية) أيضاً على وجوب المراجعة للعلماء فيما لايعلم، وفي الإكليل للجلال السيوطي: أنه استدلّ بها على جواز تقليد العامي في الفروع ... ويؤيد لک مانقل عن الجلال المحلي: أنه يلزم غير المجتهد عامياً كان أو غيره التقليد للمجتهد، لقوله تعالىٰ: {فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ}. (روح المعاني، [النحل:٤٣] (١٤/ ١٤٨) ط: إدارة الطباعة المنيرية).

* الآية دالة على أمور: أحدها: أن في أحكام الحوادث ما لا يعرف بالنص بل بالاستنباط. وثانيها: أن الاستنباط حجة. وثالثها: أن العامي يجب عليه تقليد العلماء في أحكام الحوادث... إلخ. (تفسير الإمام الفخر الرازي [النساء: ٨٣] (١/ ١٥٠٨) ط: دار إحياء التراث العربي بيروت).

* اتبعوا السواد الأعظم، ولما اندرست المذاهب الحقة إلا هذه المذاهب الأربعة كان اتباعها اتباعاً للسواد الأعظم، والخروج عنها خروجاً عن السواد الأعظم. (عقد الجيد، باب تاكيد الأخذ بهذه المذاهب الأربعة، (ص:٥٦، ٥٧) ط: قرآن محل، كراچی).

* حجة الله البالغة، المبحث السابع: مبحث استنباط الشرائع من حديث النبي صلى الله عليه وسلم، أجمعت الأمة على جواز تقليد المذاهب الأربعة، (١/ ٣٥٠) ط: قديمی كتب خانه كراچی.

مودودی صاحب مجتہد نہیں ہیں نیز اجتہاد کی شرائط

سوال: سید ابوالاعلی مودودی صاحب بڑے مجتہد ہیں یا نہیں؟ اور مجتہد کے لیے شرط کیا ہے؟

مستفتی: مولوی سراج الدین غفرلہ، ساکن بانی گرام خان باڑی، پوسٹ بانی گرام ضلع سلہٹ، شرقی پاکستان (۲۷/۴/۱۳۹۰ھ)

جواب: بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مودودی صاحب مجتہد نہیں، اجتہاد کی شرائط میں سب سے پہلے اخلاص و تقویٰ کا اونچا معیار شرط ہے۔[1]

---

(۱) عن علي قال: قلت: يا رسول لله! إن نزل بنا أمر ليس فيه بيان أمر ولانهي، فما تأمرني؟ قال: شاوروا فيه الفقهاء والعابدين، ولاتمضوا فيه رأي خاصة. رواه الطبراني في الأوسط، ورجاله موثقون من أهل الصحيح. (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، للحافظ نور الدين علي بن أبي بكر الهيثمي، كتاب العلم، باب في الإجماع، (١/ ١٧٨) ط: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان).

* عن محمد بن الحنفية عن علي قال: قلت: يا رسول الله إن نزل بنا أمر ليس فيه بيان أمر ولا نهي، فما تأمرنا؟ قال: تشاورون من الفقهاء والعابدين ولاتمضوا فيه رأي خاصة. (المعجم الأوسط للطبراني، رقم الحديث: ١٦١٨، (٢/ ١٧٢) ط: دار الحرمين ، القاهرة).

* اس حدیث سے جہاں اجتماعی شورائی فیصلوں کی نہ صرف اہمیت بلکہ فرضیت ثابت ہوئی، ساتھ ساتھ اس جماعت کی اہلیت کی شرائط بھی معلوم ہو گئیں: ۱- ایسے اہلِ علم ہوں کہ تفقہ في الدین ان کو حاصل ہو۔ ۲- صالح و متقی اور عبادت گزار ہوں۔ (بصائر و عبر (حضرت کے مضامین کا مجموعہ) زیر عنوان: "عصر حاضر کا اہم تقاضہ قدیم فقہ اسلامی کی روشنی میں جدید مسائل کا حل" (۱/۲۶۰) ط: بینات)۔

* وهٰذا يستفاد من أصول الفقه عارفًا من علوم القرآن والحديث والناسخ والمنسوخ والنحو واللغة والتصريف واختلاف العلماء واتفاقهم بالقدر الّذي يتمكن معه من الوفاء بشروط الأدلة والاقتباس منها ذا دربة وارتياض في استعمال ذلك عالمًا بالفقه ضابطًا لأمّهات مسائله وتفاريعه، فمن جمع هٰذه الأوصاف فهو المفتي المطلق المستقل الّذي يتأدى به فرض الكفاية،

شرائط وتفصیلات کے لیے حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا رسالہ "الإقتصاد في التقليد والإجتهاد" دیکھنا چاہیے۔ والسلام

محمد یوسف بنوری

(۵/جمادی الاولی/۱۳۹۰ھ)

نفرت انگیز بیانات اور علماء پر تعریض کرنے والے کو وعظ و تبلیغ سے روکنا

سوال: سوال اصل میں موجود نہیں ہے۔

جواب: ان صاحب کو اپنی تقریر میں دین کی موٹی موٹی باتیں بیان کرنی چاہئیں، اپنی تقریر میں علماء کرام کی موجودگی میں ایسی باتیں کرنے سے دین کا کچھ فائدہ نہ ہوگا، بلکہ لوگوں میں نفرت پھیلتی ہے، اس طرح علماء کرام پر تعریض کرنا قطعاً جائز نہیں۔ اگر یہ صاحب منافرت کی باتوں سے باز نہیں آتے تو ایسے شخص کو وعظ و تبلیغ کی اجازت نہیں دینی چاہیے۔[1]

وهو المجتهد المطلق المستقل؛ لأنّه يستقل بالأدلة بغير تقليد و تقليد بمذهب أحدٍ. (آداب الفتوىٰ والمفتى والمستفتي للنووي، فصل في أقسام المفتين، (١/ ٢٣) ط: دار الفكر دمشق).

* معالم أصول الفقه عند أهل السنة والجماعة، المبحث الأول: الاجتهاد، المسألة الثالثة: شروط الإجتهاد، (١/ ٤٧٢ ، ٤٧٣) ط: دار ابن الجوزي الرياض.

(١) يقول تعالىٰ: {وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ} أي منتصبة للقيام بأمر الله في الدعوة إلى الخير، والأمر بالمعروف والنهي عن المنكر {وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ} قال الضحاك: هم خاصة الصحابة وخاصة الرواة يعنى المجاهدين والعلماء، وقال أبو جعفر الباقر : قرأ رسول الله صلى الله عليه وسلم {وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ} ثم قال: الخير اتباع القرآن وسنتي " رواه ابن مردوية . والمقصود من هٰذه الآية أن تكون فرقة من الأمة متصدية لهٰذا الشأن، وإن كان ذلك واجبًا على كل فرد من الأمة بحسبه، كما ثبت في صحيح مسلم عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من رأى منكم منكرًا فليغيرْ بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح	الجواب صواب	کتبہ
ولی حسن محمد یوسف بنوری	عبدالسلام غفرلہ	بندہ احمد الرحمن غفرلہ (۱۶/۳/۱۳۹۲ھ)
		خادم دارالافتاء مدرسہ نیوٹاؤن

موجودہ دور میں جماعتِ حقہ کون سی ہے، جس سے الحاق کیا جائے؟

سوال: بعد از سلام واضح ہو کہ میں ایک معمولی درجہ کا مسلمان ہوں، اس وقت مسلمانوں کی جو حالت بالخصوص پاکستان کے مسلمانوں کی حالت ہے، آپ کے سامنے ہے، حالات بد سے بدتر ہوتے جاتے ہیں، ہر انسان زندگی سے تنگ آچکا ہے، سنا ہے مسلمانوں کی کسی حقانی جماعت سے منسلک ہونا چاہیے، اب ہمارے مسلک میں کافی تعداد میں جماعتیں موجود ہیں، جو اسلام اور مسلمین کی سربلندی کی دعوے دار ہیں، لیکن ہر جماعت اپنے آپ کو حق پر سمجھتی ہے اور دوسرے کو باطل پر، اس صورت میں مجھ جیسے عامی مسلمان کو جس کو نہ دین کی تعلیم ہے اور نہ فہم، کسی حقانی جماعت کا انتخاب بہت مشکل ہے۔

فبقلبه، وذلك أضعف الإيمان. (تفسير ابن كثير، آل عمران : ١٠٤ ، (٢/ ٩١) ط: دار طيبة للنشر والتوزيع الدمشقي).

* تفسير القرطبي ، آل عمران : ١٠٤، (٤/ ١٦٥) ط: دار عالم الكتب الرياض.
* {وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ} من للتبعيض ؛ لأنّ الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر من فروض الكفاية، ولأنّه لايصلح له كل أحد إذ للمتصدى له شروط لايشترط فيها جميع الأمة كالعلم بالأحكام ومراتب الاحتساب وكيفية إقامتها والتمكن من القيام... أو للتبيين بمعنى وكونوا أمّة يدعون كقوله تعالىٰ {كنتم خير أمّة أخرجت للنّاس تأمرون بالمعروف} والدعاء إلى الخير يعم الدعاء إلى ما فيه صلاح ديني أو دنيوي ... إلخ. (تفسير البيضاوي، آل عمران : ١٠٤، (٢/ ٣٢، ط: دار إحياء التراث العربي، بيروت).

اللہ پاک نے آپ کو دین کی تعلیم اور علم سے نوازا ہے، آپ نے تمام جماعتوں کے منشور، پروگرام، ان کا خلوص اور ان کے لیڈروں کے کردار کو دیکھا ہے، لہٰذا آپ سے گزارش ہے کہ مجھے مشورہ دیں کہ میں کس جماعت کے ساتھ منسلک ہو جاؤں؟ تاکہ مجھے بطور ایک صحیح مسلمان کے زندگی گزارنا نصیب ہو اور اللہ پاک مجھے دنیا وآخرت کی پریشانیوں سے محفوظ فرما کر دونوں جہانوں میں کامیاب فرماویں۔ میں بائیس سال کا نوجوان ہوں، اپنا اور امت کا حال دیکھ کر افسوس ہوتا ہے، لیکن عمل وعلم سے خالی ہوں، اور کوئی ترتیب سمجھ میں نہیں آئی۔

امید ہے آپ اپنے بلند پایہ علم کی روشنی میں غیر جانبدار ہو کر کسی ایک جماعت میں شامل ہونے کا قیمتی مشورہ عنایت فرما کر میرے حال پر رحم فرمائیں گے، اس پر خداوند قدوس آپ کو جزائے جزیل عطا فرماویں!

مستفتی: ماسٹر غلام اکبر چانڈیہ،
مکان نمبر: ۳ بلاک: ۴۳ ڈیرہ غازی خان
(۲۸/رجب/۱۳۹۳ھ)

جواب: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادر محترم **وفقك الله للخير** ! سلام مسنون

دینی وسیاسی مسائل میں ایسا اختلاف رہا ہے، اگر یہ اختلاف اخلاص سے ہو تو چنداں مضائقہ نہیں، لیکن اگر اغراض ومصالح کی وجہ سے ہو تو افسوس ناک ہے۔

موجودہ دور میں یہ حکم لگانا کہ فلاں جماعت بالکل حق پر ہے، مشکل ہے، کچھ نہ کچھ تقصیر ہر جگہ ہوتی ہے۔ البتہ جو شخص اخلاص کے ساتھ غور کر کے فیصلہ کر سکتا ہے کہ ان مختلف افکار میں کون زیادہ حق کے قریب ہے، جس طرف یہ خیال قائم ہو جائے تو اس کے ساتھ اخلاص سے ہو جایئے، بالفرض

اگران کے اندر غلطی بھی ہوگی تو امید عنداللہ معافی کی ہے،[1] اگر کسی جانب ترجیح نہ ہوسکے تو توقف کرلیاجائے، یہاں تک کہ راجح معلوم ہوجائے۔[2] والسلام

کتبہ: البنوري

(۳/رمضان، ۱۳۹۳ھ)

---

(١) فقد أخرج البخاري ومسلم و أبوداؤد والنسائی وابن ماجه من حديث عمرو بن العاص (إذا حكم الحاكم فاجتهد وأصاب فله أجران وإذا حكم فاجتهد فأخطأ فله أجر) وكذلك إذا قلنا بالشبه كما هو قول بعض الأصوليين، وأمّا إذا قلنا: كل مجتهد مصيب، فكل أحدٍ مأمور بالاجتهاد وباتّباع ما غلب على ظنه فلايلزم أن يكونوا كلهم مأمورين بالاتفاق، ولا أن لايكون اختلافهم منهيًا عنه وإطلاق الرحمة على هٰذا التقدير.... (روح المعاني . [آل عمران: ٩٦] ، (٤/ ٢٤) ط: دار إحيار التراث العربي بيروت).

(٢) إذا تعارض دليلان عند المجتهد ولم يترجح أحدهما وجب عليه التوقف، ولم يكن له الحكم بأحدهما ولا التخيير منهما، وبه قال أكثر الحنفية وأكثر الشافعية، وقال بعضهم: وبعض الحنفية يكون المجتهد مخيرًا في الأخذ بأيّهما شاء . (روضة الناظر وجنة المناظر لابن قدامه المقدسي، تعارض الأدلة، فصل، (١/ ٣٧٢) ط: جامعة الإمام محمد بن سعود الرياض، الطبعة الثانية ، ١٣٩٩هـ).

* إذا تعارض دليلان عند المجتهد ولم يترجّح أحدهما لزمه التوقف حتى يظهر المرجح. (المدخل لابن بدران المتوفٰى ١٣٤٦هـ، عقد نضيد في الإجتهاد والتقليد، (١/ ١٩٨) ط: دار الكتب العلمية بيروت).

كتاب التاريخ والسير

تاریخ وسیرت کا بیان

تاریخ کے لیے عیسوی سن اپنانے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء اس مسئلہ میں:

عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق عیسوی سنہ کا آغاز۔ نعوذ باللہ نقل کفر کفر نباشد۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات سے ہوا، اس صورت میں ہم مسلمانوں کو اس سنہ کا اپنانا کہاں تک درست ہے؟ نیز ہجری تاریخوں کے سال بھر کا کیلنڈر چھپوانا درست ہے یا نہیں؟ مستفتی: محمد رمضان

جواب: عیسائی سنہ، میلادی ہے، وفات کا نہیں، مسلمانوں کے لیے اسے ضرور قلمبند کرنا درست ہے، لیکن اس پر اکتفا نہ کیا جائے، اور بہتر یہ ہے کہ اپنی تحریرات اور مراسلات میں صرف ہجری تاریخ ہو، کلینڈر چھپوانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔[1] محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ

---

(١) قال حكيم الأمة رحمه الله تعالى: ومن ههنا علم أن استعمال الحساب الشمسي في المكاتبات والمخاطبات والمعاملات وإن كان جائزاً فلاريب أنه خلاف الأولى؛ لكونه خلاف سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم وسنة أصحابه والسلف الصالحين، وأيضاً فلما كان مدار الأحكام الشرعية والعبادات البدنية على الحساب القمري كان حفظه وضبطه فرضاً على الكفاية، وأحسن طرقه وأيسرها أن يستعمل في المكاتبات والمخاطبات والمعاملات اليومية، ولايخفي أن الإتيان بفرض الكفاية عبادة، وماكان طريقاً إلى حفظه فهو عبادة أيضاً، فاستعمال الحساب القمري مطلوب شرعاً، وبعيد من المسلم أن يترك المطلوب الشرعي ويستعمل الحساب الشمسي الذي هو ضده في الجملة، ويبعد منه كل البعد أن يميل إلى هذا الضد بحيث لايبقى له ميل إلى المطلوب الشرعي بالمرة كما هو مشاهد من عوائد أكثر المسلمين في هذا الزمان، بل ومن عادة كثير من العلماء أيضاً، فإلى الله المشتكى من انقلاب القلوب وميلها إلى العيوب المؤدية إلى الذنوب، وكل ذلك مع دعواهم بغض النصارى، وقد أشرب قلوبهم حب النصرانية، أعاذنا الله من ذلك ورزقنا حب السنة النبوية والعوائد الإسلامية إنه سميع مجيب. (أحكام القرآن، لحكيم الأمة مولانا أشرف علي التهانوي، [البقرة: ١٧٩] حكم استعمال الحساب الشمسي في المكاتب... إلخ. ط: إدارة القرآن والعلوم الاسلامية كراچی).

كتاب الطهارة

طہارت کا بیان

زکام کی وجہ سے نکلنے والے آنسو ناقضِ وضو نہیں

سوال: ما قولكم رحمكم الله تعالىٰ دراین مسئلہ کہ آیاآبِ زکام کہ از بینی شخصِ زکامی بیرون می آید نجس وناقض وضومی باشدیانہ؟بیّنوا توجروا

جواب: آبِ زکام کہ از بینی بیرون می آید ناقض وضونیست، زیراآبِ زکام از دماغ خارج می شود ودماغ محل نجاست نیست، وچیزی کہ از محلِ نجاست خارج نہ شود ناقض وضونمی باشد۔ وعبارتِ کہ در تحریرِ موجوداست:"بأن الزكام خارج بعلة"[1] مرادوی مطلق علت نیست، بلکہ مرادوی زخم ست، ورنہ مطلق اشک ہائے چشم ہم ناقض وضومی شد؛ زیرااشکھائے چشم ہم بدون علتی بیرون نمی شود، حالانکہ مطلق آبہائے چشم ناقض وضونیست، بلکہ آبہائے زکام از چشم ہم خارج نہ شود لذاناقض وضو نیست، پس ہمچنین از بینی بیرون می آید ناقض وضونمی شود۔

"الزكام بالضم والزكمة تجلب فضول رطبة من بطني الدماغ المقدمين إلى المنخرين."[2]

---

(١) تقريرات الرافعي على حاشية ابن عابدين المسمى بـ" التحرير المختار لرد المحتار "، كتاب الطهارة، باب الحيض، (١/ ٣٩) ط: سعيد.

(٢) القاموس المحيط للفيروز آبادى، باب الميم، فصل: الزاي، (٤/ ١٧٦) ط: دار إحياء التراث العربي، بيروت.

=

قال ابن عباس : المني بمنزلة المخاط.[1]

فثبت بهذه الرواية أن المخاط طاهر بالاتفاق، فلاينقض الوضوء بخروجه بلاحرج من الأنف وإن كان بعلة الزكام. فقط والله اعلم.

الجواب صحيح	كتبه
ولی حسن عفي عنه	اکبر علی اسلام آبادی

زکام کی وجہ سے نکلنے والے آنسوؤں کے ناقضِ وضو نہ ہونے پر بعض عباراتِ فقہاء کی روشنی میں سوال اور جواب

سوال: عرض آنکه استفتاء همرای مع جواب از دار الافتاء مدرسه عالميه نيو ٹاؤن بدست احقر افتاده. اما چون موشح بامضاء حضرت مولانا نبود بعض عبارات كتب باعث تردد گرديده در صحت جواب نظر به ذهن قاصر بنده لهذا در خدمت گرامی إرسال است، توقع از اخلاق كريمانه ان بزرگوار آن است كه پس از ترجيح احد الجوابين امضاء پس جواب را در لفافه انداخته إرسال فرمايند ، عين نوازش می باشد ، البته بديهی است كه فقط امضاء گرامی مطلوب است، احتياجی بنقل عبارات نيست۔

مستفتی: خادم العلماء والطلبہ محمد عبد اللہ

۱۵/رمضان ۱۳۸۲ھ ایران

---

(۱) جامع الترمذی ، أبواب الطهارة ، باب في المني يصيب الثوب ، (۱/ ۳۲) ، سعيد .

* شرح السنة للبغوي، كتاب الطهارة، باب بول الصبي الّذي لم يطعم، رقم لاحديث : ۲۹۸، (۲/ ۲۹۰) ط: المكتب الإسلامي ، بيروت .

تفصیلِ سوال:

العبارة الأولى:

"الدم والقيح والصديد وماء الجرح والنفطة والسرة والثدي والعين والأذن لعلة سواء على الأصح."[1]

العبارة الثانية: "كل ما يخرج من علة من أي موضع كان كالأذن والثدي والسرة ونحوها فإنّه ناقض على الأصح."[2]

العبارة الثالثة: "وصاحب عذر...، أو بعينه رمد أو عمش أو غرب، وكذا كل ما يخرج بوجع ولو من أذن و ثدي و سرة. (در)

ظاهره يعم الأنف إذا زكم، لكن صرحوا بأن ماء فم النائم طاهر ولو منتنًا فتأمل."[3]

از عبارات فوق واضح می شود که جواب فاضل مجیب مستقیم است، زیرا ثابت شد که هر چه بدرد و علت خارج می شود ناقض و نجس ست از هر موضعی که باشد، و محل نجاست بودن آن موضع شرط نیست. وظاهر است که از چشم یا گوش آب بعلت مرض بیرون بیاید اگر چه از سر که محل نجاست نیست خارج می شود، معهذا نجس و ناقض وضو است ، پس آب زکام بتصریح

(١) الفتاوٰى الهندية، كتاب الطهارة، الباب الأول في الوضوء وفيه خمسة فصول، الفصل الخامس في نواقض الوضوء، (١/ ١٠) ط: حقانيه پشاور.

(٢) غنية المستملي شرح منية المصلي المعروف بـ"حلبى كبير" الشرط الأول: الطهارة من الأحداث، فصل في نواقض الوضوء ، (ص: ١٣٣) ط: سهيل اكيدمى لاهور .

(٣) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الطهارة، باب الحيض، مطلب في أحكام المعذور، (١/ ٣٠٥) ط: سعيد.

طحطاوی که علامه شامی در عبارت اخیر اورا نقل کرده وهمچنان بعموم عبارت اولٰی وثانیه مثل آب چشم و گوش معلول نجس و ناقض وضو است. اما استدراك شامی بر عبارت طحطاوی بقوله: "**لكن صرحوا**"... الخ که در حقیقت اعتراض است پس صاحب تحریر بعد از تفسیرِ مفادِ استدراك و تشریحِ اعتراض به بهترین وجهین آنرا دفع نموده ملاحظه شود قوله: "**لكن صرحو**"...الخ.

"أي فمقتضى ماصرحوا به أن لايكون الزكام ناقضاً بالأولٰى لانبعاثه من الرأس الّذي ليس محل النجاسة ، وانبعاث الأوّل من الجوف الّذي هو محلها".[1]

تا این جا تقریر استدراك شامی بود بعد ازآن ، در جواب این استدراك وتائید قول طحطاوی می نویسد:

"**لكن يفرق بينهما بأن الزكام خارج بعلة، بخلاف ماء فم النائم ولو منتنًا اهـ**"[2]

یعنی آب زکام در عموم "**كل ما يخرج بوجع**" داخل است، وتصریح قوم بطهارت آب فم نائم موجب اشکال نیست، زیرا بین این دو آب فرق است، آب زکام هر چند که از رأس منبعث می شود ، چون بعلت زکام که مرض است خارج می شود پلید است وناقض وضو ، و آب دهان نائم اگر چه از جوف که محل نجاست است خارج می شود ولی چون بعلت مرض نیست پاك است اگرچه منتن باشد، شاید علامه شامی در آخر عبارت خود جمله "**فتأمل**" آورده بطرف همین فرق اشاره کرده غالبًا مجیب صاحب در عبارت "رد المحتار" و"تحریر"

(١) تقريرات الرافعي على حاشية ابن عابدين، كتاب الطهارة، باب الحيض، (١/ ٣٩) ط: سعيد.

(٢) تقريرات الرافعي على حاشية ابن عابدين ، كتاب الطهارة ، باب الحيض ، (١/ ٣٩) ط: سعيد.

بوجه عجلت کما ینبغی غور نفر موده، اختلاط عبارت موجب اشتباه گردیده، و پس علت را در عبارت تحریر "**الزکام خارج بعلة**" بحرج تاویل کرده، حالانکه این تاویل راست نمی آید، زیرا از عبارت اولی مفهوم شد که علت غیر از جرح است ، چه عطف تقاضای مغایرت می نماید، ونیز اگر از علت در عبارت تحریر جرح دار گرفته شود پس اگر معنی این است که هر زکام بعلت جرح است پس چرا مجیب آنرا تسلیم نمی کند، و آب زکام را که آب جرح است ناقض نمی داند، واگر معنی این است که بعض زکام بعلت جرح است و ناقض است، پس فرق بین زکام و ماء فم نائم که مقصود صاحب تحریر است ازبین خواهد رفت زیرا چون آب دهان نائم که بعلت جرح باشد هم نجس و ناقض وضو می باشد.

"وأمّا إذا علم أنه من قرحة ونحوها فلاخفاء في نجاسته، والكلام في ما إذا لم يعلم ذلك. انتهى."[1]

پس واضح شد که مقصد صاحب تحریر بیان فرق است بین آب زکام وبین ماء فم النائم که اول بعلت زکام است و ناقض است ، وثانی بدون علت ، یعنی مرض است و پاك است ، ولی چون جراحتی ، هر دو یکی است هیچ فرق درمیان نخواهد داشت.

اما آن چه مجیب مدظله فرموده که اگر مطلق علت مراد گرفته شود لازم می آید که اشکهائے چشم ناقض وضو بشود، زیرا اشك هم بدون علتی بیرون نمی آیند ... الخ.

---

(١) غنية المستملي شرح منية المصلي المعروف بـ "حلبي كبير" ، شروط الصلاة ، الشرط الأول : الطهارة من الأحداث ، فصل في الآسار ، (ص: ١٧٦) ط: سهيل اكيدمي لاهور.

جوابش این است که مراد از علت مرض است و شك نیست که آب چشم ناقض وضو ونجس نیست. وعبارت قاموس: "**الزكام تجلب فضول رطبة...الخ**" مثبت مدعی نتنواند شد، و همچنانِ قول ابن عباس: "**المنی بمنزلة المخاط**" با مسئله زیر بحث مساسی ندارد،"**لأنّ المخاط غير ماء الزكام كما أن الدمع غير ماء الرمد والكلام في الثاني لا في الأوّل كما لايخفي**"

اگر کسی گوید که شاید حکم بنجاست آب رمد و غرب ومانند آن چون آب زکام مثلاً وانتقاض طهارت بخروج آن حکم احتیاطی ، وامر باعاده وضو استحباب است، و جوبی نیست. چنان چه در " فتح القدير " می نویسد :

"في عينه رمد يسيل دمعها يؤمر بالوضوء لكل وقت، لاحتمال كونه صديدًا.

وأقول: هذا التعليل يقتضي أنّه أمر استحبابًا، فإن الشك والاحتمال في كونه ناقضًا لايوجب الحكم بالنقض، إذ اليقين لايزول بالشك، والله تعالى أعلم، نعم إذا علم من طريق غلبة الظن بإخبار الأطباء أو علامات تغلب ظن المبتلى يجب اهـ"[1]

پس علاوه بر لزوم احتیاط در عبارت است **خصوصًا في الطهارة والصلاة، فإنّها أوّل ما يسئل عنهما العبد في القبر والقيامة** ،جوابش آن است که علامه شامی در شرح " در مختار " می نویسد:

"وقد استدرك في البحر على ما في الفتح بقوله : لكن صرح في السراج بأنه صاحب عذر فكان الأمر للإيجاب اهـ ويشهد له قول المجتبى:

(١) فتح القدير شرح الهداية، كتاب الطهارات، باب الحيض والاستحاضة، فصل والمستحاضة... إلخ، (١/ ١٦٤) ط: رشيديه.

=

ينتقض وضوءه."[1]

و در"**منحة الخالق** "حاشيه بحر می نويسد:

"(قوله: و هذا التعليل يقتضي أنه أمر استحباب... الخ) رده في النهر بأنّ الأمر للوجوب حقيقة، وهذا الاحتمال راجح، وبأن في فتح القدير صرح بالوجوب، وكذا في المجتبى قال: يجب عليه الوضوء، والنّاس عنه غافلون."[2]

حاصلِ جواب دو چيز است : اول آنكه امر حقيقت برای وجوب است مالم يقم صارف ، پس از كلمه "**يؤمر بالوضوء** " يا لفظ **أمره بالوضوء** كه از امام محمد رح منقول است وجوب مستفاد می شود.

دوم آنكه قاعده "**اليقين لايزول بالشك**"[3] بجای خود است ، اما شك تساوی طرفين رامی گويند، و در مسئله مااحتمال صديد بودن اين آب راجح

(١) رد المحتار على الدر المختار ، كتاب الطهارة ، مطلب في ندب مراعاة الخلاف إذا لم يرتكب مكروه مذهبه ، (١/ ١٤٨) ط: سعيد.

* البحر الرائق، كتاب الطهارة، باب الحيض (١/ ٢١٦) ط: سعيد.

(٢) منحة الخالق على البحر الرائق ، كتاب الطهارة ، مبحث نواقض الوضوء ، (١/ ٣٢ ، ٣٣) ط: سعيد.

(٣) الأشباه والنظائر في الفقه الحنفي، الفن الأول: القواعد الكلية، القاعدة الثالثة: اليقين لايزول بالشك، (ص: ٧) ط: قديمى .

* إعلام الموقعين عن رب العالمين ، المحور الأول : الاستدلال والاستنباط ، الاستصحاب ، (١/ ١٧٩) ط: دار ابن الجوزى للنشر والتوزيع السعودية.

* كشف الأسرار عن أصول الإسلام البزدوي ، باب المعارضة ، (٣/ ١٣٤) ط: دار الكتب العلمية بيروت .

وغالب است، زيرا دليلش كه همان علت است قائم و موجود ست، پس اين مسئله از افراد قاعده مسلمه مذكور نمى باشد.

ولها نظائر كما قالوا بانتقاض الطهارة بخروج الريح من قبل المفضاة ورجح وجوب الوضوء عليها في الفتح، وبأنه لو جلس للوضوء ومعه ماء ثم قام و شكّ هل توضأ أم لا؟ فهو متوضئ ، ولو جلس للغائط ثم شكّ هل خرج منه ناقض أو لا؟ فهو محدث، لرجحان احتمال التوضي في الأولى، واحتمال الحدث في الثانية، كما في الأشباه وغير ذلك من المسائل المستثناة من تلك القاعدة.

در حاشية موجز القانون تحت قول ماتن:**"الزكام والنزلة علامات الحرارة منهما صدة ماينزل وحمرة الوجه والعين الخ"**مى نويسد:

"إذا كان المرض دمويا فظاهر، وأما إذا كان صفراويًا فلما يحتد بها مزاج الدم ويرق قوامه، وأمّا إذا كان بسبب بلغم مالح أو عفن فلان الحرارة يسخن الدم ويرفقه فيسيل إلى الظاهر."[1]

ودر حاشية اقصرائى شرح موجز از خود نقل مى كنند :

"قوله: وحمرة الوجه والعين... الخ لأن الدم يحتد ويسيل إلى الظاهر إن كان السبب دمًا، وكذلك الصفراء، أمّا إذا كان السبب بلغمًا... عفت فلان الحادثة من العفونة يجذب الدم إلى مكانها ويرفقه ويسخيه ويحركه إلى الظاهر اهـ "قصرائى.[2]

(١) حاشية موجز القانون، (٢/ ٢٣١)

(2) تلاش بسيار كے باوجود متعلقہ كتاب نہيں ملى۔

ومعلوم است که آب زکام مائل به زردی است که اختلاط خون یا صفراء درآن مظنون است.

هذا ما عندي ولعل ما عند غيري أحسن، والله تعالىٰ أعلم بالصواب، وإليه المرجع والمآب في كل أمر و باب.

کتبه: محمد عبدالله عفی عنه

(۱۵/رمضان ۱۳۸۲ھ)

جواب: السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

در تاخیر جواب معذرت خواه می باشم، هیچ فرصت در ماه رمضان ودر اوائل شوال دست نداد الحال نیز باختار چیزی عرض می نمایم. والله الموفق للصواب.

باید دانست که مسائل اساسی از مهمات کتب باید گرفته شود واز ابحاث مصنفین و متاخرین لزومًا یا استنباطًا چیزی که از کلام مستفاد می شود تاوقتیکه تائید آن از کلام ارباب تخریج و ترجیح می شود، مدار و مناط فتوی نخواهد گردید.[1]

---

(۱) (ويوافق) ذلك ما قاله العلامة المحقق الشيخ قاسم في تصحيحه و نصه: على أنّ المجتهدين لم يفقدوا حتى نظروا في المختلف، ورجحوا و صححوا ... وترجيحاتهم و تصحيحاتهم باقية، فعلينا اتباع الراجح والعمل به كما لو أفتوا في حياتهم. (شرح عقود رسم المفتي للعلامة الشامي، (ص : ۲۰) وفيه : والظاهر اشتراك أهل الطبقة الثالثة والرابعة والخامسة في ذلك، وأنّ من عداهم يكتفي بالنقل، وإن علينا اتباع ما نقلوه لنا عنهم من استنباطاتهم الغير المنصوصة عن المتقدمين ومن ترجيحاتهم ولو كانت لغير قول الإمام، (ص:۲۵) ط: قديمی كتب خانه كراچی).

* الدر المختار مع رد المحتار، مقدمة الكتاب، مطلب: في طبقات الفقهاء، (۱/ ۷۷) ط: سعيد. =

پس عرض می کنم اما اولاً: مدار نقض وضو بر خروج نجس است از سبیلین، یا مانند دم و صدید از غیر سبیلین[1] ظاهر است که بلغم و مخاط ودمع العین و بصاق چون طاهر منتنه نواقض نه می باشند، و منحدر من الرأس باتفاق ائمه ثلاثه حدث نیست ، كما في البدائع.[2]

وثانیاً: خروج الماء من العین بعلة ،مراد از علت قرحه است ، و تعمیم آن بزکام برای احقر درست نیست ، صرف از عموم لفظ فقهاء استفاده شده ، وآن عموم غیر مقصود است، بلکه وقتیکه رجوع به أقوال ائمه کرده شود این واضح می گردد.

وصاحب تحریر را همین اشتباه دست داده که لفظ " علت " عام دانسته بزکام جاری گردانیده ، وهم چنین بیان فرق مبنی بر همین خیال است ، ورنه خروج الماء من الفم هم از علت وخرابی معده می باشد ، لیکن چون که علت

---

(١) (وينقضه خروج) كل خارج (نجس) ... (منه) أي من المتوضي الحي معتادًا أو لا من السبيلين أو لا. (الدر المختار على رد المحتار، كتاب الطهارة، مطلب: نواقض الوضوء، (١/ ١٣٤) ط: سعيد).

* هو خروج النجس من الآدمي الحي سواء كان من السبيلين: الدبر والذكر أو من غير السبيلين: الجرح والقرح والأنف من الدم والقيح والرعاف والقيء. (بدائع الصنائع، كتاب الطهارة، فصل في بيان ماينقض الوضوء، (١/ ٢٤) ط: سعيد).

* تبيين الحقائق، كتاب الطهارة، مبحث نواقض الوضوء، (١/ ٤٥) ط: سعيد.

(٢) ولو سعط في أنفه و وصل السعوط إلى رأسه ثم رجع إلى الأنف أو إلى الأذن لايكون حدثًا، لأنّ الرأس ليس موضع الأنجاس، وجوابها في المنحدر من الرأس، وهو ليس بحدث عند الكل . (بدائع الصنائع ، كتاب الطهارة ، فصل : وأمّا بيان ما ينقض الوضوء ، (١/ ٢٧) ط: سعيد).

* تبيين الحقائق، كتاب الطهارة، مبحث نواقض الوضوء، (١/ ٥١) ط: سعيد.

* البحر الرائق، كتاب الطهارة، مبحث نواقض الوضوء، (١/ ٣٤) ط: سعيد .

=

قرحه هست ، وجع باشد یا نباشد، ازینِ جهت تعمیم علت مصادم تصریحات فقهاء خواهد بود.

الحاصل: قول صاحب تحریر مصادم مسائل فقهاء می باشد ونیز قول طحطاوی "**ظاهر یعم الزکام**" مخالف تصریحات فقهاء مر با شد ، وازین جهت باین عموم صاحب "رد المحتار" راضی نشد وتعقب نمود ، وفرق صاحب تحریر هیچ وزنی ندارد.

البته در جواب استفتاء تاویل قول صاحب تحریر درست نیست ، چه صاحب تحریر را از شان مخالف از عام تصریحات فقهاء می باشد و پیش کردن اثر ابن عباس برآن اثبات طهارت مخاط است لاغیر ، و خروج مخاط گویا مطلقًا ناقض نیست ، ودرین باره "**الیقین لایزول بالشك**"[1] این که احتمال صدید بودن راجح است. وغیر راجح است که داد از علت مرض نیست ، بلکه زخم است ، ودر زکام زخم نمی باشد و بقیه تفصیلات در لزوم طهارت یا استحباب خارج از بحث هست، بیشك وقتیکه حکم نقض نشد وتحقیق حدث شد وجوب ظاهر شد.

باقی تفصیلات موجز و شروح آن در انواع زکام حار و بارد و علامات آن

---

(١) الأشباه والنظائر في الفقه الحنفي، الفن الأول: القواعد الكلية، القاعدة الثالثة: اليقين لايزول بالشك، (ص: ٧) ط: قديمى.

* شرح المجلة للشيخ محمد خالد الأتاسي ، المقالة الثانية في بيان القواعد الفقهية، [المادة : ٤] (١/ ١٨) ط: رشيديه.
* فتح القدير شرح الهداية ، كتاب الطهارة ، باب الماء الّذي يجوز به الوضوء و مالايجوز ، فصل في البئر، (١/ ٩٣) ط: رشيديه.
* البحر الرائق ، كتاب الطهارة ، مبحث نواقض الوضوء ، (١/ ٣٠) ط: سعيد.

غير متعلقه بحث فقهی هستند، از دموی بودن و جود دم و قرحه لازم نيست، واين اصطلاح خاص اطباء است در امراض كه از فساد اخلاط پيدا می شود.

خلاصه مرام آن كه آب بينی به سبب زكام ناقض نيست واز كلام صاحب تحرير كه نقض مستفاد می شود مخالف مسائل اساسی فقهاء می باشد. البته تاويل كلام صاحب تحرير كه دموی واقع شده نيز درست نيست. اين اعتراض هم درست است كه قول صاحب تحرير نقيض قول مفتٰی به است. **هذا ما تيسر لي وظهر لي**.والله اعلم بالصواب

كتبه

محمد يوسف بنوری

(۱۳۸۲/۱۰/۱۶ھ)

الرجل القادر على الوضوء دون الغسل بالمرض يتوضأ ويتيمم معا أم لا؟

سوال: ما قال الفقهاء في رجل جنب قدر على الوضوء دون الغسل بالمرض، هو يتوضأ ويتيمم معًا كما في مجموعة الفتاوىٰ لمولانا عبد الحي اللكنوى، لكنه خلاف ما في الخلاصة والبحر، وما في البحر يفهم منه أنه يتيمم أوّلاً دون الوضوء، ثم إذا أحدث يتوضأ فقط، لكن بحثه في عديم الماء، وبحثنا في المريض. فهل المريض كعديم الماء في هذا الأمر؟ وما قال اللكنوي هل هو صحيح أم غلط مردود؟

بيّنوا تفصيلاً بالدلائل الشافية على وجه ينكشف المرام عن الغمام ، توجروا عن ربّ الأنام.

جواب: إنّ ما هو مصرّح في البحر فهو صحيح، لأنه موافق للأصول كما حقق صاحبه فيه قبيل المسح على الخفين.[1]

وأيضًا صرّح العلامة الشهير بابن عابدين في كتابه المعروف بالشامي :

"إذا وجد ماء يكفيه للوضوء فقط ، إنّما يتوضأ به إذا أحدث بعد تيمّمه عن الجنابة، أمّا لو وجده وقت التيمم قبل الحدث لايلزمه عندنا الوضوء به عن الحدث الّذي معه الجنابة، لأنه عبث، إذ لابدّ من التيمم، وعلى هذا فقول صدر الشريعة: إذا كان للجنب ماء يكفي للوضوء لا الغسل يجب عليه التيمم لا الوضوء".[2]

وبهذا ثبت أنّ التسامح صدر من مولانا اللكنوي رحمة الله عليه، والبحث أيضًا في المريض العاجز عن استعمال الماء لا في عديمه كما يفهم من السؤال:

"سوال: جنبی معذور جو غسل کرنے سے عاجز اور غسل سے مرض کی زیادتی کا احتمال ہو، اور وضو کرنے میں کچھ ضرر نہیں، پس وہ وضو کرکے نماز پڑھے یا تیمم کرے؟

جواب: جب کہ وضو کرنے سے عاجز نہیں ہے تو تیمم جنابت کرے ، اور وضو کرکے نماز ادا کرے۔"[3] فقط واللہ اعلم

الجواب صحيح	الجواب صحيح	الجواب صحيح	كتبه
محمد یوسف بنوری	ولی حسن	محمد عبدالرشید نعمانی	اکبر علی اسلام آبادی
عفا اللہ عنہ	عفي عنه	غفرلہ	۱۳۸۲/۵/۲۳ھ

(١) البحر الرائق، كتاب الطهارة ، باب التيمم ، قبيل باب المسح على الخفين ، (١/ ١٦٤) ط: سعيد.

(٢) رد المحتار على الدر المختار ، كتاب الطهارة ، باب التيمم ، (١/ ٢٥٥) ط: سعيد.

(3) مجموعۃ الفتاویٰ، کتاب الطہارۃ، عنوان: جنبی غسل سے معذور ہے نہ وضو سے، پس وہ نماز وضو سے پڑھے یا تیمم کرے؟ (حصہ اول: ۱۴۸) ط: سعید۔

حیض کی حالت میں قرآن چھونے اور زبانی پڑھنے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی قرآن پاک حفظ کرتی ہے، کیا وہ لڑکی ایامِ حیض میں قرآن مجید کو ہاتھ لگاسکتی ہے؟ اگر اس حالت میں وہ ہاتھ نہیں لگاسکتی تو کیا اس کو قرآن پاک حفظ پڑھنے کی اجازت ہے؟ اگر اس حالت میں اس لڑکی کو حفظ پڑھنے کی بھی اجازت نہ ہوگی تو ان دنوں کے ناغہ سے بڑا نقصان ہوگا، بلکہ حفظ کرنا دشوار ہوجائے گا۔

اس دشواری کو دور کرنے کا کوئی حل بتائیں! اور یہ بھی کہ پڑھانے والا استاد تو کسی گناہ میں ملوث نہ ہوگا؟ فقط۔ **بینوا توجروا بیوم الحساب!**

مستفتی: محمد ایوب عفی عنہ،
قاسم علی کمپاؤنڈ، دنداس اسٹریٹ، صدر کراچی (۹ نومبر ۱۹۶۱م)

جواب: مذہبِ حنفی کی رو سے تو گنجائش نہیں معلوم ہوتی،[1] البتہ امام مالک رحمہ اللہ کے یہاں گنجائش ہے، اور ضرورت کے موقعہ پر ان کے مذہب پر عمل کیا جاسکتا ہے۔[2]

---

(١) أي يمنع الحيض قراء ة القرآن، وكذا الجنابة، لقوله صلى الله عليه وسلم: لا تقرأ الحائض ولا الجنب شيئاً من القرآن، رواه الترمذي وابن ماجه. (البحر الرائق، كتاب الطهارة، باب الحيض، (١/ ١٩٩) ط: سعيدكراچی).

* (و) يمنع حل (دخول مسجد) ... (وقراءة قرآن) بقصده (ومسه) ولو مكتوباً بالفارسية في الأصحّ. (الدر المختار على رد المحتار، كتاب الطهارة، باب الحيض، (١/ ١٩١- ١٩٣) ط: سعيد).

* (ومنها) حرمة قراءة القرآن: لاتقرأ الحائض والنفساء والجنب شيئاً من القرآن. (الفتاوى الهندية، كتاب الطهارة، الباب السادس في الدماء المختصة بالنساء، الفصل الرابع في أحكام الحيض والنفاس والإستحاضة، (١/ ٣٨) ط:مكتبه حقانيه پشاور).

(٢) لو أفتى به موضع الضرورة لابأس به على ما أظن. (رد المحتار على الدرالمختار، كتاب المفقود، مطلب في الإفتاء بمذهب مالك في زوجة المفقود، (٤/ ٢٩٥) ط: سعيد).

=

"وحكي عن مالك للحائض القراءة دون الجنب، لأن أيامها تطول، فان منعناها من القراءة نسيت."[1]

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح — احقر ولی حسن عفي عنه

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ — دار الافتاء مدرسہ عربیہ اسلامیہ، نیوٹاؤن کراچی

حوضِ شرعی کی مساحت

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں کہ حوض شرعی کی لمبائی چوڑائی اور گہرائی کتنی ہونی چاہیے؟

جواب: حوض کبیر کی مساحت فقہاءِ حنفیہ کے نزدیک اگر مستطیل یا مربع ہے، تو مجموعہ مساحت اطراف اربعہ چالیس شرعی ذراع ہونی چاہیے،[2] شرعی ذراع پونے دو فٹ ہوتا ہے، احتیاطاً

---

(١) المغني لابن قدامه، كتاب الطهارة، باب فرض الطهارة، فصل: تحريم قراءة القرآن للجنب والحائض، (١/ ١٦٥) ط: دار الفكر بيروت.

* ويمنع الحدث الأكبر مايمنعه الأصغر ودخول المسجد، وتلاوة القرآن إلا أن تخاف الحائض النسيان، يعني قد أخبر أن الحدث الأكبر يمنع مامنعه الحدث الأصغر ... وإلا الحائض التي تخاف النسيان فيجوز لها أن تقرأ تلاوة. (سهل المدارك شرح ارشاد السالك في مذهب إمام الأئمة مالك، كتاب الطهارة، فصل في موجبات الغسل، (١/ ١١٣) ط: دار الفكر، بيروت لبنان).

* الثامن في الطراز يفارق الجنب الحائض في جواز قراءة القرآن ظاهراً ومسّ المصحف للقراءة على المشهور في الحائض لحاجة التعليم وخوف النسيان. (الذخيرة، كتاب الطهارة، الباب الثالث في الغسل، الفصل الثاني في كيفية الغسل، (١/ ٣١٥) ط: دار الغرب بيروت).

(٢) وأنت خبير بأن اعتبار العشر أضبط، لاسيما في حقّ من لا رأي له من العوامّ، فلذا أفتى به

المتأخرون الأعلام، أي: في المربع بأربعين. وفي رد المحتار: (قوله: أي: في المربع الخ) أشار إلى أن المراد من اعتبار العشر في العشر مايكون وجهه مائة ذراع سواء كان مربعاً، وهو مايكون كل جانب من جوانبه عشرة وحول الماء أربعون ووجهه مائة، أو كان مدوراً أو مثلثاً، فإن كلا من المدور والمثلث إذا كان على الوصف الذي ذكره الشارح يكون وجهه مائة، وإذا ربع يكون عشراً في عشر فافهم. (قوله: وفي المدور بستة و ثلاثين) أي: بأن يكون دوره ستة وثلاثين ذراعًا وقطره أحد عشر ذراعًا وخمس ذراعٍ، ومساحته : أن تضرب نصف القطر وهو خمسة و نصف و عشر في نصف الدور وهو ثمانية عشر ، يكون مائة ذراع و أربعة أخماس ذراع وللعلامة الشرنبلالي رسالة سماها [الزهر النضير على الحوض المستدير] أوضح فيها البرهان المذكور مع رد بقية الأقوال، ولخّص ذلك في حاشيته على الدرر (قوله : وربعًا وخمسًا) في بعض النسخ أو خمسًا بأولا بالواو، وهي الأصوب بناءً على الاختلاف في التعبير، فإن بعضهم كنوح آفندي عبر بالربع ، وبعضهم كالشرنبلالي في رسالته عبّر بالخمس ، وهو الّذي مشى عليه في السراج حيث قال : فإن كان مثلثًا فإنّه يعتبر أن يكون كل جانب منه خمسة عشر ذراعًا وخمس ذراع حتى تبلغ مساحته مائة ذراع ، بأن تضرب أحد جوانبه في نفسه ، فما صح أخذت ثلثه وعشره فهو مساحته . بيانه أن تضرب خمسة عشر وخمسًا في نفسه يكون مائتين وإحدٰى وثلاثين وجزءًا من خمسة وعشرين جزءًا من ذراع، فثلثه على التقريب سبعة و سبعون ذراعًا، وعشره على التقريب ثلاثة و عشرون فذلك مائة ذراع و شيء قليل لايبلغ عشر ذراع اهـ .

أقول: وعلى التعبير بالربع يبلغ ذلك الشيئ القليل نحو ربع ذراع فالتعبير بالخمس أولىٰ كما لايخفي، فكان ينبغي للشارح الاقتصار عليه . فافهم اهـ. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الطهارة، باب المياه، (١/ ١٩٢ ، ١٩٣) ط: سعيد).

* مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الطهارة، مبحث : أحكام المياه، (١/ ٥٣، ٥٤) ط: مكتبه غوثيه كراچى .
* حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الطهارة، باب المياه، (١/ ١٠٧، ١٠٨) ط: مكتبه رشيديه.
* وفي الخلاصة: وصورة الحوض الكبير المقدر بعشرة في عشرة أن يكون من كل جانب من جوانب الحوض عشرة وحول الماء أربعون ذراعاً ووجه الماء مائة ذراع، هذا مقدار الطول =

والعرض. (البحر الرائق، كتاب الطهارة، بحث أحكام المياه، (١/ ٧٧) ط: سعيد)

* كفايت المفتي، كتاب الطهارة، باب المياه، الفصل الثالث في مايتعلق بأحكام الحوض، [سوال:1084] زیر عنوان: "حوض کا رقبہ دہ دردہ ہونا کافی ہے، خواہ شکل کچھ بھی ہو"، نیز [سوال:۱۰۸۵] زیر عنوان: "حوض کا دہ دردہ ہونے کے لیے ۲۲۵ مربع فٹ ہونا کافی ہے"۔ (۳/۳۹۴، ۳۹۶) ط: دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی، طبع اول: ۱۴۳۲/۲۰۱۱ء)

--- ہر طرف سے دس دس گز ہوں تو مجموعہ اطراف چالیس شرعی گز ہوگا، البتہ دس کو دس میں ضرب دینے سے حاصل ضرب سو مربع شرعی گز ہوتا ہے۔ حوض شرعی کی مساحتیں درج ذیل ہیں:

عموماً حوض چار قسم کے ہوتے ہیں: ۱۔ مربع (چوکور)، ۲۔ مستطیل، ۳۔ مثلث (جس کے تین اضلاع یعنی اطراف ہوں)، ۴۔ مدوّر (گول)۔

۱۔ مربّع حوض: حوض مربّع شکل میں ہے تو اس کے چاروں اضلاع (اطراف) برابر ہوں گے، مربّع دہ دردہ حوض کے لیے ہر طرف دس ذراع (شرعی گز) = 15 فٹ اور مجموعی احاطہ چالیس ذراع = 60 فٹ ہونا ضروری ہے، مجموعی اعتبار سے دہ دردہ حوض میں سو ذراع = 225 فٹ آجائیں گے۔

= ایک ذراع = 1.5 فٹ

10 ذراع = 10×1.5 = 15 فٹ

10×10 ذراع = 15×15 = 225 مربع فٹ یا 20.9225 مربع میٹر بنتے ہیں.

۲۔ مستطیل: حوض مستطیل شکل میں ہو یعنی لمبائی زیادہ ہوگی بنسبت چوڑائی کے، بہر حال مجموعی مقدار سو ذراع = 225 مربع فٹ ہونا ضروری ہے۔

۳۔ مثلث حوض: حوض مثلّث کی صورت میں ہو تو ایک معتدل مثلث جس کے تینوں اطراف لمبائی میں برابر ہوں جیسا کہ علامہ شامی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ مثلث کی ہر جانب کی پیائش 15 ذراع اور خمس ذراع ہو تو وہ مثلث دہ دردہ ہوگی، یعنی 15 ذراع اور خمسِ ذراع (15.20 ذراع) کو فٹ کی صورت میں منتقل کریں تو معتدل مثلث کی ہر جانب 22.8 فٹ ہوگی۔ (22.8=1.5×15.20)

22.8 فٹ کی ہر جانب ہو تو مجموعی رقبہ 100.237 ذراع (شرعی گز) = 225.264 اسکوائر فٹ ہوگا۔

ذراع کی صورت میں حساب درج ذیل ہے:

15.20×15.20 = 231.04 اب 231.04 کا ثلث (1/3) اور عشر (1/10) نکال کر آپس میں جمع کرنا ہوگا۔

231.04/3 = 77.133، اور 231.01/10 = 23.104

اب 23.104+77.133 = 100.237 مربع ذراع ہوگا۔

فٹ کی صورت میں حساب حسب ذیل ہے:

22.8×22.8 = 519.84 اب کا ثلث (1/3) اور عشر (1/10) نکال کر آپس میں جمع کرنا ہوگا۔

519.84/3 = 173.28 اور 519.84/10 = 51.984

ریاضی کے جدید قواعد کے مطابق معتدل مثلث میں دہ دردہ (سو مربع ذراع) کی پیائش درج ذیل طریقے کے مطابق ہوگی:

=

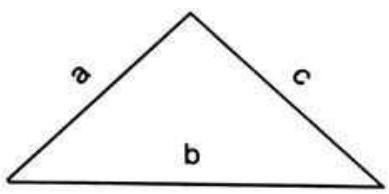

مثلث کے تین اضلاع a,b,c ہیں، تینوں کی مقدار 22.8 فٹ (15 ذراع اور خمس ذراع یعنی 15.20) ہو تو مثلث دہ در دہ ہو گی۔

$$S = \frac{a + b + c}{2}$$

$$S = \frac{22.8 + 22.8 + 22.8}{2} = \frac{68.4}{2} = 34.2$$

$S = \sqrt{(s-a)(s-b)(s-c)}$ مثلث کے رقبے کے لیے مطلوبہ مقدار میں درج کرنے سے

مثلث کا رقبہ $= \sqrt{34.2(34.2-22.8)(34.2-22.8)(34.2-22.8)}$

مثلث کا رقبہ $= \sqrt{34.2(11.4)(11.4)(11.4)}$

مثلث کا رقبہ $= \sqrt{34.2(1481.544)}$

مثلث کا رقبہ $= \sqrt{50668.8048} = 225.097$ فٹ

۴۔ حوض مدوّر: حوض اگر دائرے کی شکل میں ہو تو بھی اس کا رقبہ کم از کم سو مربع ذراع = 225 مربع فٹ ہونا ضروری ہے، تب وہ دہ در دہ ہو گا، اس کی پیائش کا طریقہ علامہ شامی رحمہ اللہ نے یوں لکھا ہے کہ مدوّر کا دائرہ گولائی 36 ذراع (شرعی گز) = 54 فٹ (1.5=54×36)، اور دائرے کا قطر گیارہ ذراع اور خمسِ ذراع (11.20) = 16.80 فٹ (11.20×1.5=16.80 فٹ) ہو گا۔ اب پیائش یوں ہو گی کہ نصفِ قطر یعنی پانچ ذراع اور نصف ذراع اور عُشر ذراع (1/5/1ء 2/ 5.6=5 ذراع) = 8.40 فٹ (اسے رداس کہتے ہیں) کو دائرہ گولائی کے نصف یعنی اٹھارہ ذراع = 27 فٹ میں ضرب دیا جائے تو سو مربع ذراع اور ایک ذراع کے چار خمس = 226.8 مربع فٹ حاصل ہوں گے۔

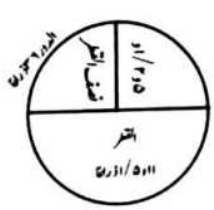

=

دو فٹ کا حساب لگایا جائے، اب مجموعہ چاروں طرف کی مساحت اسی فٹ چاہیے[1] اور گہرائی ڈیڑھ فٹ

لیکن ریاضی کے مسلّمہ کلیے کے مطابق جس حوضِ مدوّر کا قطر 11.25 ذراع = 16.80 فٹ مانا جائے، اس کی مجموعی مقدار سو مربع ذراع یا 225 مربع فٹ نہیں ہوگی، بلکہ 221.7599 مربع فٹ ہوگی۔ پیمائش حسب ذیل ہے:

$$(8.40)^2 \times R^2 = 3.1428571$$

$$8.40 \times R^2 = 3.14285571 \quad 8.40$$

$$R^2 = 221.7599 \quad \text{مربع فٹ}$$

اس لیے ایسا مدوّر حوض جس کی مجموعی مقدار سو مربع ذراع = 225 مربع فٹ ہو ریاضی کے مسلّمہ کلیے کے مطابق وہ ہوگا جس کا قطر 11.28669 ذراع = 16.93 فٹ ہو۔ وہ دردہ مدوّر حوض کا رقبہ معلوم کرنے کا طریقہ درج ذیل ہے۔

دائرے کا رقبہ = 2(/2 قطر) × پائی (یعنی مربع 1/2 قطر × پائی)

قطر کے نصف کو رداس کہتے ہیں اور پائی کی قیمت (3.14159265) ہے مطلوبہ قیمتیں درج کرنے سے وہ دردہ کا رقبہ حاصل ہو جاتا ہے۔

وہ دردہ دائرہ کا رقبہ = $\times 3.14159265 (16.93/2)^2$

وہ دردہ دائرہ کا رقبہ = $\times 3.14159265 (8.465)^2$

وہ دردہ دائرہ کا رقبہ = $\times 8.465 \times 3.14159265 \times 8.465$

وہ دردہ دائرہ کا رقبہ = $71.656225 \times 3.14159265$

وہ دردہ دائرہ کا رقبہ = 225.11467 مربع فٹ

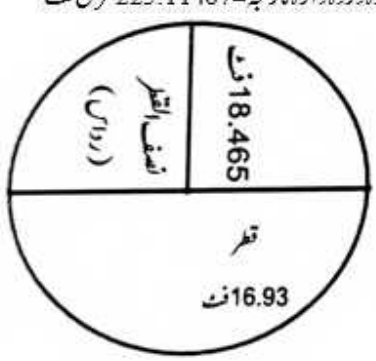

(١) والمعتبر ذراع الكرباس، كذا في الظهيرية، وعليه الفتوى، كذا في الهداية، وهو ذراع العامة ست قبضات، أربع وعشرون أصبعاً، كذا في التبيين. (الفتاوى الهندية، كتاب الطهارة، الباب الثالث في المياه، الفصل الأول في ما يجوز به التوضؤ، النوع الثاني: الماء الراكد، (١/ ١٨) ط: مكتبه حقانيه پشاور).

=

* البحر الرائق، كتاب الطهارة، بحث أحكام المياه، (١/ ٧٦) ط: سعيد.
* حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الطهارة، (١/ ٥٣) ط: مكتبه غوثيه كراچی.

تحقیقی قول کے مطابق شرعی گز ڈیڑھ فٹ کا ہوتا ہے، حوالہ جات ملاحظہ ہوں:

شرعی گز (ایک ہاتھ) اٹھارہ انچ کا ہوتا ہے، جیسا کہ کفایت المفتی، کتاب الطہارۃ، باب المیاہ، الفصل الثالث فی ما یتعلق بأحکام الحوض، [سوال: ۱۰۸۴] زیر عنوان: ''حوض کا رقبہ دہ در دہ ہونا کافی ہے، خواہ شکل کچھ بھی ہو''، نیز [سوال: ۱۰۸۵] زیر عنوان: ''حوض کا دہ در دہ ہونے کے لیے ۲۲۵ مربع فٹ ہونا کافی ہے''۔ (۳/۳۹۴، ۳۹۶) ط: دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی، طبع اول: ۱۴۳۲/۲۰۱۱ء) میں موجود ہے۔، نیز مزید حوالہ جات ملاحظہ ہوں:

''...الغرض ثابت ہوا کہ قول راجح اور مختار اور معتمد یہی ہے کہ میل چار ہزار گز کا ہے، جس میں گز متاخرین کا اعتبار کر کے چوبیس انگشت کا قرار دیا گیا ہے، جو انگریزی گز سے نصف یعنی اٹھارہ انچ ہے''۔ (جواہر الفقہ، للمفتی شفیع رحمہ اللہ، اوزان شرعیہ، ضمیمہ مساحات شرعیہ اور پیمانہائے ہندیہ، (۱/۴۳۲، ۴۳۳) ط: مکتبہ دار العلوم کراچی)۔

* (قوله: وهو ثلث الفرسخ وهو أربعة آلافِ خطوة) ... وفي تفسير غيره أربعة آلاف خطوة وهي ذراعٌ و نصفٌ بذراع العامّة وهو أربعة و عشرون إصبعًا بعدد حروف لا إلٰه إلاَّ الله محمّد رسول الله اهـ . قلت: لكن يُمكن أن يقال لا خلاف لحمل كلام ابن شجاع على أنّ مرادَه بالذراع ما فيه أصبعٌ قائمة عند كلّ قبضة فيبلغ ذراعًا و نصفًا بذراع العامّة ويؤيّده ما قاله الزّيلعي مقتصرًا عليه وهو أي الميل ثلث فرسخ أربعة آلاف ذراع محمد بن فرج بن الشاشيّ طولها أربعة و عشرون أصبعًا وعرضُ كل أصبع ستُّ حبّات شعير ملصقة ظهر البطن اهـ. (حاشية الشرنبلالي على درر الحكام، كتاب الطهارة، الباب الرابع في التيمم، (١/ ٢٩) ط: المطبعة العامرة الشرفية للشيخ محمد خان ، مصر).
* ...طول كل ذراع أربع و عشرون أصبعًا و عرض كل أصبع ست حبّات شعير ملصقة ظهر البدن . (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الطهارة، الباب الرابع في التيمم، الفصل الأول في أمور لابدّ منها في التيمم، (١/ ٢٧) ط: حقانيه پشاور).

ثم الذراع من الأصابع أربع من بعدها العشرون ثم الأصبع
ست شعيرات فظهر شعيرة منها إلى بطن لأخرٰى توضع
ثم الشعيرة ست شعرات فقط من ذيل بغل ليس عن ذا مرجع

(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الطهارة، باب التيمم، (١/ ١٦٩) ط: مكتبه غوثيه كراچی).

=

بھی کافی ہے، اگر دو فٹ ہو تو بہت اچھا ہو گا۔[1] کتب فقہ سے جو کچھ سمجھ میں آتا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ

گلہری کے گنے کے رس میں گر کر مرنے اور پھولنے سے گنے کے رس کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مندرجہ ذیل مسئلہ میں:

ایک گلہری گنّے کے رس میں گر گئی اور پھول گئی، اب وہ گنّے کا رس پاک ہے یا ناپاک؟ اگر ناپاک

---

* (قوله: والفرسخ اثنا عشر ألف خطوة الخ)... والذراع أربعة و عشرون أصبعا والأصبع ست شعيرات مرصوصة بالعرض. (منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الطهارة، باب التيمم، (١/ ١٣٩) ط: سعيد).
* الميل وهو ثلث فرسخ أعبرة آلاف ذراع بذراع محمد بن الفرج بن الشاشي، طولها أربعة و عشرون أصبعًا وعرض كل أصبع ست حبات من شعير ملصقة ظهر البطن. (تبيين الحقائق، كتاب الطهارة ، باب التيمم ، (١/ ١١٨) ط: سعيد).

(١) لم يذكر مقدار العمق إشارة إلى أنه لاتقدير فيه في ظاهر الرواية، وهو الصحيح، بدائع، وصحح في الهداية أن يكون بحال لاينحسر بالاغتراف، أي: لاينكشف، وعليه الفتوى، معراج، وفي البحر: الأول أوجه، لماعرف من أصل أبي حنيفة اهـ وقيل: أربع أصابع مفتوحة، وقيل: مابلغ الكعب، وقيل: شبر، وقيل: ذراع، وقيل: ذراعان، قهستاني. (رد المحتار على الدرالمختار، كتاب الطهارة، باب المياه، (١/ ١٩٣) ط: سعيد).

* الفتاوى الخانية على هامش الفتاوى الهندية، كتاب الطهارة، فصل في الماء الراكد، (١/ ٥) ط: مكتبه حقانيه پشاور.
* البحر الرائق، كتاب الطهارة، بحث أحكام المياه، (١/ ٧٧) ط: سعيد.

=

ہے تو پاک کرنے کا کوئی طریقہ ہے یا نہیں، جیسے شہد کے متعلق ہے؟

جواب: گلہری جو کہ چوہے کی ایک قسم ہے، حکم میں بھی چوہا ہی ہے، اور دم [خون] ہونے کی بناپر جس ڈرم میں وہ مر کر پھول گئی، وہ ناپاک ہو جائے گا، لہٰذا اس کو استعمال کرنا خواہ شکر بنائے یا پیے، دونوں ناجائز ہے۔

وفي العالمگيرية:

"الفأرة لو ماتت في السمن... إن كان مائعًا لم يؤكل".(١)

وكذا في الدر المختار:

"(واليربوع وابن عرس والرخمة والبغاث) ... كلّها من سباع البهائم".

وفي رد المحتار: "(قوله: واليربوع) بوزن يفعول: دويبة نحو الفأرة، لكن ذنبه وأذناه أطول منها، ورجلاه أطول من يده عكس الزرافة".(٢)

---

(١) الفتاوى الهندية،كتاب الطهارة، الباب السابع في النجاسة وأحكامها، الفصل الأول في تطهير الأنجاس، (١/ ٤٥)ط:مكتبه حقانيه پشاور.

* الفتاوى التاتارخانية،كتاب الطهارة،الفصل الرابع،نوع آخر في المياه والأواني، (١/ ٢٠٢) ط:اداراة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی.
* البحر الرائق، كتاب الطهارة، باب الانجاس، (١/ ٢٣٣) ط: سعيد.

(٢) الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الذبائح، (٦/ ٣٠٦) ط: سعيد.

* البحرالرائق، كتاب الذبائح، فصل في مايحل ومالايؤكل، (٨/ ١٧٢) ط:سعيد.
* اليربوع ... حيوان طويل الرجلين قصير اليدين جدًّا، وله ذنب كذنب الجرذ، يرفعه صعدًا في طرفه شبه النوارة، لونه كلون الغزال ... قال الجاحظ والقزويني: اليربوع من نوع الفأرة. (حياة الحيوان الكبرى للدميري، باب الياء، بحث: اليربوع (٢/ ٤٣٥) ط:مكتبة ومطبعة مصطفي البابي وأولاده بمصر).

=

وفي الدرالمختار:

"(و) سؤر (... سباع بهائم) ... (... نجس)".[1]

وفي الرد:

"أن الفأرة لووقعت في الحبّ يهراق الماء كلّه".[2]

ان عبارات مذکورۃ الصدر سے [معلوم ہوا کہ] گلہری فارہ کی ایک قسم ہے[3] اور سباعِ بہائم میں سے ہے، لہٰذا وہ مر کر پھول جانے سے جس ڈرم میں گری ہو، وہ بلاشبہ ناپاک ہو گیا، اس کو پاک کرنے کی کوئی صورت نہیں،[4] شہد و گھی پر اس کو قیاس کرنا ٹھیک نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح	کتبہ
محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ	عبد السلام غفرلہ
	(۱۳۹۰/۱/۲۵ھ)
	دار الافتاء مدرسہ عربیہ اسلامیہ، نیوٹاؤن کراچی

(١) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الطهارة، باب المياه، فصل في البئر، مطلب في السؤر، (١/ ٢٢٣) ط: سعيد.

(٢) رد المحتار على الدر المختار، كتاب الطهارة باب المياه، فصل في البئر، (١/ ٢١٦) ط: سعيد.

* البحر الرائق، كتاب الطهارة، أحكام المياه، (١/ ١٢٧) ط:سعيد.

* غنية المستملي شرح منية المصلي، المعروف بـ "حلبي كبير"، شروط الصلاة، الشرط الأول: الطهارة من الأحداث، فصل في الآسار، (ص:١٦٧) ط:سهيل اكيدمى لاهور.

(٣) (وما بين حمامة وفأرة) في الجثة (كفأرة) في الحكم. (الدر المختار على رد المحتار، كتاب الطهارة، فصل في البئر، (١/ ٢١٧) ط: سعيد).

(4) یعنی گنے کے رس کو پاک کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔

کتاب الصلاۃ

نماز کا بیان

ریکارڈ شدہ اذان نشر کرنے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و شارحانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

مسجد میں مؤذن اذان دے اور دوسری طرف ٹیپ ریکارڈ سے لاؤڈ اسپیکر پر اذان نشر کی جارہی ہو، جب کہ سنت ادا ہو رہی ہو، ایسی صورت میں لاؤڈ اسپیکر پر اذان ٹیپ ریکارڈ سے نشر کرنا کیسا ہے؟ جائز ہے یا نہیں؟ اس کی نفی اور اثبات کی صورت میں دلائل عقلیہ ونقلیہ دونوں مفصل طور پر نقل فرماد یجیے! فقط والسلام!

جواب: ٹیپ ریکارڈ سے اذان نشر کرنا اوقاتِ نماز کے "اعلام" کے لیے کافی نہیں ہے، اور اس طرح اذان نشر کرنے سے مشروعیت اذان نہ ہوگی، اس لیے کہ اذان من جملہ عبادات میں سے ایک عبادت ہے، اور عبادت ادا کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ کوئی مکلف اور عبادت کرنے والا موجود ہو،[1] اور ظاہر ہے کہ یہاں کوئی مکلف موجود نہیں ہے، اگر اس طرح ٹیپ ریکارڈ سے اذان نشر کرنے کو جائز قرار دیا جائے، تو پھر دوسری عبادات میں بھی، مثلاً: کسی امام کی ریکارڈ کی ہوئی نماز کو مصلّے پر رکھ

---

(۱) وأهلية الأذان تعتمد بمعرفة القبلة والعلم بمواقيت الصلاة، كذا في فتاوى قاضي خان، وينبغي أن يكون المؤذن رجلاً عاقلاً صالحاً تقياً عالماً بالسنة، كذا في النهاية. (الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الثاني في الأذان، الفصل الأول في صفته و أحوال المؤذن، (۱/ ۵۳) ط: مكتبه حقانيه پشاور).

* البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان، (۱/ ۲۵٤) ط: سعيد.

کراس کی اقتدا کی جائے، ٹیپ ریکارڈ سے وہ عبادات مشروع قرار نہیں دی جائیں گی، تو جس طرح ٹیپ ریکارڈ مصلّے پر رکھ کر نماز میں اس کی اقتدا کرنا ناجائز ہے، اسی طرح ٹیپ ریکارڈ سے نشر کی ہوئی اذان بھی منشاشریعت کے خلاف اور غیر مشروع ہے۔

اور اسی طرح یہ حیلہ کرنا کہ موذن بغیر لاؤڈا سپیکر کے اذان دے، اور پھر لاؤڈا سپیکر سے ٹیپ شدہ اذان نشر کردی جائے، تو یہ بھی درست نہیں ہے، کیوں کہ آئندہ چل کر اس کو ٹیپ سے اذان نشر کرنے کے لیے وجہ جواز بنایا جائے گا، توسدًّا للذرائع اس کو بھی ممنوع قرار دیا جائے گا۔[1]

اور اس کے علاوہ اذان کا مقصد اعلام ہے، یعنی لوگوں کو نماز کے وقت کی خبر دینا مقصود ہے، اور یہی وجہ ہے کہ فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ: مؤذن کسی ایسے بلند مقام پر کھڑے ہو کر اذان دے کہ پڑوس اور ارد گرد کے رہنے والے لوگ اذان سن سکیں۔

چناں چہ "رد المحتار" میں لکھا ہے:

"وينبغي للمؤذن أن يؤذن في موضع يكون أسمع للجيران، ويرفع صوته."[2]

اور ظاہر ہے کہ اس طرح حیلہ کرنے والوں کا مقصد تو وہ اذان ہے، جو ٹیپ ریکارڈ سے لاؤڈا سپیکر

---

(١) وفي اصطلاح الفقهاء والأصوليين: هي الأشياء الّتي ظاهرها الإباحة ، ويتوصل بها إلى فعل محظور، وهٰذا الاصطلاح يطلق في الواقع على ما اشتهر بين العلماء بسد الذريعة، والمراد به حسم داء الفساد دفعًا له إذا كان الفعل السالم من المفسدة وسيلة إلى المفسدة.(مقاصد الشريعة الإسلامية ، سد الذرائع ، (٣٠٥/٢) ط: وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية قطر).

* إعلام الموقعين عن رب العالمين، فصل في سد الذرائع، باب قيمة سد الذريعة، (٥/ ٦٦) ط: دار ابن الجوزي السعودية .
* الموفقات للشاطبي ، القسم الثاني ، مقاصد المكلف ، (٣/ ٧٩) ط: دار ابن عفان.

(٢) رد المحتار على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الأذان، (١/ ٣٨٤) ط: سعيد.
* البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان، (١/ ٢٥٥) ط: سعيد.
* الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الثاني في الأذان، الفصل الثاني في كلمات الأذان والإقامة وكيفيتهما، (١/ ٥٥) ط: مكتبه حقانيه پشاور.

=

سے نشر ہو گی، کیوں کہ اعلام اس سے حاصل ہو گا۔ نیز سننے والوں کو بھی ٹیپ شدہ اذان ہی سے اعلام حاصل ہو گا، اور اسی سے ان کو نماز کے وقت کی اطلاع ملے گی، تو جو اذان مؤذن نے بغیر لاؤڈ اسپیکر کے دی اس سے اعلام حاصل نہ ہوا، اور جس سے اعلام حاصل ہوا وہ شریعت کے مطابق نہیں؛[1] لہٰذا اس طرح سے اذان کی ایک نئی راہ کھولنا درست نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احمد الرحمن غفرلہ (۱۵/رجب/۱۳۸۵ھ)

دار الافتاء مدرسہ عربیہ، نیوٹاؤن کراچی/۵

اذان شرعی عبادت ہے، جب تک مکلف اذان نہ دے، یہ سنت ادا نہ ہو گی، ریڈیو، ٹیپ ریکارڈ کی اذان کوئی عبادت نہیں ہے۔[2] ایک اذان کے بعد دوسری اذان بدعت ہے، اس کی بھی کوئی گنجائش نہیں ہے،[3] زیادہ سے زیادہ اذان میں لاؤڈ اسپیکر استعمال کیا جا سکتا ہے۔

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ

---

(۱) أن المقصود الأصلي من الأذان في الشرع الإعلام بدخول أوقات الصلاة ثم صار من شعار الإسلام في كل بلدة أو ناحية من البلاد الواسعة على ما مر، فمن حيث الإعلام بدخول الوقت وقبول قوله لا بد من الإسلام والعقل والبلوغ والعدالة. (رد المحتار على الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الأذان، (١/ ٣٩٤) ط: سعيد).

(۲) أذان الصبي الذي لا يعقل فلا يجزئ ويعاد؛ لأن ما يصدر لا عن عقل لا يعتد به كصوت الطيور. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، باب الأذان (١/ ١٥٠) ط: سعيد).

(۳) إذا كان في المسجد أكثر من مؤذن أذنوا واحدًا بعد واحدٍ فالحرمة للأوّل ... أو على أن تكراره في مسجد واحدٍ يوجب أن يكون الثاني غير مسنون بخلاف ما إذا كان من محلات مختلفة تأمل. (رد المحتار على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الأذان، (١/ ٣٩٧) ط: سعيد).

ما حكم اسبرت(اسپرٹ) وما حكم الصلاة خلف من كان فى جيبه قلم وفيه حداد مخلوط باسبرت

سوال: أفتى بعض المحققين كالعلامة شمس الحق الأفغاني ومولانا شاه زاده تُرنگزى بأن المداد التي تستعمل في الأقلام نجسة، لأنّ فيها أسبرت (اسپرٹ)، وأنه خمر۔ نستفتيكم خاصة:

أوّلاً: بأن الأسبرت خمر أم لا؟

ثانياً: بأن الأسبرت مخلوط بالمداد أم لا؟

ثالثاً: بأنه لو كان في المداد، أتنجس أم لا؟ ويحلّ استعماله أم لا؟ ويصح الصلاة خلف من كان في جيبه قلم فيه هذ ا المداد والقرطاس المكتوب بها أم لا؟ ويحلّ استعمال القرآن المكتوبة ترجمته بهذا المداد أم لا؟

رابعاً: بأن ابتلائنا يصير بلوة عامة ويعتبر ضرورتنا إليها ضرورة تؤثر في طهارتها؟ و ماحكم الأدوية التي فيها أسبرت؟ بيّنوا توجروا !

المستفتي: محمد عثمان البلوشستاني

جواب: أقول ليس اسبرت خمراً على مصطلح الحنفية. نعم هو نجس، ولكن هذا القدر الذي يكون في القلم مع بقية الأشياء من الماء المقطر والصبغ قليل متحمل في الصلاة وفي غيرها.

نعم المناسب في كتابة الآيات القرآنية ولاسيما بقصد التبرك كمايكون في التمائم والرقى أن يجتنب عنه بتاتاً.

وقد عمّت البلوى جدًّا فالملائم فقهاً أن يخفّف في الحكم لهذا الابتلاء العام. -هذا ماأرى-[1] والله أعلم

الجواب صحيح	كتبه
ولی حسن	محمد یوسف البنوری عفا الله عنه

قطب تارے سے سمتِ قبلہ کی تعیین کرنا، نیز عینِ قبلہ سے کتنا درجہ انحراف درست ہے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اور مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

شریعت کی رو سے کعبہ کا رخ مغرب کی جانب ہوتا ہے یا کچھ ہٹ کر جنوب کی سمت ہوتا ہے؟ کیوں کہ سابقہ زمانے کے لوگ قطب ستارہ رات کو دیکھ کر مسجد کی بنیاد رکھتے تھے، تو سب کا رُخ مغرب کی طرف ہوتا تھا، ایک مسجد قدیم ویران ہو چکی تھی، جس کو دوبارہ بنایا جارہا ہے، جدید معلومات کے لوگوں نے اس کا رُخ غلط بتلایا، اور کہا کہ قطب تارہ صرف مغرب کا رُخ بتاتا ہے، کعبہ مغرب میں نہیں، بلکہ اس سے کچھ ہٹ کر جنوب کی سمت میں ہے۔

اب اس صورت میں کیا کیا جائے؟ پرانے زمانے کی مسجدوں کا رُخ صحیح ہے یا جدید معلومات کے مطابق مسجد کا رُخ ٹھیک ہے؟ اگر ٹھیک نہیں تو ان میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟ **بیّنوا توجروا!**

جواب: سمتِ قبلہ کی تعیین میں قطب تارہ سے تعیین کافی ہے، چند درجات کا فرق قابلِ

(1) اسپرٹ اگر عنب و زبیب و رطب و تمر (انگور، کشمش، کھجور اور چھوارے) سے حاصل نہ کی گئی ہو تو اس میں گنجائش ہے؛ للاختلاف، ورنہ گنجائش نہیں، للاتفاق۔ (امداد الفتاویٰ، کتاب الطہارۃ، نجاست کے احکام اور پاکی کا طریقہ، [سوال: ۱۲۵] عنوانِ مسئلہ: تفصیل در حکم اسپرٹ، (۱/۱۳۷) ط: مکتبہ دار العلوم کراچی)۔ =

اعتبار نہیں ہے۔ ''جہتِ قبلہ'' غائبین کے لیے سمت قبلہ ہے، اس کا انسان مکلف ہے،[1] جہت میں توسیع نوے درجے کی ہے، یعنی اگر عین سمت قبلہ سے ۴۵-۴۵ درجہ سے زیادہ انحراف نہ ہو تو استقبال درست ہوگا، مزید فلسفی تدقیق میں جانے کی ضرورت نہیں، جہت سے بالکلیہ خروج مفسد صلاۃ ہوگا۔[2] غالباً اس وقت اتنا لکھنا کافی ہوگا۔

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ

---

(۱) (ولغيره) أي: غير معاينها (إصابة جهتها) بأن يبقى شيء من سطح الوجه مسامتا للكعبة أو لهوائها، بأن يفرض من تلقاء وجه مستقبلها حقيقة في بعض البلاد خط على زاوية قائمة إلى الأفق مارًّا على الكعبة، وخط آخر يقطعه على زاويتين قائمتين يمنة ويسرة، منح، قلت: فهذا معنى التيامن والتياسر في عبارة الدرر، فتبصر وتعرف بالدليل، وهو في القرى والأمصار محاريب الصحابة والتابعين، وفي المفاوز والبحار النجوم كالقطب. (الدر المختار على رد المحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مبحث في استقبال القبلة، (١/ ٤٢٨- ٤٣٠) ط: سعيد).

* البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، (١/ ٢٨٥) ط: سعيد.
* فإن استقبال العين للغائب لايمكن إلا بآلات فلكية وبآلات رصدية، ولم يرد بها التكليف في الشرع، ... وإذن يتحمل الإنحراف في الجهة عن الكعبة نفسها نحو خمس وأربعين درجة كما حققه الغزالي وغيره من المحققين. (معارف السنن شرح سنن الترمذي، باب ماجاء أن مابين المشرق والمغرب قبلة، (٣/ ٣٧٩) ط: مجلس الدعوة والتحقيق الإسلامي، بنوري تاؤن كراچی)
* بغية الأريب في مسئل القبلة والمحاريب، الفصل الثاني في أنّه ماذا يشترط للمصلي في الاستقبال عند القدرة، هل هو عين الكعبة أم جهتها؟ اشتراط الجهة للبعيد، (ص: ٣٩) ط: مجلس الدعوة والتحقيق الإسلامي كراچی.

(۲) فإن استقبال العين للغائب لايمكن إلا بآلات فلكية وبآلات رصدية، ولم يرد بها التكليف في الشرع،...وإذن يتحمل الانحراف في الجهة عن الكعبة نفسها نحو خمس وأربعين درجة كما حققه الغزالي وغيره من المحققين. (معارف السنن شرح سنن الترمذي، باب ماجاء أن مابين المشرق والمغرب قبلة، (٣/ ٣٧٩) ط: مجلس الدعوة والتحقيق الإسلامي، بنوري تاؤن كراچی).

* بغية الأريب في مسائل القبلة والمحاريب، الفصل الثاني في أنّه ماذا يشترط للمصلي في الاستقبال عند القدرة، هل هو عين الكعبة أم جهتها؟ اشتراط الجهة للبعيد، (ص: ٣٩) ط: مجلس الدعوة والتحقيق الإسلامي كراچی.

حكم التسمية بين السور جهراً فى التراويح وغيرها من النوافل

سوال: التسمية جهراً بين السُّوَر في ختم القرآن في التراويح وغيرها من النوافل هل هو سنة أم مباح أم مكروه؟

بيّنوا تفصيلاً بالدلائل الشافية على وجه ينكشف المرام عن الغمام توجروا عن ربّ الأنام!

جواب: التسمية بين السورتين في الصلاة جهرية كانت أوسرية، فرضاً كانت أونفلاً ليست بسنّة عند الشيخين، وعليه الفتوى. وعند الإمام محمد عليه الرحمة تسنّ في السرية فقط لا في الجهرية، ومع هذا لو قرأ أحد التسمية بين الفاتحة والسورة أو بين السورتين في التراويح وغيرها من النوافل والفرائض لاتكره اتفاقاً، وإن جهر في الجهرية. كذا في الدر المختار ورد المحتار:

"لاتسنّ (التسمية) بين الفاتحة والسورة مطلقاً ولوسرية، ولاتكره اتفاقاً." (قوله: لاتسنّ) مقتضى كلام المتن أن يقال: لايسمّي، لكنه عدل عنه لإيهامه الكراهة، بخلاف نفي السنية، ثمّ إن هذا قولهما، وصحّحه في البدائع. وقال محمد: تسنّ إن خافت لا إن جهر، بحر. ونسب ابن الضياء في شرح الغزنوية الأول إلى أبي يوسف فقط، فقال: وهذا قول أبي يوسف، وذكر في المصفي: أن الفتوى على قول أبي يوسف أنه يسمي في أول كل ركعة ويخفيها... وإنما اختير قول أبي يوسف؛ لأن لفظة الفتوى آكد وأبلغ من لفظة المختار."[1]

(١) الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، آداب الصلاة، (١/ ٤٩٠) ط: سعيد.

=

وكذا في بدائع الصنائع:

"لايجهر بالتسمية في الصلاة عندنا، لأنه لا نصّ في الجهر بها، وليست من الفاتحة حتى يجهر بها ضرورة الجهر بالفاتحة. (وكذلك ليست من السور إلا ما كانت في سورة النمل)... ولأن التسمية متى تردّدت بين أن تكون من الفاتحة وبين أن لاتكون، تردّد الجهر بين السنة والبدعة؛ لأنها إذا لم تكن منها التحقت بالأذكار، والجهر بالأذكار بدعة، والفعل إذا تردّد بين السنة والبدعة تغلب جهة البدعة؛ لأن الامتناع عن البدعة فرض، ولافرضية في تحصيل السنة أو الواجب، فكان الإخفاء بها أولى".[1]

والبحث في التسمية موجود في البدائع مفصلاً. فلو تريد الزيادة من هذا فارجع إليه! والله أعلم وعلمه أتمّ وأحكم

الجواب صحيح **كتبه**

ولی حسن عفی عنہ اکبر اسلام آبادی

(۱۳۸۲/۵/۲۳ھ)

صح الجواب واللہ أعلم بالصواب

کتبہ: محمد عبد الرشید النعمانی غفر اللہ لہ

(۲۹ جمادی الاولی، ۱۳۸۲ھ)

ثمّ هذا كلام مسألة الجهر بالفاتحة والإسرار بها في عامة الصلوات، أما مسألة قراءة التسمية جهراً في ختم القرآن في التراويح مرّة واحدة مع أية

---

* البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل: وإذا أراد الدخول في الصلاة كبر... إلخ، (١/ ٣١٢) ط: سعيد.

(١) بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في سنن الصلاة، (١/ ٢٠٤) ط: سعيد.

سورة شاء مسألة أخرى، وحكمها: أنه يجهر بها مرّة، لأنها آية مستقلّة من القرآن ماعدا سورة النمل حيث هناك جزء آية، فمن أراد أن يأتي بالقرآن الكريم كلّه جهراً في التراويح أوغيرها لابدّ أن يقرأها مرّة بالجهر، لكيلا ينقص ختم القرآن، وربما يشتبه هذا على كثير من الناس.(۱)

الجواب صواب

محمد یوسف البنوری عفا اللہ عنہ

قعدۂ اخیرہ میں ایک سے زیادہ دعا پڑھنے کا حکم

سوال: بخدمت شریف جناب مفتی صاحب مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

حضرت خدمت عالیہ میں گزارش یہ ہے کہ مجھے مسئلہ معلوم کرنا ہے، مہربانی فرماکر جواب عطا کرنے سے عین نوازش ہوگی، مسئلہ مندرجہ ذیل ہے:

اگر کوئی شخص قعدۂ اخیرہ میں درود کے بعد ایک کے علاوہ چند دعا ماثورہ پڑھے تو اس کے لیے جائز ہے یا نہیں؟ نیز امام اور مقتدی اور منفرد کے لیے ایک سا حکم ہے یا الگ؟ نیز کوئی دعا مخصوص ہے یا کوئی بھی دعا پڑھنے سے ہوجائے گا؟ اگر مخصوص ہے تو کون سی دعا ہے؟ اور مخصوص نہ ہونے کی صورت میں راجح کون سی دعا ہے؟

---

(۱) (وهي آية) واحدة (من القرآن) كلّه (أنزلت للفصل بين السور) فما في النمل بعض آية إجماعاً. (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب قراء ة البسملة بين الفاتحة والسورة حسن، (۱/ ٤٩١) ط: سعيد).

* البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل: وإذا أراد الدخول في الصلاة كبر ... إلخ (۱/ ۳۱۲) ط: سعيد.
* بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في سنن الصلاة (۱/ ۲۰۳) ط: سعيد.

الغرض تفصیلی جواب مع الدلائل معلوم کرنا چاہتا ہوں، تکلیف اور گستاخی معاف ہو، نیز دعا کا محتاج ہوں۔ والسلام

آپ کا شاگرد: احقر عبد الحیی

جواب: نماز کے قعدۂ اخیرہ میں درود شریف کے بعد متعدد ادعیہ ماثورہ کا پڑھنا جائز ہے، لیکن امام ہونے کی صورت میں مقتدیوں کا لحاظ رکھنا چاہیے، کیوں کہ جماعت میں ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں (مریض کمزور اور حاجت مند) اگر امام صاحب نمازوں کو سننِ زوائد و مستحبات سے طوالت دینے لگے تو لوگ جماعت جو سنت موکدہ اور بعض ائمہ کے نزدیک واجب ہے، چھوڑنے لگیں گے، اس لیے امام صاحب کو مقتدیوں کی رعایت کرنا ضروری ہے کہ درود شریف کے بعد مختصر دعاءِ ماثورہ پڑھ کر سلام پھیر دیں۔[1]

منفرد ہو تو جتنی دعائیں چاہے پڑھ سکتا ہے، اور مقتدیوں پر چوں کہ امام کی اتباع واجب ہے؛ اس

---

(١) وقد قدمنا عن المحقق ابن أمير الحاج: أنّ الأدعية والأذكار كلها تجوز في الصلوات كلها، وفي الفرائض أيضًا بشرط عدم التثقيل على القوم غير أن المكتوبات لما كان مبناها على التخفيف كما تدلّ عليه قصة معاذ رضي الله عنه وغيرها، لم يجز العمل بها عندنا في المكتوبات حتى تركوا ذكرها في الكتب أيضًا بخلاف النوافل، فإنّها على رأيه، فإن شاء طوّلها أطول من أطول فوضعوها فيها. (فيض الباري على صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب لاتسبيح والدعاء في السجود، (٢/ ٣٨٨) ط: دار الكتب العلمية بيروت).

* كره تطويل الصلاة لقوله عليه الصلاة والسلام: إذا أمّ أحدكم النّاس فليخفف، فإنّ فيهم الكبير والصغير والضعيف و المريض وإذا صلّى وحده فليصل كيف شاء، ولحديث أنس أنّه قال: ماصليت وراء إمام قط أخف صلاة ولا أتمّ صلاة من رسول الله صلى الله عليه وسلم. (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة والحدث في الصلاة، (١/ ٣٤٨) ط: سعيد).
* الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الثالث في بيان من يصلح إمامًا لغيره، (١/ ٨٧) ط: رشيديه.
* رد المحتار على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة، (١/ ٥٦٤) ط: سعيد.

لیے امام کے سلام پھیرنے تک دعائے ماثورہ میں سے جو دعا اور جتنی دعائیں چاہیں پڑھ سکیں، پڑھیں، اس سے نماز میں کوئی حرج نہیں ہوگا، اور امام کے ساتھ سلام پھیر دیں، اگرچہ کوئی دعا بھی نہ پڑھ سکیں، البتہ مقتدی کے تشہد ختم کرنے سے پہلے اگر امام سلام پھیر دے تو مقتدی امام کے ساتھ سلام نہ پھیرے، بلکہ تشہد ختم کرکے سلام پھیرے۔

اور سلام سے پہلے نماز کے اندر دعاؤں کے لیے یہ شرط ہے کہ دعاؤں میں ایسے کوئی لفظ نہ ہوں جو انسان کے کلام سے مشابہ ہوں، اور ایسے سوال نہ ہوں جو کسی انسان سے مانگنا جائز اور ممکن ہوں، ورنہ قعدۂ اخیرہ کے تشہد سے پہلے کسی جگہ میں بھی ایسے الفاظ ہوں تو نماز فاسد ہو جائے گی، اور اگر قعدۂ اخیرہ کے تشہد کے بعد ہوں تو اس قسم کے لفظ و سوال سے نماز سے خارج ہو جائیں گے، اور نماز تمام ہو جائے گی؛ اس لیے نماز میں ادعیہ محفوظہ پڑھا کریں، ورنہ زبان سے ایسے الفاظ و سوالات کے نکل جانے کا خطرہ رہے گا، جن سے نماز فاسد ہو جائے گی، اور نمازی کو خبر تک نہیں ہوگی کہ اس کی نماز فاسد ہو گئی ہے۔

"فإذا فرغ من الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم يستغفر لنفسه لأبويه وللمؤمنين والمؤمنات، كذا في الخلاصة، ويدعو لنفسه ولغيره من المؤمنين ولايخص نفسه بالدعاء وهو سنة، هكذا في التبيين، ثم يقول: ربنا اٰتنا في الدنيا إلى آخره، كذا في الخلاصة، ولايدعو بما يشبه كلام الناس وما لايستحيل سؤاله من العباد، كقوله: اللّٰهمّ زوّجني فلانة يشبه كلامهم... ولو قال: اللّٰهمّ ارزقني مالاً عظيماً تفسد، ولوقال: اللّٰهمّ ارزقني العلم والحجّ ونحو ذلك لاتفسد، كذا في المضمرات، وفي الولوالجية: ينبغي أن يدعو في الصلاة بدعاء محفوظ لأنّه يخاف أن يجري على لسانه مايشبه كلام الناس فتفسد صلاته، كذا في التتارخانية، وكلّ ما ذكرناه أنّه يفسد إذا لم يقعد قدر التشهد في آخر الصلاة، وأمّا إذا قعد

فصلاته تامّة يخرج به من الصلاة".[1]

"ولو سلّم الإمام قبل أن يفرغ المقتدي من الدعاء الذي يكون بعد التشهد أو قبل أن يصلي على النبي صلى الله عليه وسلم فإنّه يسلّم مع الإمام".[2] والله أعلم وعلمه أتمّ وأحكم.

الجواب صحيح	کتبه
محمد یوسف البنوری	اکبر علی اسلام آبادی
	(۱۳۸۲/۷/۲۵ھ)

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الثالث في سنن الصلاة وآدابها وكيفيتها، (١/ ٧٦) ط: مكتبه حقانيه پشاور.

* البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل: وإذا أراد الدخول في الصلاة كبر... إلخ (١/ ٣٣٠) ط: سعيد.

* حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان سننها، (١/ ٢٧٢) ط: مكتبه غوثيه كراچی.

(٢) الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل السادس فيما يتابع الإمام وفيما لايتابعه، (١/ ٩٠) ط: مكتبه حقانيه پشاور.

* حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل فيما يفعله المقتدي بعد فراغ إمامه ... إلخ، (١/ ٤١٨) ط: مكتبه غوثية كراچی .

* المبسوط للسرخسي ، كتاب الصلاة ، باب نوادر الصلاة ، (٢/ ٩٣) ط: دار المعرفة بيروت.

* البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل: وإذا أراد الدخول في الصلاة كبر... إلخ (١/ ٣٣٠) ط:سعيد.

* حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان سننها، (١/ ٢٧٢) ط: مكتبه غوثيه كراچی.

فرائض وسنن کے بعد بہیئت اجتماعیہ دعا کا ثبوت ہے یا نہیں

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین مندرجہ ذیل مسائل میں:

۱- صلاۃ مکتوبہ کے بعد امام ومقتدی کا اجتماعی طور پر رفع یدین کے ساتھ دائماً دعا کرنا اور احیاناً بھی ترک نہ کرنا، نیز تارک پر لعن وطعن کرنا، اس قسم کی دعا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتابعین وائمہ مجتہدین سے ثابت ہے یا نہیں؟

۲- بکر کہتا ہے کہ: جتنی احادیث سے مکتوبات کے بعد دعا کرنا مفہوم ہوتا ہے، ان میں سے ایک سے بھی ہیئت اجتماعیہ ثابت نہیں ہوتی، صحیح ہے یا نہیں؟

۳- علماء وصلحائے متاخرین کا عمل یا قول اگر مخالفِ سلفِ صالحین ہو تو حجت شرعیہ ہو سکتا ہے یا نہیں؟

٤- بعض کتب متاخرین میں مثلاً: "نور الإيضاح" و"مراقي الفلاح"[1] میں اس قسم کے مناجات کو بعض کے قول کے مطابق مندوب لکھا ہے، کیا اس مندوب سے مراد مندوب منقولی یا قیاسی واستنباطی ہے؟

۵- نیز امر مندوب لحوقِ اصرار والتزام ودیگر عوارضِ غیر شرعیہ سے بدعت بن جاتا ہے یا نہیں؟

---

(۱) ويستحب للإمام بعد سلامه: أن يتحول إلى جهة يساره لتطوع بعد الفرض. وأن يستقبل بعده الناس ... ثمّ يدعون لأنفسهم وللمسلمين، رافعي أيديهم، ... إلخ (نور الإيضاح مع مراقي الفلاح وحاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، [فصل] في صفة (الأذكار الواردة بعد) صلاة (الفرض)...، (١/ ٤٢٤- ٤٢٩) ط: مكتبه غوثيه كراچی).

٦- فی الحال جب اس مناجات کے ساتھ اصرار والتزام سے دیگر منکرات لاحق ہوئے ہیں، تو بدعت ہوگی یا نہیں؟

٧- بصورتِ بدعت ائمۂ مساجد ودیگر علماء پر ترک کرنا ومسئلہ بیان کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

مستفتی: محمد قاسم چاٹ گام

جواب: ١- صلاۃ مکتوبہ کے بعد انفرادی واجتماعی دونوں طریقوں سے ثبوتِ دعا مل جاتا ہے، لیکن عمل مستمر نہیں، زیادہ سے زیادہ استمرار کے لیے جواز کی وجہ ہوگی۔

٢- بکر کا دعویٰ مطلقاً صحیح نہیں۔

٣- خلفِ صالحین کا قول وعمل سلفِ صالحین کے خلاف حجت نہیں، لیکن یہاں ایسا نہیں۔

٤- مندوب ہونے کے لیے فی الجملہ ثبوت مرۃ ہونا کافی ہے، اور وہ موجود ہے، البتہ سنن کے بعد بہیئتِ اجتماعی نصاً ثبوت مشکل ہے،[1] الّا یہ کہ قیاساً کہا جائے کہ سننِ بعدیہ مکملات ہیں، سنن کے بعد

---

(١) ثم إنّ ما راج في كثير من بلاد الهند الجنوبية الدعاء بكيفية مخصوصة بعد الرواتب: يستقبل الإمام المقتدين ويدعون رافعي أيديهم، ثم ينادي الإمام بصوت عال: "الفاتحة"، فيقرأ هو والمقتدون الفاتحة، ثمّ يصلّون على النبي صلى الله عليه وسلم ... ويواظبون على هذا طول أعمارهم في جميع صلواتهم ويلتزمونه التزام واجب وينكرون على إمام ومأموم لايفعل ذلك، وربما يفضي بهم الإنكار إلى خصام شديد وجدال قبيح، بل يؤدي إلى قبائح وفضائح من الجهالات الفاحشة، ففي مثل هذه يقال: إنه بدعة تضمنت بدعات كثيرة، لاأرى لمثل هذا وجهة من السنة، ... ثمّ هذا الإلتزام ثم تشديد النكير على التارك، كل ذلك بعيد عن السنّة، والله يقول الحق وهو يهدي السبيل. (معارف السنن للعلامة البنوري، أبواب الصلاة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب مايقول إذا سلّم، (٣/ ١٢٤، ١٢٥) ط: سعيد).

* ورحم الله طائفة من المبتدعة في بعض أقطار الهند ... ثمّ إذا فرغوا من فعل السنن والنوافل، يدعو الإمام عقب الفاتحة جهراً بدعاء مرّة ثانية، والمقتدون يؤمنون على ذلك، وقدجرى العمل منهم

دعا مثل بعد المکتوبات ہے۔

۵- مندوبات پر مداومت اگر موہمِ وجوب ہوتی ہو تو احیاناً ترک واجب ہے، اس وقت التزام کو بدعت کہا جاسکے گا۔ (1)

٦- جہاں اختلال والتباس پیدا ہو، یعنی کرنے سے التباس ہے تو مسئلہ بتلا کر کبھی کبھی ترک کر دینا ضروری ہوگا۔

۷- احیاناً ترک اور بیان دونوں ضروری ہیں۔

ذیل میں چند روایات حدیثیہ بصیرت کے لیے پیش کی جاتی ہیں، تاکہ نمبر: ۱، نمبر: ۲ کی تائید ہو سکے۔

الف: حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی ایک روایت "زوائد ہیثمی" میں ہے، جس میں

بذلك على سبيل الإلتزام والدوام... وأيم الله إنّ هذا أمر محدث في الدين. (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، بيان ما يقرأ إذا فرغ من الصلاة، (٣/ ٢٠٥) ط إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی).

* مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ کا رسالہ **"النفائس المرغوبة في حكم الدعاء بعد المكتوبة"**، شامل در کفایت المفتی، کتاب الصلاۃ، آٹھواں باب: دعا بعد نماز، (336/3) ط: دار الاشاعت کراچی۔

(١) أنّ من أصرّ على أمر مندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصرّ على بدعة ومنكر. (شرح الطيبي على مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، الفصل الأوّل، (٢/ ٣٧٤) ط: إدارة القرآن كراچی).

* ومنها: التزام العبادات المعيّنة في أوقات معيّنة لم يوجد لها ذلك التعيين في الشريعة. (الاعتصام للشاطبي، الباب الأوّل في تعريف البدع وبيان معناها، (١/ ١٨) ط: المكتبة التجارية الكبرى، مصر).
* والمتابعة كما تكون في الفعل تكون في الترك أيضاً، فمن واظب على فعل لم يفعله الشارع فهو مبتدع. (مرقاة المفاتيح، الحديث الأول قبل كتاب الإيمان، حديث النية، (١/ ٩٠) ط: رشيديه)
* واستنبط منه أن المندوب ربما انقلب مكروهاً إذا خيف أن يرفع عن رتبته. (مجمع بحار الأنوار، باب الصاد مع الراء، (٢/ ٣١٨) ط: مكتبة دار الإيمان، المدينة المنورة).

=

حضور اکرم ﷺ سے رفع یدین ثابت ہے۔[1]

ب: ''تفسیر ابن کثیر'' میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ: مستقبلِ قبلہ آپ ﷺ نے ہاتھ اٹھاکر یہ فرمایا: **"اللّٰهمّ خلّص الوليدبن الوليد۔"**[2]

ج: حضرت عبداللہ بن حاجب عامری سے ''مصنف بن ابی شیبہ'' میں مرفوع روایت ہے کہ نماز فجر کے بعد ہاتھ اٹھائے۔[3]

د: ''**عمل اليوم والليلة**'' لابن السني میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے اور قولی حدیث سے رفع یدین کا ثبوت ملتا ہے۔[4]

---

(١) وعن محمد بن أبي يحيى قال: رأيت عبدالله بن الزبير ورأى رجلاً رافعاً يديه يدعو قبل أن يفرغ من صلاته، فلمّا فرغ منها، قال: إنّ رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يكن يرفع يديه حتى يفرغ من صلاته. رواه الطبراني ... ورجاله ثقات. (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، للشيخ نور الدين الهيثمي، كتاب الأدعية، باب في الإشارة في الدعاء ورفع إليدين، (١٠/ ١٦٩) ط: دار الفكر بيروت).

(٢) عن سعيد بن المسيب عن أبي هريرة رضي الله عنه: أنّ رسول الله صلى الله عليه وسلم رفع يده بعد ما سلّم وهو مستقبل القبلة، فقال: اللّٰهمّ خلّص الوليد بن الوليد، وعياش بن أبي ربيعة وسلمة بن هشام، وضعفة المسلمين الذين لايستطيعون حيلة ولايهتدون سبيلاً من أيدي الكفار. (تفسير القرآن العظيم، لابن كثير، [النساء: ٩٧- ١٠٠] (٢/ ٣٩٠) ط: دار طيبة للنشر والتوزيع، الرياض، المملكة العربية السعودية).

(٣) لم أعثر عليه.

(٤) عن أنس بن مالك رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: ما من عبد بسط كفيه في دبر كل صلاة، ثمّ يقول: اللّٰهمّ إلٰهي وإلٰه إبراهيم وإسحاق ويعقوب وإلٰه جبرائيل وميكائيل وإسرافيل عليهم السلام، أسألك أن تستجيب دعوتي فإني مضطرّ، وتعصمني في ديني فإني مبتلى، وتنالني برحمتك فإني مذنب، وتنفي عن الفقر فإني متمسكن، إلا كان حقًّا على الله عزّوجلّ أن لايرد يديه خائبتين. (عمل اليوم والليلة لابن السني، باب ما يقول في دبر صلاة الصبح، (ص:٧٢) ط: مكتبة المؤيد، الرياض).

=

ھ: ”معجم طبراني كبير“ سے بروایت حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ثابت ہے، وغیرہ۔[1]

اتنی روایات امت حاضرہ کے تعامل کے لیے کافی ہیں، اس لیے اگر کوئی اس کا التزام کرے تو انکار کی گنجائش نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح	کتبہ
ولی حسن	محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ

فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کا ثبوت

سوال: ۱- کیا حضور اکرم ﷺ نے نمازوں کے بعد دعا کے لیے ہاتھ بلند کیے ہیں؟

۲- حضور اکرم ﷺ نے اکثر و بیشتر فرض نمازوں کے بعد دعا کے لیے کیا فرمایا؟

۳- کیا زیادہ تعداد میں فرض نمازوں کے بعد دعا کے لیے ہاتھ بلند نہیں فرمائے؟

٤- کیا زیادہ نمازیں ایسی ہیں جن میں ہاتھ نہیں اٹھائے؟

٥- حضور اکرم ﷺ نے عمر مبارک کی آخری نمازوں کے فرائض کے بعد دعا کے لیے ہاتھ بلند فرمائے ہیں یا نہیں؟

---

(۱) عن مجاهد عن ابن عمر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إنّ ربّكم حييٌّ كريم يستحيي أن يرفع العبد يديه فيردهما صفراً لاخير فيهما، فإذا رفع أحدكم يديه فليقل: ياحيُّ، لاإلٰه إلا أنت، يا أرحم الراحمين ثلاث مرّات، ثمّ إذا ردّ يديه فليفرغ ذلك الخير إلى وجهه. (المعجم الكبير للطبراني، باب العين، عبدالله بن عمر ابن الخطاب، ومما أسند عبدالله بن عمر، مجاهد عن ابن عمر، [رقم الحديث: ١٣٥٥٧] (١٠/ ٣٣١٨) ط: مكتبة الإصالة والتراث، بيروت).

٦- ملک کے تمام علماءِ کرام فرائض کے بعد ہاتھ بلند کر کے دعا کرتے ہیں، کیا اس سے یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ حضور اکرم ﷺ نے زیادہ نمازوں میں فرائض کے بعد ہاتھ بلند فرمائے ہوں؟

٧- اس امر کی بھی وضاحت فرمائیں کہ نماز میں فرض کے بعد پہلے پہل حضور اکرم ﷺ نے کب ہاتھ بلند کر کے دعا فرمائی تھی؟

٨ - نیز آں جناب خود بھی نمازِ فرض کے بعد کیا عمل کرتے ہیں؟

اس مؤخر الذکر استدعا کا بھی جواب صادر فرمائیں! والسلام

مستفتی: تاج محمد خان درانی، رحیم یار خان

جواب: ١ - نفسِ دعا اور اس کے آداب میں عام احادیث کثرت سے موجود ہیں۔

٢- فرائض کے بعد دعا ثابت ہے اور احیاناً چند واقعات میں رفع یدین کے ساتھ دعا بھی ثابت ہے، ذیلی اشارات ملاحظہ ہوں:

الف:- حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی ایک روایت زوائد ہیثمی میں ہے جس میں حضور اکرم ﷺ سے رفع یدین کا ثبوت ملتا ہے۔[1]

ب:- "تفسیر ابن کثیر" میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ: مستقبلِ قبلہ آپ ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر یہ فرمایا: "**اللّٰهمّ خلص الوليد بن الوليد**۔"[2]

---

(١) عن محمد بن أبي يحيى قال: رأيت عبدالله بن الزبير ورأى رجلاً رافعاً يديه يدعو قبل أن يفرغ من صلاته، فلمّا فرغ منها، قال: إنّ رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يكن يرفع يديه حتى يفرغ من صلاته. رواه الطبراني ... ورجاله ثقات. (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، للشيخ نور الدين الهيثمي، كتاب الأدعية، باب في الإشارة في الدعاء ورفع اليدين، (١٠/ ١٦٩) ط: دار الفكر بيروت).

(٢) عن سعيد بن المسيب عن أبي هريرة رضي الله عنه: أنّ رسول الله صلى الله عليه وسلم رفع يده =

ج:- حضرت عبداللہ بن حاجب عامری سے "مصنف بن ابی شیبہ" میں مرفوع روایت ہے کہ نماز فجر کے بعد ہاتھ اٹھائے۔[1]

د:- "عمل اليوم والليلة" لابن السني میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اور قولی حدیث سے رفع یدین کا ثبوت ملتا ہے۔[2]

ھ:- "معجم طبراني كبير" سے بروایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ثابت ہے۔[3]

اتنی روایات امت حاضرہ کے تعامل کے لیے کافی ہیں، اس لیے اگر کوئی اس کا التزام کرے تو انکار

بعد ماسلّم وهو مستقبل القبلة، فقال: اللّٰهمّ خلّص الوليد بن الوليد، وعياش بن أبي ربيعة وسلمة بن هشام، وضعفة المسلمين الذين لايستطيعون حيلة ولايهتدون سبيلاً من أيدي الكفار. (تفسير القرآن العظيم، لابن كثير، [النساء:٩٧- ١٠٠] (٢/ ٣٩٠) ط: دار طيبة للنشر والتوزيع، الرياض، المملكة العربية السعودية).

(١) لم أعثر عليه.

(٢) عن أنس بن مالك رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: ما من عبد بسط كفيه في دبر كل صلاة، ثمّ يقول: اللّٰهمّ إلٰهي وإلٰه إبراهيم وإسحاق ويعقوب وإلٰه جبرائيل وميكائيل وإسرافيل عليهم السلام، أسألك أن تستجيب دعوتي فإني مضطرّ، وتعصمني في ديني فإني مبتلى، وتنالني برحمتك فإني مذنب، وتنفي عن الفقر فإني متمسكن، إلا كان حقًّا على الله عزّوجلّ أن لايرد يديه خائبتين. (عمل اليوم والليلة لابن السني، باب ما يقول في دبر صلاة الصبح، (ص:٧٢) ط: مكتبة المؤيد، الرياض).

(٣) عن مجاهد عن ابن عمر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إنّ ربّكم حييٌّ كريم يستحيي أن يرفع العبد يديه فيردهما صفراً لاخير فيهما، فإذا رفع أحدكم يديه فليقل: ياحيُّ لا إلٰه إلا أنت، يا أرحم الراحمين ثلاث مرّات، ثمّ إذا ردّ يديه فليفرغ ذلك الخير إلى وجهه. (المعجم الكبير للطبراني، باب العين، عبدالله بن عمر ابن الخطاب، ومما أسند عبد الله بن عمر، مجاهد عن ابن عمر، [رقم الحديث: ١٣٥٥٧] (١٠/ ٣٣١٨) ط: مكتبة الإصالة والتراث، بيروت).

=

کی گنجائش نہیں۔ لیکن جیسے کہ میں نے اشارہ کیا ہے کہ جزئی چند واقعات ہیں، حضرت رسالت پناہ ﷺ کا عام تعامل نہ تھا کہ بالالتزام فرض کے بعد ہاتھ اٹھا کر بہیئتِ اجتماعی دعا فرماتے ہوں، اس لیے ابو اسحاق شاطبیؒ اس کو بدعات میں شمار کرتے ہیں، لیکن یہ بھی غلو ہے، اگر سنت نہیں تو بدعت بھی نہیں، نہ کرنے والوں پر بھی نکیر مشکل ہے۔[1]

صرف ہندوستان یا پاکستان یا افغانستان کے مسلمانوں کا تعامل سنت کی دلیل نہیں بن سکتا،[2]

---

(١) فائدة: واعلم أنّ الأدعية بهٰذه الهيئة الكذائية لم تثبت عن النّبي صلى الله عليه وسلم ولم يثبت عنه رفع الأيدي دبر الصلوات في الدعوات إلاّ أقلّ قليل، ومع ذلك وردت فيه ترغيبات قولية، والأمر في مثله أن لايحكم عليه بالبدعة، فهٰذه الأدعية في زماننا ليست بسنة بمعنى ثبوتها عن النّبي صلى الله عليه وسلم، وليست ببدعة بمعنى عدم أصلها في الدين، ولاوجه فيه ماذكرته في رسالتي "نيل الفرقدين" أنّ أكثر دعاء النّبي صلى الله عليه وسلم كان على شاكلة الذكر ، لايزال لسانه رطبًا به ويبسطه على الحالات المتواردة على الإنسان من الّذين يذكرون الله قيامًا و قعودًا وعلى جنوبهم ويتفكرون في خلق السّمٰوات والأرض، ومثل هٰذا في دوام الذكر على الأطوار لاينبغي له أن يقصر أمره على الرفع، فإنّه حالة خاصة لمقصد جزئي، وهو وعاء المسألة. فإن ذقت هذا نفّس عن كرب ضاق بها الصدر ، لا أنّ الرفع بدعة، فقد هدٰى إليه في قوليات كثيرة، وفعله بعد الصلاة، قليلاً وهٰكذا شأنه في باب الأذكار والأوراد اختار لنفسه ما اختاره الله له، وبقي أشياء رغّب فيها للأمة، فإن التزم أحد منا الدعاء بعد الصلاة برفع إليد فقد عمل بما رغب فيه وإن لم يكثره بنفسه فاعلم ذلك اهـ . (فيض الباري شرح صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب مايقول إذا سمع النداء، رقم الحديث: ٦١٣، (٢/ ٢١٣) ط: دار الكتب العلمية بيروت).

(٢) ولكن مشائخنا لم يجوزوا هٰذا التخصيص، لأنّ ذلك تعامل أهل بلدة واحدة، وتعامل أهل بلدة واحدة لايخص الأثر، لأنّ تعامل أهل بلدة إن اقتضى أن يجوز التخصيص فترك التعامل من أهل بلدة أخرٰى يمنع التخصيص، فلايثبت التخصيص بالشك بخلاف التعامل في الاستصناع، فإنّه وجد في البلاد كلها... وفي القنية: من باب استيجار المستقرض المقرض التعارف الّذي تثبت به الأحكام لايثبت بتعارف أهل بلدة واحدة عند البعض، وعند البعض وإن كان يثبت لكن

ممالک عربیہ میں بہت سے ممالک اس کا اہتمام نہیں کرتے۔

مسئلہ مزید تفصیل کا محتاج ہے، میں بہت مشغول ہوں، ان شاء اللہ تعالیٰ اختصار کے ساتھ اس وقت اتنا لکھ دینا کافی ہوگا۔ والسلام

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ

(۲۱/اگست، ۱۹۶۶ء)

فرض نماز کے بعد دعا کا حکم

سوال: فرض نماز کے بعد یعنی جماعت کے بعد جو دعا عام ہے، وہ قرآن وسنت سے ثابت ہے یا نہیں؟

مستفتی: محمد رفیق (۲۰/محرم/۱۳۹۴ھ)

جواب: فرض نماز کے بعد دعائیں پڑھنے اور اور دعا کرنے کا ثبوت حدیث سے ملتا ہے، چناں چہ حضور علیہ السلام سے سوال کیا گیا: "**أي الدعاء أسمع؟ قال: الدعاء عند جوف الليل الآخر، وعند دبر كل صلاة مكتوبة۔**"[1] اور قرآن کریم میں بھی دعا کرنے کا حکم آیا ہے: ﴿**اُدْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ**﴾ [المؤمن: ۶۰] اور حدیث میں فرائض ومکتوبات کے بعد دعا کرنے کی فضیلت آئی

أحدثه بعض أهل بخارٰى فلم يكن متعارفًا مطلقًا، كيف وإن هٰذا الشيئ لم يعرفه عامتهم بل تعرفه خواصهم، فلايثبت التعارف بهٰذا القدر قال: وهو الصواب انتهى. (مجموعة رسائل ابن عابدين، نشر العرف في بناء بعض الأحكام على العرف، (۲/ ۱۱۶) ط: سهيل اكيدمى لاهور).

(۱) عن أبي أمامة قال: قيل: يارسول الله! أي الدعاء أسمع؟ قال: جوف الليل الآخر ودبر الصلوات المكتوبات. (سنن الترمذي، أبواب الدعوات عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب ما جاء في جامع الدعوات عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، (۲/ ۱۸۷) ط: قديمى كراچى).

* مصنف عبد الرزاق، باب الساعة الّتي يكره فيها الصلاة، رقم الحديث: ۳۹۴۸، (۲/ ۴۲۴) ط: المكتب الإسلامي بيروت.

* السنن الكبرٰى للنسائي، ما يستحب من الدعاء دبر الصلوات المكتوبات، رقم الحديث: ۹۸۵۶، (۹/ ۴۷) ط: مؤسّسة الرسالة بيروت.

=

ہے، جس سے ثابت ہوا کہ فرائض کے بعد دعا عام طور پر کرنا جائز ہے، البتہ یہ مستحب اور امر مندوب میں سے ہے،[1] اور کوئی اس کو ضروری یا واجب سمجھتا ہے، اور نہ کرنے والے کو برا بھلا کہتا ہے تو اس پر عمل کرنے کے بجائے اس کا ترک کرنا بہتر ہوگا، اور اس پر اصرار بدعت ہوگا۔[2]

الجواب صحیح	کتبہ
محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ	عبد السلام (۲۳/ محرم/ ۱۳۹۴ھ)

---

(۱) قوله: (ويسن الدعاء) لنفسه ولوالديه المؤمنين وللمؤمنين وللمؤمنات لما روي عنه صلى الله عليه وسلم لما قيل له: أي الدعاء أسمع؟ قال: جوف الليل الأخير ودبر الصلوات المكتوبة. (حاشية الطحطاوي على مرقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان سننها، (١/ ٣٤٩) ط: مكتبه غوثيه كراچی).

* الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الثالث في سنن الصلاة ... إلخ، (١/ ٧٢) ط: رشيديه.
* الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، سنن الصلاة، (١/ ٤٧٧) ط: سعيد.

(۲) لايجعل أحدكم للشيطان شيئاً من صلاته يرى أن حقاً عليه أن لاينصرف إلا عن يمينه. (صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب الانفتال والانصراف عن اليمين والشمال، (١/ ١١٨) ط: قديمی كراچی).

* قال الحافظ في الفتح: قال ابن المنير: إن المندوبات قدتنقلب مكروهات إذا رفعت عن رتبتها، لأن التيامن مستحب في كل شيءٍ من أمور العبادة، لكن لما خشي ابن مسعود أن يعتقدو لوجوبه أشار إلى كراهته. (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب الإنحراف بعد السلام وكيفية وسنية الدعاء والذكر بعد الصلاة (٣/ ١٨٣) ط: إدارة القرآن والعلوم الاسلامية كراچی).
* واستنبط منه أن المندوب ربما انقلب مكروهاً إذا خيف أن يرفع عن رتبته. (مجمع بحار الأنوار، باب الصاد مع الراء، (٢/ ٣١٨) ط: مكتبة دار الإيمان، المدينة المنورة).
* والثاني: أن يلتزم على وجه لايتعدى، بحيث يفهم منه الجاهل أنه لايجوز إلا على ذلك الوجه، فحينئذٍ يكون الالتزام المشار إليه البدعة، بل بدعة مذمومة وضلالة،... فلاتكون إذاً مستحبة. (الاعتصام للشاطبي، الباب الثالث في أن ذم البدع والمحدثات عام، فصل: وأما ماقاله عز الدين ...، (١/ ٢٠٦) ط: دارالفكر، بيروت).
* يعني فعل مستحب را واجب دانستن بدعت سيئه است. (براهين قاطعه، نقل فتوى مولانا احمد على صاحب سهارنپوری رحمة الله عليه، (ص:١٥) ط: دار الاشاعت كراچی).

لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے نماز کا حکم

سوال: لاؤڈ اسپیکر میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ کیا یہ خارجی چیز سے تلقین و تعلیم نہیں ہے؟ اور کیا خارجی چیز سے نماز میں استعانت حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: علماء نے جہاں تک تحقیق کی ہے، اس کے پیشِ نظر لاؤڈ اسپیکر سے جو آواز نکلتی ہے، وہ اصلی آواز ہے، جو بجلی کی طاقت سے قوی ہو گئی ہو، جب وہی آواز ہے، دوسری آواز بالمماثل پیدا نہیں ہوئی، تو اب ناجائز ہونے کا سوال پیدا نہیں ہوتا، اس لیے علماء نے فتوی جواز کا دیا ہے، جب تک یہ بات تحقیق کو نہیں پہنچی تھی، اور تردد تھا تو اس وقت علماء نے توقف کیا اور جواز کا فتویٰ نہیں دیا۔ (1)

رہا یہ سوال کہ خارج سے استعانت ہے، تو خارجی استعانت کی ہر صورت ناجائز نہیں، اگر دیوار میں اس مقصد سے سوراخ کیے جائیں کہ وہ آواز باہر پہنچے تو یہ جائز ہو گا۔ (2)

---

(1) حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے دار العلوم دیوبند کے صدر مدرس حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کے فتوی پر بعنوان "رأي الأحقر في هٰذا الجواب" یہ تحریر فرمایا: اگر ثابت ہو جائے کہ اس آلہ سے عین صوت بلند نہیں ہو جاتی، بلکہ گونجنے اور ٹکرانے سے اس کی حکایت پہنچ جاتی ہے، تو صواب منحصر فی الجواب سے (یعنی فسادِ نماز) اور مظنون یہی ہے، اور کسی ماہر سائنس کی تحقیق سے یہ ظن درجۂ یقین تک پہنچ سکتا ہے، اور اگر ثابت ہو جائے کہ یہ عین صوت بلند ہو جاتی ہے، تو اس صورت میں حکم وہ ہے، جو احقر نے اپنے جواب میں عرض کیا (یعنی اس آلہ کو نماز میں استعمال سے بوجہ مفاسد ترک و منع کا حکم کیا جائے، لیکن اگر کوئی پڑھ لے تو نماز کے فساد کا حکم نہ ہو)۔ (آلات جدیدہ کے شرعی احکام، حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب، ط: إدارة المعارف کراچی)۔

(٢) إذا كان بينهما حائط لايصلح الاقتداء، إن كان كبيرًا يمنع المقتدي الوصول إلى الإمام، لو قصد الوصول إليه اشتبه عليه حال الإمام أو لم يشتبه، كذا في الذخيرة، ويصح إن كان صغيرا لايمنع أو كبيرًا وله ثقب لايمنع الوصول، وكذا إذا كان الثقب صغيرًا يمنع الوصول إليه، لكن لا يشتبه عليه حال الإمام سماعًا أو رؤية، هو الصحيح. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، الفصل الرابع في بيان ما يمنع صحة الاقتداء ومالايمنع ، (١/ ٨٨) ط: رشيدية).

* وإذا صلى في المئذنة مقتديًا بإمام في المسجد تجوز صلاته ، وكذا لو صلى على سطح المسجد =

سابق دور میں یہ گنبد اس لیے بنائے گئے تھے کہ آواز گونج کر دور تک پہنچے، مکبر کے لیے مکبرہ اور اس پر گنبد بنانا آواز پہنچانے کی غرض سے تھا، کسی عالم نے اس پر نکیر نہیں کی۔ (1)

محمد یوسف بنوری (ربیع الاول/۱۳۸۳ھ)

وتر میں دعائے قنوت کی جگہ سورۂ اخلاص پڑھنے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرعِ متین بمطابق مسلک احناف:

وتروں میں دعاءِ قنوت کی بجائے اکثر عوام میں "قل هو الله أحد" پڑھنے کا دستور ہے، سوال یہ ہے کہ دعائے قنوت کے قائم مقام کوئی دعا ہو سکتی ہے؟ لیکن "قل هو الله أحد" نہیں، کیوں کہ اس میں دعائیہ کلمہ نہیں ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ نماز میں کسی طرح کی کوئی خرابی تو نہیں آئی؟ **بیّنوا توجروا!**

مقتديًا بإمام في المسجد تجوز صلاته ، هٰكذا روي عن أبي هريرة رضي الله عنه أنّه كان يفعل ذلك، فلأنّ غالب حال سطح المسجد أن لايخلو عن كوة ومنفذ ، فصار كحائط بينه وبين الإمام عليه باب. (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل السادس عشر في الفصل بين الأذان والإقامة، (٢/ ١٢٠) ط: دار إحياء التراث العربي).

(١) ولايفوتنا أن ننوه إلى دور القبة في تضخيم الصوت في بيت الصلاة ، حتى إن بعض المساجد إذ أوقفت في وسطها تحت القبة ، وتكلمت بصوت عادي سُمع صوتك بوضوح في جميع أرجاء بيت الصلاة على سعته ... وهذا مالحظه المهندسون في مساجد عديدة شهيرة . (تاريخ المساجد الشهيرة ، فوائد القبة، (ص: ٢٦٨).

* وكان في المسجد النبوى مكبرتان، وكانت الثانية في مؤخرته، وتستعمل المكبرتان وقت الموسم إذا كثر النّاس، فإذا سمع من في المكبرة المتأخرة صوت المكبر في المقدّمة يبلغ النّاس عن الإمام، وكان العلماء رحمهم الله في دروسهم إذا كبرت الحلقة يتخذون مبلغين، فيقف شخص في الوسط من هنا ومن هنا ومن هناك، والشيخ أو العالم يقرأ الحديث، والّذين حوله يأخذون منه مشافهة ويكتبون أو يسمعون، والمبلغون يعيدون لفظ الحديث لمن وراءهم، فيأخذون الحديث بواسطة المبلغ . (شرح بلوغ المرام ، رقم الدرس : ٩٧ ، ص: ١١).

=

جواب: دعاءِ قنوت حنفیہ کے نزدیک وتر میں واجب ہے،[1] کوئی بھی دعا پڑھے واجب ادا ہو جائے گا۔ البتہ مختار یہ ہے کہ: "**اللّٰھمّ انانستعینك...**" الخ یا "**اللّٰھمّ اھدني فیمن ھدیت...**" الخ ہو، یا دونوں جمع کرے تو اور اچھا ہے، اگر یہ دعا یاد نہ ہو تو پھر کوئی اور دعا قرآن یا حدیث کی پڑھے، اگر وہ بھی یاد نہ ہو تو "**اللّٰھمّ اغفرلي**" تین مرتبہ پڑھے۔[2]

بہر حال فرض نماز کے آخر میں جو دعا پڑھتا ہو، وہی پڑھ لے، وجوب اس طرح ادا ہو جائے گا، قرآن کریم کی کسی سورت سے (جو دعا پر مشتمل نہ ہو) یہ حکم ادا نہ ہو گا۔[3] واللہ اعلم

الجواب صحیح	کتبہ
محمد یوسف بنوری	محمد عبد الستار غفرلہ (۱۶/ رمضان المبارک، ۱۳۸۴ھ)

---

(۱) ویجب قراءة القنوت في الوتر. (الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الثاني في واجبات الصلاة، (۱/ ۷۲) ط: حقانيه پشاور).

* الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ولها واجبات، (۱/ ٤٦٨) ط: سعيد.
* البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، (۱/ ۳۰۱) ط: سعيد.

(۲) وليس في القنوت دعاء موقت، كذا في التبيين، والأولى أن يقرأ: " اللّٰهمّ إنّا نستعينك، ويقرأ بعده: "اللّٰهمّ اهدنا فيمن هديت"، ومن لم يحسن القنوت يقول: "ربّنا آتنا في الدنيا حسنة وفي الآخرة حسنة وقنا عذاب النار"، كذا في المحيط، أو يقول: "اللّٰهمّ اغفرلنا"، ويكرر ذلك ثلاثاً. (الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الثامن في صلاة الوتر، (۱/ ۱۱۱) ط: حقانيه پشاور).

* البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، (۱/ ۳۰۱) ط: سعيد.
* الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، (۲/ ٦، ۷) ط: سعيد.

(۳) وعن الفتاوىٰ الصغرٰى: القنوت في الوتر هو الدعاء دون القيام اهـ. وينبغي تصحيحه ومن لايحسن القنوت بالعربية أو لايحفظه ففيه ثلاثة أقوال مختارة: قيل: يقول: يا رب ثلاثة مرات، ثم يركع، وقيل: يقول: اللّٰهم اغفر لي ثلاث مرات، وقيل: اللّٰهم ربّنا آتنا في الدنيا حسنة وفي الآخرة حسنة وقنا عذاب النّار، والظاهر أن الاختلاف في الأفضلية لا في الجواز، وأنّ الأخير أفضل لشموله، وأنّ التقييد بمن لايحسن العربية ليس بشرط، بل يجوز لمن يعرف الدعاء المعروف أن يقتصر على واحد مما ذكر لما علمت أنّ ظاهر الرواية عدم توقيته. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، كتاب الصلاة، (۲/ ٤۲) ط: سعيد).

قنوت کی اقسام اور احکام

سوال: قنوتِ فجر کی نماز میں پڑھنا حنفیہ کا مسلک اس بارے میں کیا ہے؟ متون وشروح سے مدلل فرمائیں۔

شوافع کا مسلک تو واضح ہے کہ ان کے یہاں قنوت فجر میں ہے، "**دون غيره، خلافاً للشافعي في الفجر**،" جو شرح وقایہ میں واقع ہے، وہ دلالت کرتا ہے کہ "**لايقنت في غير الوتر**" اور اس سے اوپر "**ثمّ يقنت فيه أبداً**" واقع ہے، جس سے تابید قنوت وتر میں لازم آتی ہے۔[1]

اور قنوتِ نازلہ کہ جس کی بنیاد "**أنه قنت شهراً يدعو على قبائل من الكفار ثم ترك**"[2] پر ہے، وہ خود ظاہر کرتا ہے کہ مدت یسیر کے لیے تھا، پھر منسوخ ہو گیا اور ﴿**لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ**﴾[3] شاہد عادل ہے، اور نسخ کے بعد عمل درآمد منسوخ پر کرانا، اس کی کیا صورت ہے؟

اور اخبار مرفوعہ در بارۂ قنوتِ فجر جو سنن ومسانید میں مروی ہیں وہ سب باہم متصادم ہیں اور بقاعدہ "**إذا تعارضا تساقطا**" بحث سے خارج ہیں۔

پس جناب سے التماس ہے کہ صرف مذہبِ احناف واضح فرمائیں، تاکہ خلجان رفع ہو۔ **بينوا بالكتاب وتوجروا يوم الحساب!**

مستفتی: محمد رفعت اللہ الصدیقی، امام سنہری مسجد ملیر کالونی کراچی

---

(١) شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، (١/ ١٧٠) ط: سعيد.

(٢) عن أنس أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قنت شهراً يدعو على أحياء من أحياء العرب، ثمّ تركه. (صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب استحباب القنوت في جميع الصلوات، (١/ ٢٣٧) ط: قديمى كراچى).

(٣) آل عمران: ١٢٨.

=

جواب: قنوت دو قسم ہے: ایک: قنوتِ راتبہ، دوم: قنوتِ نازلہ۔

قنوتِ راتبہ حنفیہ کے ہاں صرف وتر میں ہے،[1] اور شافعیہ کے یہاں فجر میں ہے۔[2]

---

(١) (ويقنت في الثالثة قبل الركوع في جميع السنة، خلافاً للشافعي)، وخلافه في موضعين: الأوّل: كونه قبل الركوع؛ فإنه عنده بعده، الثاني: كونه في جميع السنة ... لايقنت في صلاة غير الوتر عندنا. (غنية المستملي شرح منية المصلي، المعروف بـ حلبي كبير، صلاة الوتر، (ص: ٤١٥-٤١٨) ط: سهيل اكيدمى لاهور).

* بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في القنوت، (١/ ٢٧٣) ط: سعيد.
* الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الثاني في واجبات الصلاة، (١/ ٧٢) ط: حقانيه پشاور.

(٢) مذهب الشافعي رحمه الله: أن القنوت مسنون في صلاة الصبح دائماً. (شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب استحباب القنوت في جميع الصلوات، (١/ ٢٣٧) ط: قديمى كراچى).

* المجموع شرح المهذب، كتاب الصلاة، فرع في مذاهب العلماء في إثبات القنوت في الصبح، (٣/ ٥٠٤) ط: إدارة الطباعة المنيرية، دمشق).
* (وقال الشافعي) : أخبرنا مالك عن نافع أنّ ابن عمر كان لايقنت في شيئ من الصلوت، (قال الشافعي) : وأنتم ترون القنوت في الصبح، (قال الشافعي) : أخبرنا مالك عن هشام بن عروة أظنه عن أبيه (الشك من الربيع) أنّه كان لايقنت في شيئ من الصلاة ولا في الوتر إلاّ أنّه كان يقنت في صلاة الفجر قبل أن يركع الركعة الآخرة إذا قضى قراءته، (قال الشافعي) : وأنتم تخالفون عروة، فتقولون: يقنت بعد الركوع، فقلت للشافعي: فأنت تقنت في الصبح بعد الركوع ؟ فقال : نعم، لأنّ النّبي صلى الله عليه وسلم قنت ثم أبوبكر ثم عمر ثم عثمان ... إلخ. (الأم للشافعي ، باب القنوت، (٧/ ٢٤٨) ط: دا رالمعرفة ، بيروت).
* قال الماوردي: أمّا القنوت في اللغة: فهو، الدعاء بالخير والشر، يقال : قنت فلان على فلان إذا دعا عليه، وقنت له إذا دعا له بخير، لكن صار القنوت بالعرف مستعملاً في دعاء مخصوص، وهو عندنا سنة في صلاة الصبح أبدًا، وفي الوتر في النصف الأخير من شهر رمضان. (الحاوي الكبير، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ومايجزي منها، وتحته مسألة، (٢/ ١٥٠) ط: دار الكتب العلمية بيروت).
=

قنوتِ نازلہ حنفیہ کے نزدیک صلاۃ فجر میں ہے، اور بعض اقوال میں صلوات جہریہ میں اور بعض اقوال میں سریہ میں بھی ہے، لیکن محقق ومختار صرف صلاۃ فجر ہی ہے، حنفیہ کے بعض نقول سے بلاشبہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ قنوتِ نازلہ منسوخ ہوچکی ہے، لیکن "بنایہ" میں امام طحاوی کا قول یوں نقل ہے:

"وقال الطحاوي: لايقنت عندنا في صلاة الفجر في غير بلية، أما إذا وقعت فلابأس به. اهـ"(1)

یہ عبارت طحاوی کی ابن عابدین نے شرح الدر المختار اور "**حاشية البحر الرائق**" دونوں میں نقل کی ہے، صاحبِ فتح القدیر کی آخری رائے بھی یہی معلوم ہوتی ہے اور حدیث انس وغیرہ میں ترک کا مطلب یہ ہے کہ عہدِ نبوت میں ایک مرتبہ پڑھی تھی، پھر آپ کو روک دیا گیا تھا اور ترک ہوئی، مطلقاً ترک مراد نہیں، حال آں کہ حضرت صدیق اکبر سے جہاد مسیلمہ میں اور حضرت عمر اور پھر حضرت علی وغیرہ سب سے قنوت نازلہ ثابت ہے۔(2)

(١) البناية شرح الهداية للعلامة العيني، كتاب الصلاة، باب صلاة الوتر، القنوت في الفجر، (٢/ ٦٠١) ط: دار الفكر، بيروت.

(٢) فيقنت الإمام في الجهرية، وقيل: في الكلّ. وفي رد المحتار: (قوله: فيقنت الإمام في الجهرية) يوافقه ما في البحر والشرنبلالية عن شرح النقاية عن الغاية: وإن نزل بالمسلمين نازلة قنت الإمام في صلاة الجهر... لكن في الأشباه عن الغاية: قنت في صلاة الفجر، ويؤيده ما في شرح المنية حيث قال بعد كلام: فتكون شرعيته أي شرعية القنوت في النوازل مستمرّة، وهو محمل قنوت من قنت من الصحابة بعد وفاته عليه الصلاة والسلام، وهو مذهبنا وعليه الجمهور... وكأنّهم حملوا ماروي عنه عليه الصلاة والسلام: أنه قنت في الظهر والعشاء كما في مسلم، وأنه قنت في المغرب أيضاً كما في البخاري على النسخ... ومفاده: أن قولهم بأن القنوت في الفجر منسوخ، معناه نسخ عموم الحكم لانسخ أصله. (رد المحتار على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، (٢/ ١١) ط: سعيد).

* ذكر الشيخ إبراهيم الحلبي جملة مما في الفتح إلى أن قال: إن جميع ما ورد من قنوته صلى الله عليه وسلم وقنوت الخلفاء الراشدين وغيرهم مما اختلف فيه إنما هو قنوت النوازل، فإنه محلِ

بہر حال علماءِ حنفیہ میں جواز والے قول کو ترجیح دی جائے گی، خلفائے راشدین کی سنت یہی معلوم ہوتی ہے، احادیث مرفوعہ میں ایسا تعارض ہر گز نہیں کہ تطبیق نہ ہو سکے، بلکہ تطبیق وتوفیق بین الروایات کی گئی اور ہو سکتی ہے، اثبات کا محل قنوتِ نازلہ ہے، نفی کا محل قنوتِ راتبہ فی الفجر ہے، اس لیے تساقط کا قول بے محل ہے، شاید اس وقت اتنا لکھ دینا کافی ہوگا۔ محمد یوسف بنوری

چاشت میں قراءت بالجہر کا حکم

سوال: بخدمت شریف جناب مفتی صاحب مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

حضرت خدمت عالیہ میں گزارش یہ ہے کہ مجھے مسئلہ معلوم کرنا ہے، مہربانی فرماکر جواب عطا کرنے سے عین نوازش ہوگی، مسئلہ مندرجہ ذیل ہے:

چاشت وغیرہ (**الصلاة في النهار**) میں قراءت بالجہر کر سکتا ہے یا نہیں؟

تکلیف اور گستاخی معاف ہو، نیز دعا کا محتاج ہوں، والسلام!

آپ کا شاگرد: احقر عبد الحیی

الاجتهاد، لأن حديث أنس أنه عليه السلام لم يزل يقنت حتى فارق الدنيا، ونحوه مما عن الصحابة يثبته، فإنه روي عن أبي بكر: أنه قنت عند محاربة مسيلمة، وكذلك قنت عمر، وكذا علي ومعاوية عند تحاربهما، وحديث أبي حنيفة ونحوه: أنه عليه السلام قنت شهراً ثم لم يقنت قبله ولا بعده، ينفيه، فوجب كون بقاء القنوت في النوازل أمراً مجتهداً فيه، وذلك أنه لم يؤثر عنه عليه السلام أنه قال: لاقنوت في نازلة بعد هذه، بل مجرد العدم بعدها، فيتّجه الاجتهاد بأن يظنّ أن ذلك إنما هو لدفع شرعيته ونسخه نظراً إلى سبب تركه عليه السلام ... فتكون شرعيته مستمرّة، وهو محمل قنوت من قنت من الصحابة بعد وفاته عليه الصلاة والسلام، وهو مذهبنا وعليه الجمهور. (منحة الخالق حاشية البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، (قوله: وقد أطال المحقق)، (٢/ ٤٤) ط: سعيد).

* فتح القدير شرح الهداية، كتاب الصلاة، باب صلاة الوتر، (١/ ٣٧٦، ٣٧٧) ط: رشيديه).

=

جواب: چاشت کی نماز میں قراءت بالجہر جائز نہیں۔[1] **واللہ أعلم وعلمه أتمّ وأحكم**

الجواب صحیح	کتبہ
محمد یوسف البنوری	اکبر علی اسلام آبادی
	(۱۳۸۲/۷/۲۵ھ)

عین نماز کے وقت نماز اور امامت چھوڑ کر ہوٹل چلانے والے کی امامت

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مندرجہ ذیل مسئلہ میں کہ:

زید ایک مسجد کا امام ہے، جو کہ گزشتہ عرصۂ دراز سے ایک مسجد میں باقاعدہ امامت کے فرائض انجام دے رہا ہے، زید نے امامت کے ساتھ ساتھ ایک ہوٹل چلانے کا کام بھی شروع کر دیا، زید اپنے تجارتی مقصد کے تحت دن کو تقریباً دو تین نمازوں کی امامت نہیں کرتا، بلکہ عین نماز کے وقت ہوٹل میں جو کہ مسجد کے بالکل سامنے کھلا ہوا ہے، بیٹھا رہتا ہے، وہ مسجد کے پاس ہوتے ہوئے بھی نہ تو وقت اور نماز کی خود پروا کرتا ہے اور نہ ہی امامت کرتا ہے، زید اپنے اس عمل کو گزشتہ چند برسوں سے متواتر دہرا رہا ہے، جس کا مقتدیوں پر بھی برا اثر پڑتا ہے، اور خلاف سنت بھی ہے، اور سنت موکدہ کی خلاف ورزی بار بار دہرا رہا ہے، کیا ایسے امام کے پیچھے نماز ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اور کیا ایسا امام باقاعدہ امام رکھنے کے قابل ہے یا نہیں؟ ہم مسلمان بھی برفقہ حنفیہ ہیں۔ **بیّنوا توجروا!**

---

(۱) وأما نوافل النهار فيخفي فيها حتماً، وفي نوافل الليل يتخيّر، كذا في الزاهدي. (الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الثاني في واجبات الصلاة، (۱/ ۷۲) ط: حقانيه پشاور).

* مراقي الفلاح على نور الإيضاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان واجب الصلاة، (۱/ ۳٤٦) ط: مكتبه غوثيه كراچی.

* الهداية مع فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل في القراءة، (۱/ ۲۸۵) ط: رشيديه.

جواب: امام صالح اور متقی ہونا چاہیے، جو امام نماز کا تارک ہو، اس کو امام نہ بنایا جائے،[1] البتہ اگر ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھ لی جائے تو نماز ہو جائے گی،[2] ایسا شخص مستقل امام بنانے کا اہل نہیں ہے۔

کتبہ: محمد یوسف بنوری

(۴/ربیع الاول/۱۳۸۹ھ)

بد فعلی کے مرتکب کی امامت کا حکم

سوال: ایک شخص نے ایک لڑکے کے ساتھ بد فعلی کی، کیا ایسے شخص کو امام بنانا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے کہ نہیں؟ از روئے شریعت اس کا جواب مرحمت فرماویں۔

مستفتی: ڈاکٹر نذیر صادق، ۱۲/۱۷، محمد نگر، علامہ اقبال روڈ، لاہور

---

(۱) (والأحق بالإمامة) ... (الأعلم بأحكام الصلاة) ... بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة، (۱/ ۵۵۷) ط: سعيد).

* وفي فتاوى الإرشاد: يجب أن يكون إمام القوم في الصلاة أفضلهم في العلم والورع والتقوى والقراءة والحسب والنسب والجمال، على هذا إجماع الأمة. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل السادس في بيان من هو أحق بالإمامة، (۱/ ۶۰۰) ط: إدارة القرآن كراچی).
* الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الثاني في بيان من هو أحق بالإمامة، (۱/ ۸۳) ط: حقانيه پشاور.
* البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة، (۱/ ۳۴۷) ط: سعيد.

(۲) ويكره أن يكون الإمام فاسقاً، ويكره للرجال أن يصلوا خلفه ... ومن صلى خلف فاسق أو مبتدعاً يكون محرزاً ثواب الجماعة، أما لاينال ثواب من يصلي خلف التقي. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل السادس في بيان من هو أحق بالإمامة، (۱/ ۶۰۳) ط: إدارة القرآن كراچی).

* الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الثالث في بيان من يصلح إماماً لغيره، (۱/ ۸۴) ط: حقانيه پشاور.
* البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة، (۱/ ۳۴۹) ط: سعيد.

=

جواب: ایسے شخص کو مستقل امام بنانا درست نہیں، البتہ اگر ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھی جائے تو نماز کراہت کے ساتھ درست ہوگی، کیوں کہ عہدِ بنی امیہ میں امراءِ جور کے پیچھے صالحین نماز پڑھتے تھے، اور حدیث میں بھی آیا ہے: "**صلوا خلف کل بر وفاجر**"،[1] ہر نیک وبد کے پیچھے پڑھ سکتے ہو۔[2]

کتبہ: محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ
(۱۶/ جمادی الاولی ۱۳۹۴ھ)

---

(۱) عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "صلّوا خلف كلّ برّ وفاجر، وصلّوا على كلّ برّ وفاجر، وجاهدوا مع كلّ برّ وفاجر". (السنن الكبرى للبيهقي، باب الصلاة على من قتل نفسه، [رقم الحديث: ٧٠٨٠] (٤/ ١٩) ط: مجلس دائرة المعارف النظامية، الهند).

❋ عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الجهاد واجب عليكم مع كل أمير برًّا كان أو فاجراً، والصلاة واجبة عليكم خلف كل مسلم برًّا كان أو فاجراً وإن عمل الكبائر، والصلاة واجبة عليكم على كلّ مسلم برًّا كان أو فاجراً وإن عمل الكبائر. (سنن أبي داود، كتاب الجهاد، باب في الغزو مع أئمة الجور، (ص:٣٤٣) ط: مير محمد كتب خانه كراچی).

(۲) (وكره إمامة العبد والأعرابي والفاسق والمبتدع والأعمى وولد الزنا) بيان للشيئين: الصحة والكراهة، أما الصحة فمبنية على وجود الأهلية للصلاة مع أداء الأركان، وهما موجودان من غير نقص في الشرائط والأركان، ومن السنة حديث: "صلّوا خلف كلّ برّ وفاجر"، وفي صحيح البخاري: أن ابن عمر كان يصلي خلف الحجاج، وكفي به فاسقاً، كما قاله الشافعي، وقال المصنف: إنه أفسق أهل زمانه. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة، (١/ ٣٤٨) ط: سعيد).

❋ الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الثالث في بيان من يصلح إماماً لغيره، (١/ ٨٥) ط: مكتبه رشيديه.

❋ الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة، (١/ ٥٦٠) ط: سعيد.

مسجد میں جانے کے جواز پر ''رابطہ عالم اسلامی'' کی قرارداد اور عورتوں کے لیے حضرت بنوریؒ کا موقف

مذکورہ مسئلے میں حضرت بنوری رحمہ اللہ کی رائے

سوال: بعد سلام مسنون! کیافرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں (نیٹال) میں تقریباً ۱۰/ نومبر کو جنوبی افریقا کے اخبار میں یہ مضمون آیا تھا کہ: حضرت مولانا محمد یوسف صاحب مدظلہ نے ''رابطہ'' کی طرف سے جو کانفرنس ہوئی تھی ''مکہ'' میں، اس میں فرمایا ہے کہ: عورتیں مسجد میں جماعت وغیرہ کے لیے حاضر ہو سکتی ہیں، اس میں کوئی قید مذکور نہیں تھی، آج تک ہم علماء سے سنتے آرہے ہیں کہ **علی الاطلاق في زماننا** ان کو مسجد میں داخل نہیں ہونا چاہیے، یہاں اس بارے میں کافی چرچا ہے، اور لوگ یہاں (جنوبی افریقا میں) فعل رسول اللہ ﷺ سے استدلال کرتے ہیں، مہربانی فرما کر مفصلا مع الدلائل جواب تحریر فرمایئے کہ اس زمانہ میں جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو یہ حکم علی الاطلاق ہے یا مقید بشرائط ہے؟ لوگوں میں یہاں بعض زائغین نے یہ بھی مشہور کر رکھا ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس بنا پر روکا تھا کہ اگر گھر میں چھوٹے بچے ہوں تو ان کی طرف سے بے التفاتی ہو، اور یہ فاسد خیال بھی دلایا گیا ہے کہ عورتوں کو مسجد میں حاضری سے روک کر ان کو ایک بہت بڑے روحانی فیض سے محروم کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے! فقط والسلام

العارض: عثمان عبدالستار،
۱۸/جمادی الاولی/۱۳۹۶ھ

سوال ثانی متعلقہ مسئلہ مذکورہ

محترم!

مسئلہ! عورتوں کو مسجد میں اجازت دینے کی بحث پر اخبار ''مرکیوری ایکسٹرا'' اکتوبر ۲۹ میں مضمون

چھپاتواس میں ایک بات معلوم کرنی ہے، شرقی کیپ ٹاؤن میں جمعیت علماء ہے، جنہوں نے ۲۸ صفحہ کی کتاب چھاپی ہے، جس میں تصریح کی گئی ہے کہ مذہب حنفی میں عورتوں کو مسجد میں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں ہے، تو اگر یہ بات صحیح ہے تو رابطہ عالم اسلامی کی کانفرنس جو اس سال ہوئی ماہ رمضان المبارک میں (مکۃ المکرمۃ)، جس کا موضوع ہی ''مساجد'' تھا، اس میں مولانا محمد یوسف بنوری صاحب مہتمم مدرسہ نیوٹاؤن جیسے پکے حنفی نے بھی شرکت کی تھی تو ''کانفرنس'' نے جب یہ قرارداد پاس کی کہ عورتوں کو مساجد میں جانے سے نہیں روکنا چاہیے تو پھر مولانا محمد یوسف بنوری صاحب نے کیوں اس قرارداد پر اعتراض نہیں کیا؟ اگر یہ مذہب حنفی کے خلاف ہوتا تو؟

اور مولانا محمد یوسف بنوری صاحب کے علاوہ ہندوستان کے کئی حنفی مسلک کے علماء تھے، کانفرنس میں انہوں نے بھی کوئی اعتراض نہیں کیا عورتوں کو مسجد میں نماز پڑھنے کی اجازت دینے پر، کانفرنس میں کئی علماء ومفتیان کرام وغیرہ عالم اسلام کے موجود تھے، اور عورتوں کو مسجد میں جانے کی اجازت کا فیصلہ سو فیصدی تھا۔

بدقسمتی کی بات ہے کہ ''جمعیت علماء'' نے اس متفقہ فیصلہ کو خوامخواہ بحث بنا دیا ہے، یہ مولانا حضرات جو جمعیت علماء کی نمائندگی کرتے ہیں، مستند عالم نہیں ہیں اور صحیح علوم قرآنیہ سے کورے ہیں۔

مستفتی: ای۔ ایم۔ قاسم۔
پوسٹ بکس، ۲۴۳۹ ڈربن، جنوبی افریقا

جواب: اسلامی معاشرہ کی بنیاد نظامِ عصمت وعفت پر قائم ہے، سب سے پہلے اس نظام میں ''مرد'' اور ''عورت'' کا دائرہ کار متعین کیا گیا ہے، مردوں کا دائرہ عورتوں کے دائرۂ عمل سے جدا کیا گیا ہے، عورتوں کا دائرہ، گھر اور خاندان تک محدود کیا گیا ہے، عورتوں کے ذمے پرورش اور اولاد کا اہم ترین فریضہ سپرد کیا گیا ہے، اس لیے اس کو خارج کے کثیف اثرات سے محفوظ رکھنے کے لیے گھر میں بیٹھنے کا صریح اور واضح الفاظ میں حکم دیا گیا ہے، بلاضرورت زیب وزینت کے ساتھ باہر نکلنے پر پابندی عائد کی گئی، گھر کے ماحول میں اقامۃ صلاۃ، ایتاء زکوۃ اللہ اور اس کے رسول برحق ﷺ کی اطاعت کا حکم دے

کر مقصد بھی واضح کیا گیا کہ یہ حکم اس لیے ہے کہ مسلم معاشرہ طہارت اور نزاہت سے آراستہ ہو کر اخلاقی بیماریوں سے پاک رہے، ارشاد ربانی ہے:

﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللهَ وَرَسُولَهُ إِنَّمَا يُرِيدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾ [الأحزاب:٣٣]

ترجمہ: اور تم اپنے گھروں میں قرار پکڑو اور زیب اور زینت کے ساتھ اس طرح باہر نہ نکلو جیسا کہ زمانۂ جاہلیت میں نکلتی تھیں، نماز قائم کرو، زکوۃ دو، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، نبی کے گھر والو! اللہ چاہتا ہے کہ تم سے رِجس کو دور کر کے خوب پاک صاف بنادے۔

آیت کریمہ میں اگرچہ امہات المؤمنین اور اہلِ بیت نبی ﷺ کو مخاطب بنایا گیا ہے، کیوں کہ اس معاملہ میں ان کی ذمہ داری سب سے زیادہ ہے، لیکن یہ حکم سب مسلمان عورتوں کے لیے عام ہے۔

امام ابو بکر الرازي الجصاص رحمہ اللہ آیت کریمہ کے ذیل میں لکھتے ہیں:

"وفيه الدلالة على أن النساء مأمورات بلزوم البيوت، منهيات عن الخروج."(١)

مساجد میں عورتوں کا جانا عہدِ رسالت میں معمول تھا، بلکہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا تھا کہ:

---

(١) أحكام القرآن للجصاص الرازي، [الأحزاب:٣٣] (٣/ ٥٢٩) ط: قديمى كراچى.

* معنى هذه الآية: الأمر بلزوم البيت، وإن كان الخطاب لنساء النبي صلى الله عليه وسلم، فقد دخل غيرهنّ فيه بالمعنى، هذا لو لم يرد دليل يخص جميع النساء، كيف! والشريعة طافحة بلزوم النساء بيوتهنّ. (الجامع لأحكام القرآن للإمام القرطبي، [الأحزاب: ٣٣] (١٧/ ١٤١) ط: مؤسسة الرسالة، بيروت).

* هذه آداب، أمر الله بها نساء النبي صلى الله عليه وسلم ونساء الأمة تبع لهنّ في ذلك. (تفسير القرآن العظيم لابن كثير، [الأحزاب:٣٢-٣٤] (١١/ ١٥٠) ط: مؤسسة قرطبة، القاهرة).

=

عورت اگر مسجد میں جانے کی اجازت چاہے تو اس کو اجازت دے دو اور منع نہ کرو،[1] تو اس کی وجہ یہ تھی کہ عورتوں کے لیے بھی علمِ دین حاصل کرنا حضور اکرم ﷺ کی ذات بابرکات سے ضروری تھا، مقصد یہ تھا کہ عورتیں بھی نماز اور دیگر فرائضِ اسلام براہِ راست منبع فیض سے حاصل کریں۔

اس شرعی ضرورت کی بناپر عورتوں کو مساجد میں آنے کی اجازت دی گئی، لیکن اس پر شدید پابندیاں عائد کی گئیں کہ عورتیں سادہ اور معمولی کپڑوں میں آئیں، خوشبو لگا کر مسجد میں ہر گز نہ آئیں، درمیان راستہ میں نہ چلیں، ایسا زیور پہن کر نہ آئیں جس کی آواز سنائی دے، نماز ختم ہونے کے بعد فوراً مردوں سے پہلے چلی جائیں۔[2] رسول اکرم ﷺ کی یہ ہدایات مختلف احادیث میں ملتی ہیں۔

---

(١) عن ابن عمر قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: إذا استأذنت امرأة أحدكم إلى المسجد فلايمنعها. متفق عليه. (مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب الجماعة وفضلها، الفصل الأول، (ص:٩٦) ط: قديمى كراچى).

* صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب استيذان المرأة زوجها بالخروج إلى المسجد، (١/ ١٢٠) ط: قديمى كراچى.
* صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب خروج النساء إلى المساجد إذا لم يترتب عليه فتنة ...، (١/ ١٨٣) ط: قديمى كراچى.

(٢) عن زينب امرأة عبدالله بن مسعود قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا شهدت إحداكنّ المسجد فلاتمسّ طيباً. رواه مسلم.

* عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لاتمنعوا إماء الله مساجد الله، ولكن ليخرجن وهنّ تفلات. (سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب ماجاء في خروج النساء إلى المسجد، (١ / ٩٤) ط: رحمانيه لاهور).
* وعن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أيما امرأة أصابت بخوراً فلاتشهد معنا العشاء الآخرة، رواه مسلم. (مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب الجماعة وفضلها، الفصل الأول، (ص:٩٦) ط: قديمى كراچى).
* أنها لاتمنع المسجد لكن بشروط ذكرها العلماء مأخوذة من الأحاديث، وهو أن لاتكون متطيبة ولامتزينة ولاذات خلاخل يسمع صوتها ولاثياب فاخرة ولامختلطة بالرجال ولاشابة ونحوها =

مساجد میں عورتوں کے جانے کی اجازت تھی، لیکن پسندیدہ یہی سمجھا گیا کہ عورتیں گھر میں نماز پڑھیں، ایک حدیث میں ارشاد ہے:

عن ابن مسعود قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: صلاة المرأة في بيتها أفضل من صلاتها في حجرتها، وصلاتها في مخدعها أفضل من صلاتها في بيتها، رواه أبوداود.(۱)

ممن يفتن بها وأن لايكون في الطريق مايخاف به مفسدة ونحوها، وهذا النهي عن منعهنّ الخروج محمول على كراهة التنزيه. (شرح العلامة النووي على صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب خروج النساء إلى المساجد...، (۱/ ۱۸۳) ط: قديمى كراچى).

* قال الشيخ المحدث الدهلوي: هو محمول على عجوز غير مشتهاة لم تخرج بطيب ولابزينة ... لأن الغرض من حضورهنّ كان ليتعلمن الشرائع ولا احتياج إلى ذلك في زماننا لشيوعها والستر لهنّ أولى. (حاشية الشيخ المحدث الدهلوي على مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب الجماعة وفضلها، (ص:۹٦) [رقم الحاشية:...] ط: قديمى كراچى).

* فإن قلت: من أين علمت عائشة رضى الله عنها هٰذه الملازمة والحكم بالمنع وعدمه ليس إلاَّ الله تعالىٰ، (قلت) مما شاهدت من القوعد الدينية المقتضية لحسم مواد الفساد، والأولىٰ في هٰذا الباب أن ينظم إلى مايخشى منه الفساد فيجتنب لإشارته -صلى الله عليه وسلم- إلى ذلك بمنع الطيب والتزين، لما روى مسلم من حديث زينب امرأة بن مسعود إذا شهدت إحداكن المسجد فلاتمس طيبا وروى أبو داود من حديث أبي هريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال : لاتمنعوا إماء الله مساجد الله ولكن ليخرجن وهن تفلات، وكذلك قيد ذلك في بعض المواضع بالليل ليتحقق الأمن فيه من الفتنة والفساد. (عمدة القاري شرح صحيح البخاري ، كتاب مواقيت الصلاة ، باب خروج النّساء إلى المساجد بالليل والغلس، وفيه باب، (٦/ ۱۵۹) ط:دار إحياء التراث العربي، بيروت).

* (وعن زينب امرأة عبد الله بن مسعود قالت: قال لنا رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا شهدت إحداكن المسجد، أي أرادت حضور المسجد (فلاتمس): بالفتح (طيبا)؛ لأنّه سبب لزيادة الفتنة (رواه مسلم).(مرقاة المفاتيح، رقم الحديث : ۱۰٦۰ ، باب الجماعة وفضلها ، الفصل الأوّل ، (۳/ ۱۵۰) ط: المكتبة الرشيدية).

(۱) مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب الجماعة وفضلها، الفصل الثاني، (ص:۹٦) ط: قديمى كراچى.

* سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب ماجاء في خروج النساء إلى المسجد، (۱/ ۹٤) ط: رحمانيه لاهور.

ترجمہ: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عورت کی نماز کوٹھڑی میں بہتر ہے صحن کی نماز سے، اور عورت کی نماز سامان رکھنے کی محفوظ جگہ میں بہتر ہے کوٹھڑی کی نماز سے۔

یہی وجہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد جب عورتوں کے مساجد میں آنے کی ضرورت ومصلحت ختم ہوگئی اور آپ نے عورتوں پر جو پابندیاں عائد فرمادی تھی ان میں کمی آگئی تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عورتوں کے مساجد میں آنے پر اعتراضات شروع کردیے، چناں چہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

لورأى رسول الله صلى الله عليه وسلم ماأحدث النساء لمنعهن المسجد كما منعت نساء بني اسرائيل.(1)

---

* أمّ حميد امرأة أبي حميد الساعدي أنها جاء ت النبي صلى الله عليه وسلم، فقالت: يارسول لله! إني أحبّ الصلاة معك، قال: قدعلمت أنك تحبين الصلاة معي، وصلاتك في بيتك خير من صلاتك في حجرتك، وصلاتك في حجرتك خير من صلاتك في دارك، وصلاتك في دارك خير من صلاتك في مسجد قومك، وصلاتك في مسجد قومك خير لك من صلاتك في مسجدي، قال: فأمرت، فبني لها مسجد في أقصى شيءٍ من بيتها وأظلمه، فكانت تصلي فيه حتى لقيت الله عزّوجلّ. (المسند للإمام أحمد بن حنبل، باقي مسانيد الأنصار، حديث أم حميد رضي الله عنها، [رقم الحديث: ٢٦٩٦٩] (١٨/ ٤٢٤) ط: دار الحديث، القاهرة).

* صحيح ابن خزيمة، تابع كتاب الإمامة في الصلاة، باب اختيار صلاة المرأة في حجرتها على صلاتها في دارها...، [رقم الحديث:١٦٨٩] (٣/ ٩٥) ط: المكتب الإسلامي، بيروت.

(١) جامع الترمذي، أبواب الصلاة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، أبواب العيدين، باب في خروج النساء في العيدين، (١/ ١٢٠) ط: قديمى كراچى.

* صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب خروج النساء إلى المساجد بالليل والغلس، (١/ ١٢٠) ط: قديمى كراچى.

* صحيح ابن خزيمة، تابع كتاب الإمامة في الصلاة، باب ذكر الدليل على أن النهي عن منع النساء المساجد...، (٣/ ٩٨) ط: المكتب الإسلامي، بيروت.

=

ترجمہ: عورتوں نے پابندیوں کے خلاف جو نئی باتیں پیدا کرلی ہیں، اگر رسول اللہ ﷺ ان کو دیکھ لیتے تو آپ ﷺ ان کو مسجد سے اس طرح روک دیتے جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو مسجد میں آنے سے روک دیا گیا تھا۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بھی نوجوان عورتوں کو مساجد میں آنے سے روک دیا۔[1]

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ جو عراق کے مشہور فقیہ اور محدث ہیں، انہوں نے عیدین وغیرہ میں عورتوں کے مساجد میں آنے کو مکروہ فرمایا۔ چناں چہ جامع ترمذی میں ہے:

ويروى عن سفيان الثوري: أنه كره اليوم الخروج للنساء إلى العيد.[2]

مشہور فقیہ و محدث عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کا فتویٰ بھی امام ترمذی رحمہ اللہ نے منع کا نقل کیا ہے:

روي عن ابن المبارك أنه قال: أكره اليوم الخروج للنساء في العيدين.[3]

---

* سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب ما جاء في خروج النساء إلى المسجد، (١/ ٩٤) ط: رحمانيه لاهور.

(١) روي عن عمر رضي الله عنه: أنه نهى الشواب عن الخروج، ولأنّ خروجهنّ إلى الجماعة سبب الفتنة، والفتنة حرام، وما أدى إلى الحرام فهو حرام. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان من يصلح للإمامة في الجماعة، (١/ ١٥٧) ط: سعيد).

(٢) جامع الترمذي، أبواب العيدين، باب خروج النساء في العيدين، (١/ ١٢٠) ط: قديمى كراچى.

* عن نافع عن ابن عمر: أنه كان لايُخرِج نسائَه في العيدين. ...عن إبراهيم قال: كره للشابة أن تخرج إلى العيدين. (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، من كره خروج النساء إلى العيدين، (٤/ ٢٣٤، ٢٣٥) ط: دار القبلة للثقافة الإسلامية، جدة السعودية).

(٣) جامع الترمذي، أبواب العيدين، باب خروج النساء في العيدين، (١/ ١٢٠) ط: قديمى كراچى.

* عن نافع عن ابن عمر: أنه كان لايُخرِج نسائَه في العيدين. ...عن إبراهيم قال: كره للشابة أن تخرج إلى العيدين. (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، من كره خروج النساء إلى العيدين، (٤/ ٢٣٤، ٢٣٥) ط: دار القبلة للثقافة الإسلامية، جدة السعودية).

=

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک اس بارے میں ملک العلماء علامہ کاسانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے:

ولا يباح للشواب منهنّ الخروج إلى الجماعة؛ بدليل ماروي عن عمر رضي الله عنه: أنه نهى الشواب عن الخروج؛ ولأن خروجهنّ إلى الجماعة سبب الفتنة، والفتنة حرام، وما أدى إلى الحرام فهو حرام.(۱)

محقق کمال بن الہمام نے آخری فتویٰ یہی نقل کیا ہے کہ سب نمازوں میں عورتوں کا آنا منع ہے:

والمعتمد منع الكل في الكل.(۲)

---

(۱) بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان من يصلح للإمامة في الجماعة، (۱/ ۱۵۷) ط: سعيد.

(۲) وتمام عبارته: (ويكره لهنّ حضور الجماعات)... عمّم المتأخرون المنع للعجائز والشواب في الصلوات كلها؛ لغلبة الفساد في سائر الأوقات،... والمعتمد منع الكلّ في الكلّ. (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الإمامة، (۱/ ۳۱۷) ط: رشيديه).

* وقال الطحاوي: كان الأمر بخروجهنّ أوّل الإسلام لتكثير المسلمين في أعين العدو، قال العيني: قلت: كان ذلك لوجود الأمن أيضًا، واليوم قل الأمن والمسلمون كثير، ثم ذكر العيني مذهبه منقحًا، فقال: ومذهب أصحابنا في هٰذا الباب ما ذكره صاحب البدائع : أجمعوا على أنّه يرخص للشابة في الخروج في العيدين والجمعة وشيئ من الصلوات ، لقوله تعالىٰ {وقرن في بيوتكنّ } ولأنّ خروجهنّ سبب للفتنة، وأمّا العجائز فيرخصن لهن الخروج في العيدين ، ولاخلاف أنّ الأفضل أن لايخرجن في صلاة ... وفي فتح القدير من كتبنا : والمعتمد منع الكل من الكل إلاّ العجائز المتفانية فيما يظهر لي دون العجائز المتبرجات وذوات الرمق إلخ. فهٰذه غرر نقول المذاهب من أمّهات كتبها، وعلم منه أنّ أصل مذهبنا كما قاله شيخنا جواز الخروج للنّساء للعيدين، غير أنّه منعه المشايخ وأرباب الفتوى لفساد الزمان. (معارف السنن، أبواب العيدين، باب في خروج النساء في العيدين، (٤/ ٤٥٠، ٤٥١) ط: مجلس الدعوة والتحقيق الإسلامي).

* قوله: ائذنوا للنساء إلخ. ليس الحديث هٰذا نصا في ترغيبهنّ إلى الخروج، بل ورد الترغيب بعدم خروجهنّ في حديث، وذكر فيه: أنّ صلاتها في مخدعها أفضل من صلاتها في بيتها. (معارف السنن، باب في خروج النّساء إلى المساجد، (٥/ ٦٢) ط: مجلس الدعوة والتحقيق الإسلامي).

=

نوجوان عورتوں کے مساجد میں جانے کے متعلق حنفیہ کی طرح شوافع، مالکیہ کا مذہب بھی قریب قریب ہے۔ **کمایظھر من مدونته (المدونة الکبری) وشرح المهذب۔**[1]

جنوبی افریقا کے اخبار ''مرکیوری ایکسٹرا'' مورخہ ۲۹ جنوری ۱۹۷۵ء کا وہ مضمون جس میں لکھا گیا ہے کہ رابطہ عالم اسلامی کی کانفرنس میں عورتوں کے مساجد میں جانے کی اجازت پر قرارداد پاس کی، لیکن اس پر کسی حنفی عالم نے اعتراض نہیں کیا، اسی طرح حضرت بنوری مدظلہ العالی نے بھی اعتراض نہیں کیا، یہ خبر غلط معلوم ہوتی ہے۔

حضرت بنوری مدظلہ العالی اس قرارداد کے پیش ہونے کے وقت موجود نہیں تھے، دوسرے حضرت موصوف کا موقف اس مسئلہ میں وہ ہی ہے، جو جمہور علماء (احناف) کا ہے، حضرت کی بے نظیر کتاب ''**معارف السنن**'' میں مولانا نے دو مقامات پر بحث کی ہے۔ ابواب العیدین، جلد رابع، ص: 450، 451 دوسرے باب خروج النساء الی المساجد، جزء خامس، ص: ۶۰۔[2]

اس لیے مولانا مدظلہ کی طرف جواز کا انتساب غلط ہے، اس لیے صورت مسئولہ میں ہمارے نزدیک جمعیۃ العلماء کیپ ٹاؤن کا موقف صحیح ہے۔

کتبہ: ولی حسن (یکم جمادی الثانیہ، ۱۳۹۶ھ)

دارالافتاء مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی

ماشاءاللہ جواب صواب ہے، اور بقدر ضرورت اس وقت کافی وشافی ہے، اور جو کچھ میرے متعلق کہا گیا ہے، وہ بھی بالکل صحیح ہے، بہر حال میں اس فتویٰ کی تصدیق وتائید کرتا ہوں، جب فقہاء کرام نے صدیوں

---

(۱) ومنع بعضهن الشابة دون غيرها، وهو مذهب مالك وأبي يوسف ... وفي المدونة (١- ١٥٥) مذهب مالك مثل ما حكاه البدر العيني... وفي شرح المهذب (٥- ٩): حكى الرافعي وجهاً أنّه لايستحبّ لهنّ الخروج بحال، ثمّ قال: وهذا كلّه حكم العجائز اللواتي لايشتهين، وأما الشابة وذوات الجمال ومن تشتهي فيكره لهنّ الحضور لما في ذلك من خوف الفتنة عليهنّ وبهنّ. (معارف السنن، أبواب العيدين، باب خروج النساء في العيدين، (٤/ ٤٤٥، ٤٤٦) ط: سعيد).

(2) سابقہ صفحے کے حاشیہ نمبر (2) کے دو تائیدی حوالے ملاحظہ ہو۔

پہلے اس فتنہ کا احساس فرما کر عدمِ خروج کا فتویٰ دے دیا ہے، تو دورِ حاضر جو فتنوں کا دور ہے، اور حضرت رسول اللہ ﷺ فرما چکے ہیں کہ بنی اسرائیل میں فتنہ عورتوں سے پیدا ہوا ہے، اس امت میں بھی فتنہ عورتوں سے پیدا ہوگا، دینی مصالح کا تقاضا بھی ہے کہ اس فتنہ کے دروازے کو بند رکھا جائے۔ واللہ الموفق

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ

(۵/جمادی الثانیہ، ۱۳۹۶ھ)

تراویح میں ختمِ قرآن پر اجرت لینے کی مختلف صورتیں اور ان کا حکم

سوال: حفاظ کرام کا ختم قرآن فی التراویح کی اجرت لینا مندرجہ ذیل صورتوں میں کسی ایک میں جائز ہے، اور ایسے حفاظ کے پیچھے نماز تراویح بلا کراہت ہو جاتی ہے یا ان سے بہتر امام بنے جو بلا اجرت ''الم ترکیف'' سے تراویح پڑھاتا ہے؟

الف: اجرت مقرر کر کے تراویح پڑھاتا ہے۔

ب: اجرت مقرر نہیں کرتا، لیکن دل میں لینے کا خیال رکھتا ہے، اگر نہ ملے تو ملول ہوتا ہے۔

ج: صرف رضائے الٰہی مقصود ہے اور لوگوں کے اصرار پر قبول کرنے سے انکار نہیں کرتا۔

نیز ختمِ قرآن کو امامت پر قیاس کیوں نہیں کیا جاسکتا ہے، حالاں کہ ختمِ قرآن وامامت سنن موکدہ ہیں؟ پھر کیا فرق ہے کہ حفاظ کے لیے ناجائز ہے اور اماموں کے لیے جائز؟ وقت کی تاویل دونوں صورتوں میں کی جاسکتی ہے۔

اگر بحوالہ کتب جواب تحریر فرمائیں تو بہت مہربانی ہوگی!

جواب: وعلیکم السلام!

الف: بالکل حرام ہے۔[1]

---

(۱) ويفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن والفقه والإمامة والأذان، قال ابن عابدين الشامي رحمه الله: =

ب: مکروہ ہے۔[1]

وقد اتفقت كلمتهم جميعاً على التصريح بأصل المذهب من عدم الجواز، ثم استثنوا بعده ماعلمته، فهذا دليل قاطع وبرهان ساطع على أن المفتى به ليس هو جواز الاستئجار على كل طاعة، بل على ماذكروه فقط مما فيه ضرورة ظاهرة تبيح الخروج عن أصل المذهب ... إلخ (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب: تحرير مهم في عدم جواز الإستيجار على التلاوة والتهاليل، (٤/ ٥٥، ٥٦) ط: سعيد).

* الفتاوى الهندية، كتاب الإجارة، الباب السادس عشر في مسائل الشيوع في الإجارة والإستيجار على الطاعات...، (٤/ ٤٤٩) ط: مكتبه حقانيه پشاور.
* البحرالرائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، (٨/ ١٩، ٢٠) ط: سعيد.
* رسائل ابن عابدين، الرسالة السابعة: شفاء العليل وبل الغليل في حكم الوصية بالختمات والتهاليل، (١/ ١٥٢- ٢٠٧) ط: سهيل اكيدمى لاهور.
* وفي التجنيس ثم بعضهم اعتادوا قراءة قل هو الله أحد في كل ركعة وبعضهم اختاروا قراءة سورة الفيل إلى آخر القرآن وهذا حسن لأنه لا يشتبه عليه عدد الركعات ولا يشتغل قلبه بحفظها فيتفرغ للتدبر والتفكر اهـ. وصرح في الهداية بأن أكثر المشايخ على أن السنة فيها الختم... وفي فتح القدير وغيره وإذا كان إمام مسجد حيه لا يختم فله أن يترك إلى غيره فالحاصل أن المصحح في المذهب أن الختم سنة لكن لا يلزم منه عدم تركه إذا لزم منه تنفير القوم وتعطيل كثير من المساجد خصوصا في زماننا فالظاهر اختيار الأخف على القوم كما تفعله الأئمة في زماننا من بداءتهم بقراءة سورة التكاثر في الركعة الأولى وبقراءتهم سورة الإخلاص في الثانية إلى أن تكون قراءتهم في الركعة التاسعة عشر سورة تبت وفي العشرين سورة الإخلاص وليس فيه كراهة في الشفع الأول من الترويحة الأخيرة بسبب الفصل بين الركعتين بسورة واحدة لأنه خاص بالفرائض. (البحرالرائق ، كتاب الصلاة ، باب الوتر والنوافل ، (٢/ ٧٤) ط: سعيد).

(1) اگر حافظ کے دل میں لینے کا خیال نہ تھا اور پھر کسی نے دیا تو درست ہے، اور جو حسبِ رواج وعرف دیتے ہیں، حافظ بھی لینے کے خیال سے پڑھتا ہے، اگرچہ زبان سے کچھ نہیں کہتا تو درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاوی رشیدیہ، کتاب نماز کے مسائل، تراویح کا بیان، حافظ کو بغیر مانگے کے دینا، (ص:۳۷۸) ط: محمد علی کارخانہ اسلامی کتب کراچی)۔

* اگر نیت خالص یہ ہے کہ حسبۃً للہ قرآن شریف سناتا ہے، اور دینے والے بھی محض اللہ کے واسطے اس کو غریب سمجھ کر کچھ دیتے ہیں، معاوضہ قرآن شریف پڑھنے کا نہیں سمجھتے تو پھر اس کے جواز اور ثواب میں تامل نہیں، ولیکن اس زمانہ میں ایسا کہاں

ج: بلا کراہت جائز ہے، نہ لینا پھر بھی اولیٰ ہے۔[1]

ختمِ تراویح پر معاوضہ کا ثبوت فقہاء سے نہیں اور امامت پر گنجائش نکالی گئی ہے، منصبِ امامت کا تعطل جتنادین کے لیے مضر ہے، ترکِ ختمِ تراویح میں وہ ضرر نہیں۔[2] نیز ختم کا بدل ختم حکمی موجود ہے، جو امام بلاخدمت ''الم ترکیف'' پڑھائے، وہ زیادہ بہتر ہے ختم بالمعاوضہ سے، چاہے غیر مشروط ہی ہو۔[3]

نقول وادلہ کی نقل کی فرصت وہمت نہیں، اگر خواہ مخواہ اس کی ضرورت ہے، تو دارالافتاء میں استفتا ارسال فرمائیں۔ والسلام!

محمد یوسف بنوری

ہے! (فتاوی دار العلوم دیوبند، عزیز الفتاوی، کتاب الاجارات، تراویح میں قرآن سنانے کی اجرت، (۱/۶۶۳، ۶۶۴) ط: دار الاشاعت کراچی)۔

(1) اگر حافظ کے دل میں لینے کا خیال نہ تھا اور پھر کسی نے دیا تو درست ہے، اور جو حسبِ رواج وعرف دیتے ہیں، حافظ بھی لینے کے خیال سے پڑھتا ہے، اگرچہ زبان سے کچھ نہیں کہتا تو درست نہیں۔ فقط واللہ تعالی اعلم (فتاوی رشدیہ، کتاب نماز کے مسائل، تراویح کا بیان، حافظ کو بغیر مانگے کے دینا، (ص: ۳۷۸) ط: محمد علی کارخانہ اسلامی کتب کراچی)۔

* اگر نیت خالص یہ ہے کہ حسبۃً للہ قرآن شریف سناتا ہے، اور دینے والے بھی محض اللہ کے واسطے اس کو غریب سمجھ کر کچھ دیتے ہیں، معاوضہ قرآن شریف پڑھنے کا نہیں سمجھتے تو پھر اس کے جواز اور ثواب میں تامل نہیں، ولیکن اس زمانہ میں ایسا کہاں ہے! (فتاوی دار العلوم دیوبند، عزیز الفتاوی، کتاب الاجارات، تراویح میں قرآن سنانے کی اجرت، (۱/۶۶۳، ۶۶۴) ط: دار الاشاعت کراچی)۔

(2) [حاشیہ: ۱] ملاحظہ ہو۔

(3) اجرت دے کر قرآن شریف تراویح میں پڑھوانا درست نہیں، اگر بے اجرت لیے ہوئے پڑھنے والا حافظ نہ ہو تو سورت تراویح پڑھنا بہتر ہے۔ (کفایت المفتی، کتاب الصلاۃ، بارہواں باب: نماز تراویح، زیرِ عنوان: اجرت لے کر تراویح پڑھانا، (۳/۴۰۹) نیز زیرِ عنوان: امامت کی اجرت لینا جائز ہے، تراویح کی نہیں، (۳/۴۱۰) نیز زیرِ عنوان: پیسے دے کر تراویح پڑھانا، تراویح کی اجرت لینا جائز نہیں، (۳/۴۱۲) ط: دار الاشاعت کراچی)۔

* فتاوی دار العلوم دیوبند، از مفتی محمد شفیع صاحب، (امداد المفتیین) کتاب الصلاۃ، فصل فی التراویح، زیر عنوان: تراویح میں قرآن پڑھنے پر اجرت لینا، (۲/۳۶۳) نیز زیرِ عنوان: اجرت دے کر تراویح میں قرآن شریف پڑھنا، (۲/۳۶۵) ط: دار الاشاعت کراچی۔

احترامِ جمعہ / اسلامی نقطۂ نظر سے جمعہ کی تعطیل

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین، مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں:

اپنی اپنی مرکزیت واہمیت ظاہر و قائم کرنے کی غرض سے ہر مذہب نے ہفتہ میں ایک دن کو فضیلت والا دن قرار دیا ہے، عیسائی اتوار کے دن کو فضیلت والا دن سمجھتے ہیں، اور اس کا احترام خود کرتے ہیں، اور دوسروں سے بھی اس کا احترام کرانے کی سعی کرتے ہیں، اسی طرح ہر مذہب کسی ایک دن کو فضیلت والا دن سمجھتا ہے، کیا اسلام ہفتہ میں کسی دن کو فضیلت والا دن قرار دیتا ہے؟

از روئے شرع جمعہ کے دن شکار کھیلنا یا بطورِ پیشہ جانور ذبح کرنا کیسا ہے؟ کیا مقررہ کاروباری چھٹی جمعہ کے دن منانا افضل واولیٰ ہے یا کسی اور دن؟

ایسا کاروبار جو تجارتی ضرورت سے جمعہ کی نماز سے تین گھنٹہ ماقبل اور تین گھنٹے مابعد، تسلسل کے ساتھ جاری رکھنا ضروری ہو اور اس میں انہماک کے باعث ادائیگیٔ نمازِ جمعہ میں خلل واقع ہونے کا اندیشہ ہو، اس کا کسی اور دن بند کرنا اور جمعہ کے دن جاری رکھنا از روئے شرع کیسا ہے؟

مستفتیان: محبوب الرحمن حمیدی و شیخ محمد بخش اینڈ سنز، کراچی

جواب: بلاشبہ جمعہ کا دن مسلمانوں کے لیے ہر جہت سے قابلِ صد احترام ہے،[1] بعض

---

(۱) عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: نحن الآخرون السابقون يوم القيامة بيد أنهم أوتوا الكتاب من قبلنا، وأوتيناه من بعدهم، ثمّ هذا يومهم الذي فرض عليهم يعني يوم الجمعة، فاختلفوا فيه فهدانا الله له، والناس لنا فيه تبع، اليهود غداً والنصارى بعد غدٍ. متفق عليه. ...وعن أوس بن أوس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن من أفضل أيامكم يوم الجمعة، فيه خلق آدم، وفيه قبض وفيه النفخة، وفيه الصعقة ... عن أبي لبابة بن عبد المنذر قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: إن يوم الجمعة سيد الأيام، وأعظمها عند الله، وهو أعظم عند الله من يوم الأضحى ويوم الفطر. (مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب الجمعة، (ص:۱۱۹، ۱۲۰) ط: قديمى كراچى).

=

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم تو مسجد میں صبح کی نماز پڑھ کر تا ختمِ صلاۃ جمعہ اعتکاف فرمایا کرتے تھے، اور دوپہر کا کھانا اور آرام بھی بعد نمازِ جمعہ ان کا معمول تھا۔[1]

اور اگر ہفتہ میں کسی دن کی تعطیل ضروری ہے تو پھر جمعہ کا ہی دن اس کے لیے ہونا چاہیے، اور اسلامی نقطۂ نگاہ سے تو اتوار یا سینیچر کی تعطیل درست ہی نہیں ہے۔[2]

---

* قال بعض المحققين من أئمتنا: أي فرض الله على عباده أن يجتمعوا يوماً ويعظموا فيه، خالفهم بالطاعة، لكن لم يبين لهم، بل أمرهم أن يستخرجوه بأفكارهم ويعينوه باجتهادهم، وأوجب كل قبيل أن يتبع ما أدى إليه اجتهاده، صواباً كان أو خطأ كما في المسائل الخلافية، فقالت اليهود: يوم السبت؛ لأنه يوم فراغ وقطع عمل؛ لأن الله تعالى فرغ عن خلق السماوات والأرض، فينبغي أن ينقطع الناس عن أعمالهم ويتفرغوا لعبادة مولاهم، وزعمت النصارى أن المراد يوم الأحد؛ لأنه يوم بدء الخلق الموجب للشكر والعبادة، فهدى الله المسلمين ووفقهم للإصابة حتى عينوا الجمعة وقالوا: إن الله تعالى خلق الإنسان للعبادة ... وكان خلق الإنسان يوم الجمعة ... إلخ (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب الجمعة، الفصل الأول، (٣/ ٢٣٠) ط: مكتبه إمداديه ملتان).

(١) عن سهل بن سعد قال: ماكنا نقيل ولانتغدى إلا بعد الجمعة. (صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب قول الله عز وجل: {فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ...} وعن حميد قال: سمعت أنساً يقول: كنا نبكر يوم الجمعة ثمّ نقيل. (صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب القائلة بعد الجمعة، (١/ ١٢٨) ط: قديمى كراچى).

* وقد كان السلف يمشون على السرج يوم الجمعة إلى الجامع، وفي الإحياء: وأول بدعة حدثت في الإسلام ترك التبكير إلى المساجد. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب الخطبة والصلاة، الفصل الأول، (٣/ ٢٥٣) ... وفيه: قال الطيبي: هما كنايتان عن التبكير أي لايتغدون ولايستريحون ولايشتغلون بمهمّ ولايهتمون بأمر سواه. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب الخطبة والصلاة، الفصل الأول، (٣/ ٢٦٣) ط: مكتبه إمداديه ملتان).

(٢) انظر إلى الحاشية (١) على الصفحة السابقة.

=

ہاں! شرعاً کاروبار جمعہ کو ترک کرنا ضروری نہیں، اذانِ نمازِ جمعہ کے بعد ترک کرنے کا حکم ہے، جیسے حضرت مفتی صاحب نے تحریر فرمایا ہے۔[1]

کوئی ایسا کاروبار کرنا جس سے نمازِ جمعہ کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو، وہ ناجائز ہے۔ واللہ اعلم

محمد یوسف بنوری (۶/رمضان ۱۳۷۸ھ)

---

(۱) { يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ} [الجمعة:۹].

* {ذروا البيع} ومتى وقت التحريم؟ قولان، إنه بعد الزوال إلى الفراغ منها، قاله الضحاك والحسن وعطاء رحمهم الله تعالى، الثاني: من وقت أذان الخطبة إلى وقت الصلاة. (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، [الجمعة:۹] (۱۸/ ۷۰) ط: دار الكتب العلمية بيروت)

* (ويجب السعي إليها وترك البيع بالأذان الأول) لقوله تعالى: {يَاَ الّذين اٰمنوا اذا نودي ... وإنّما اعتبر الأذان الأول؛ لحصول الإعلام به، ومعلوم أنه بعد الزوال، إذ الأذان قبله ليس بأذان، وهذا القول هو الصحيح في المذهب. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة، (۲/ ۱۵۶) ط: سعيد).

* جمعہ کے روز اذان جمعہ سے پہلے تجارت اور تمام کاروبار کرنا جائز ہے، اذان جمعہ سے پہلے کوئی کام ممنوع نہیں۔ (کفایت المفتی، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ، ما یتعلق بأذان الجمعۃ، زیر عنوان: اذان جمعہ سے پہلے کاروبار کا حکم، (۵/۲۲۷، ۲۲۸) ط: ادارۃ الفاروق کراچی، دارالافتاء جامعہ فاروقیہ)۔

* (ووجب سعي إليها و ترك البيع) ولو مع السعي ، في المسجد أعظم وزرا (بالأذان الأوّل) في الأصح، وإن لم يكن في زمن الرسول بل في زمن عثمان. وأفاد في البحر صحة إطلاق الحرمة على المكروه تحريما . (قوله : ووجب سعي) لم يقل: افترض مع أنّه فرض للاختلاف في وقته هل هو الأذان الأوّل أو الثاني أو العبرة لدخول الوقت؟ بحر. وحاصله أنّ السعي نفسه فرض والواجب كونه في وقت الأذان الأوّل ، وبه اندفع ما في النهر من أنّ الاختلاف في وقته، لا يمنع القول بفرضيته كصلاة العصر فرض إجماعًا مع الاختلاف في وقتها (قوله: وترك البيع) أراد به كل عمل ينافي السعي وخصه اتّباعًا للآية نهر. (قوله: ولو مع السعي) صرّح في السراج بعدم الكراهة إذا لم يشغله بحر، وينبغي التعويل على الأوّل، نهر. قلت: وسيذكر الشارح في آخر البيع الفاسد أنّه لا بأس به لتعلق النهي بالإخلال بالسعي فإذا انتفى انتفى. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة، (۲/ ۱۶۱) ط: سعيد).

فیکٹری میں باہر کے افراد کو اندر آنے کی اجازت نہ ہو تو جمعہ کے قیام کا حکم

سوال: آج کل ملوں اور فیکٹریوں کے اندر جہاں چوبیس گھنٹے کام ہوتا ہے، وہاں نمازِ جمعہ بھی ادا ہوتی ہے، کیوں کہ ان لوگوں کو باہر جانے کی اجازت نہیں ملتی؛ اس لیے وہ نمازِ جمعہ اندر ہی ادا کرتے ہیں، اب کیا وہاں جمعہ پڑھنا جائز ہے یا نہ؟ جب کہ اس جگہ شرائط میں سے اذنِ عام کی شرط مفقود ہے؟ کیا اذنِ عام کی شرط ایسی ضروری ہے کہ اس کے بغیر جمعہ کی نماز کی جگہ ظہر پڑھی جاوے؟ یا جمعہ ہی پڑھا جائے؟

بہر حال یہ مسئلہ عہد حاضر کے مشکلات میں سے ہے، اس کا حل براہِ کرم دورِ حاضر کو مد نظر رکھتے ہوئے عنایت فرما کر مشکور ہوں۔ **بینوا توجروا!**

جواب: اذنِ عام ہونا بھی من جملہ شرائطِ صحتِ جمعہ ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ خود نماز پڑھنے والے کو روکنا وہاں مقصود نہیں ہوتا، باقی اگر روک ٹوک کسی اور ضرورت سے ہو تو وہ اذنِ عام میں مخل نہیں۔

في الدر المختار:

و(الإذن العام) من الإمام، وهو يحصل بفتح أبواب الجامع للواردين، كافي. فلايضر غلق باب القلعة لعدو أو لعادة قديمة؛ لأن الإذن العام مقرر لأهله، وغلقه لمنع العدوّ، لاالمصلي، نعم، لولم يغلق لكان أحسن.[1]

---

(١) الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة، (٢/ ١٥١، ١٥٢) ط: سعيد.

* حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الجمعة، (٢/ ١٢٣، ١٢٤) ط: مكتبه غوثيه كراچى.
* مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، كتاب الصلاة، باب صفة الجمعة (١/ ١٦٦) ط: دار إحياء التراث العربي بيروت.

واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح	کتبہ
محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ	احقر ولی حسن عفی عنہ
	مدرسہ عربیہ اسلامیہ، نیوٹاؤن کراچی/۵
	[رجب ۱۳۷۷ھ]

قریہ صغیرہ میں قاضی وحاکم کی اجازت سے نمازِ جمعہ کا حکم

سوال: سربازرودخانہ ایست کہ دروسط او رو وی بزرگ میگذرد وبجانبین او آبادیست، وبہ بعض جائے ھا ھمیں آبادی ھا درطول باھمہ دیگر اتصال دارندوبجائی دیگر انفصال وبزرگترین قریہ ھائی اور ازلحاظ نفوس انسانی بتعداد ھزار نفر از مرد وزن کبیر وصغیر احرار وعبید میر سند تقریباً وکوچکتدیں آنھا بتعدادیست وازاں کمتر نفرمی باشند وبریك قریہ باسمی ومفادی وکد خدائی وحدی ونھری جداگانہ موسوم ومقرراست. واھالی ایں قریٰ بقدر صد سال کم وبیش است کہ جمعہ دربعضی جائے ھا جاری کردہ اند دربعضی جائے ھا قاضی بتراضئ مسلمین قاضی شدہ جاری کردہ است ودربعضی بہ اجازت والی آ ں علاقہ فعلاً علماء را دراں ترددی روداده است بسہ طوریکی ایں کہ آیادریں چنیں قریٰ جمعہ ادا می شودیانہ؟

دوم: بتراضی مسلمیں فقط قاضی دریں چنیں ولایت میتواند کہ جمعہ قائم کند یانہ؟

سوم: اگراجازۃ والی موجود است اما ھماں والی مرد یاتبدیل شدیس تبدیل اجازت ھم لازم میگردد یانہ وایااجازۃ ھمیں والی بجز از اجازت سلطان آں تمام

علاقه كافي است يا نه؟ واگر همين والى وسلطان شيعه هست ومى دانسته نمى شود كه از شيعه يان كافراست يافاسق پس درصورت شك اجازت اوهم كافي شود يانه ودرصورت بودے يه اجازة والى رعايت هماں مذهب كه در وجائز است مثل مذهب شافعى ياماللك وغيره در اوالے كه ده آيد كه حكم تلفيق باطل است يانه؟ وايضاً عموماً هرجاكه قريه ايست اجازة گرفته اداكنند ياكه قديماں را بحال خود دارند وجديداً چناں نكنند تاكه ازوياد ترك مذهب نه شود؟ ودرصورت نبودے جمعه نماز اهالى زمان گزشته را قضا كنند يانه؟ **بيّنوا توجروا!**

مستفتی: محمد عمر سربازی

جواب: قریٰ صغیرہ میں حنفیہ کے نزدیک جمعہ درست نہیں، البتہ وہ قریٰ کبیرہ جن کی آبادی تین چار ہزار افراد پر مشتمل ہو، اور قصبات اور شہر میں نمازِ جمعہ درست ہے۔ چناں چہ علامہ شامی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

وتقع فرضاً في القصبات والقرى الكبيرة التي فيها أسواق،... وفيما ذكرنا إشارة إلى أنه لايجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاضٍ ومنبر وخطيب.[1]

البتہ قریٰ صغیرہ میں اگر والی یا قاضی جامع مسجد کے بنانے اور جمعہ کی اجازت دے دے تو اس صورت میں شرعاً جمعہ جائز ہے۔ چناں چہ ردالمحتار میں لکھا ہے:

قال أبو القاسم: هذا بلاخلاف إذا أذن الوالي أو القاضي ببناء المسجد الجامع

---

(١) رد المحتار على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة، (٢/ ١٣٨) ط: سعيد.

* الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، (١/ ١٤٤) ط: حقانيه پشاور.

* غنية المستملي شرح منية المصلي، المعروف بـ"حلبي كبير"، فصل في صلاة الجمعة، (ص:٥٤٩) ط: سهيل اكيدمى لاهور.

=

وأداء الجمعة؛ لأن هذا مجتهد فيه، فإذا اتصل به الحكم صار مجمعاً عليه.(۱)

اور اگر والی اور حاکم جس نے جمعہ کی اجازت دی ہے، اس کی جگہ دوسرا حاکم آجائے تو اب دوسرے حاکم کی اجازت جمعہ کے لیے ضروری ہے، اجازت سابقہ کافی نہیں۔ چناں چہ علامہ شامی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

لايبقى إلى اليوم الإذن بعد موت السلطان الإذن بذلك إلا إذا أذن به أيضاً سلطان زماننا نصره الله.(۲)

---

(۱) رد المحتار على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة، (۲/ ۱۳۸) ط: سعيد.

* وفي الحجة: قال السيد الإمام أبو القاسم: لو أذن الوالي والقاضي أن يعقد الجمعة وبيني المسجد الجامع في قرية كبيرة فيها سوق، جاز بالاتفاق، لأنّ عند الشافعي تصلي الجمعة بالقرية الّتي فيها أربعون رجلاً حرا بالغا عاقلا مقيما، فكان هٰذا فصلا مجتهدًا فيه، فإذا تصلى به الحكم صار مجمعا عليه. (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون في صلاة الجمعة، شرائط الجمعة، (۲/ ٥٥٤، ٤٥٥) ط: مكتبه فاروقية كوئته).

* لأنّ القضاء إذا جعل في محل الاجتهاد، فقد يرجح الجانب الّذي اتّصل به القضاء بالقضاء، فلايعارض من الجانب الآخر. (المحيط البرهاني في الفقه النعماني، كتاب القضاء، الفصل التاسع عشر: في القضاء في المجتهدات، (۸/ ۷۸۰) ط: دار الكتب العلمية بيروت).

* حاشية الطحطاوي على الدر، كتاب الصلاة، باب الجمعة، (۱/ ۲۳۹) ط: رشيديه.

* تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: امداد الفتاوی، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجمعۃ والعیدین، زیرِ عنوان: حکم خواندن جمعہ حنفیہ را در قری باختیار مذہب شافعیہ، (۱/۵۴۰، ۵۴۱) ط: نیز زیرِ عنوان: حکم جمعہ در قری باذن سلطان اسلام، (۱/۴۹۵، ۴۹۶) ط: دار العلوم کراچی)۔

(۲) رد المحتار على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة، (۲/ ۱٤۲) ط: سعيد.

* إذا أمر السلطان قضاته بشيءٍ ثمّ مات ذلك السلطان وولي غيره يحتاج الثاني إلى أمر جديد. (تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الدعوى، (۲/ ٦) ط: حقانيه پشاور).

* لکن وقت تبدیلِ حکومت اذن امیر سابق غیر کافی ست، اذن امیر جدید شرط ست۔ (امداد الفتاوی، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجمعۃ والعیدین، زیرِ عنوان: حکم جمعہ در قری باذن سلطان اسلام (496/1) ط: دار العلوم کراچی)۔

* مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: امداد الاحکام، کتاب الصلاۃ، فصل فی الجمعۃ والعیدین، زیرِ عنوان: إذن الحاکم بالجمعۃ یبقی بعد موتہ أو عزلہ أم لا؟ (۱/۷۹۹-۸۰۱) ط: دار العلوم کراچی۔

=

اور اگر والی شیعہ ہے تو اس کی اجازت قابل اعتبار نہیں، اس کی اجازت سے قریٰ صغیرہ میں جمعہ کی ادائیگی صحیح نہ ہوگی۔[1]

اور قریٰ صغیرہ میں جمعہ کی اجازت اگر والی کی طرف سے ہو تو اب اس میں جمعے کا جائز ہونا مجمع علیہ ہو جائے گا، اور خود حنفیہ کے نزدیک بھی جائز ہوگا، کیوں کہ یہ اصول ہے کہ: "**الحکم إذا لاقی فصلاً مجتهداًفیه نفذ**"،[2] اور اس صورت میں دیگر مذاہب پر عمل کرنا نہ ہوگا، بلکہ یہ خود اپنے مذہب پر عمل کرنے کے مترادف ہے، یہی وجہ ہے کہ بغیر اجازت والی کے اگر کوئی قریٰ میں اس غرض سے جمعہ کی نماز پڑھے کہ اختلاف سے نکل جائیں گے تو یہ درست نہیں، اس لیے کہ خروج من الخلاف

---

(١) قال (ولا تصح ولاية القاضي حتى يجتمع في المولى شرائط الشهادة ويكون من أهل الاجتهاد) أما الأول فلأن حكم القضاء يستقى من حكم الشهادة، وفى الفتح: يعني كل من القضاء والشهادة يستمد من سر واحد، هو شروط الشهادة من الإسلام والبلوغ والعقل والحرية... إلخ. (فتح القدير ، كتاب أدب القاضي ، (٦/ ٣٥٧) : رشيديه).

* عن الناصحي في تهذيب أدب القاضي للخصاف أن من لم تجز شهادته لم يجز قضاؤه، ومن لم يجز قضاؤه لايعتمد على كتابه. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب القضاء ، (٥/ ٣٥٧) ط: سعيد).

* وبهٰذا ظهر أن الرّافضي إن كان ممن يعتقد الأولوهية في علي ، أو أن جبريل غلط في الوحي ، أو كان ينكر صحبة الصديق، أو يقذف السيدة الصديقة، فهو كافر لمخالفة القواطع المعلومة من الدين بالضرورة. (رد المحتار على الدر المختار، كتاب النكاح، فصل في المحرّمات، (٣/ ٤٦) ط: سعيد).

* وكذلك نقطع بتكفير غلاة الرافضة قولهم : إنّ الأئمة أفضل من الأنبياء . (كتاب الشفاء، (ص: ٢١٥) ط: مكتبة الصفاء ، قاهرة).

(٢) والأصل أن القضاء متى لاقى فصلاً مجتهداً فيه ينفذه. (الهداية مع فتح القدير، كتاب القضاء، باب كتاب القاضي إلى القاضي، فصل آخر، (٦/ ٣٩٦) ط: رشيديه).

* المحيط البرهاني، كتاب النفقة، الفصل الأول في بيان من يستحق النفقة، نوع آخر في فرض القاضي نفقة المرأة وكسوتها، (٤/ ٢٩٢) ط: إدارة القرآن كراچی.

* الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب القضاء، فرع في الأشباه والمنظومة المحبية، (٥/ ٤٠٩) ط: سعيد.
=

اور عمل بر قول مجتہدِ آخر اس وقت درست ہے، جب کہ اپنے مذہب کے مکروہ کا ارتکاب لازم نہ آئے، یا موضع ضرورت میں جائز ہے۔ چناں چہ در مختار میں لکھا ہے:

لكن يندب الخروج من الخلاف لاسيما للإمام لكن بشرط عدم لزوم ارتكاب مكروه مذهبه.(۱)

اور ردالمحتار میں لکھا ہے:

ولذا مال أصحابنا إلى بعض أقواله (أي مالك) ضرورة ...إلخ.(۲)

اور ظاہر ہے کہ جمعہ فی القریٰ میں نہ تو کوئی ضرورت ہے، اس لیے کہ ضرورت کی حقیقت یہ ہے کہ بدون اس کے کوئی ضرر لاحق ہونے لگے، اور ضرر سے مراد حرج اور تنگی اور مشقت ہے، نیز جمعہ فی القریٰ سے اپنے مذہب کے ایک نہیں، بلکہ بہت سے مکروہات کا ارتکاب لازم آتا ہے:

(1) نفل کی جماعت۔(3)

---

(۱) الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الطهارة، باب الوضوء، مباحث نواقض الوضوء، (۱/ ۱٤۷) ط: سعيد.

* إذ ما ذكره من استحباب مراعاة الخلاف ليس على إطلاقه، بل مقيد بما إذا لم يلزم عليه ارتكاب مكروه مذهبه. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل: الصلاة عليه، (۲/ ۲۲٥) ط: غوثيه كراچی).

* ولا يخفى أنّ الخروج من الخلاف مندوب لكل أحد بشرط أن لايلزم ارتكاب مكروه في مذهبه إلاّ أن مراتبه تختلف بحسب قوة دليل المخالف وضعفه وخص الإمام لما لايخفى . (النهرا لفائق، كتاب الطهارة، فرع، (۱/ ٦۰) ط: دار الكتب العلمية).

(۲) ردالمحتار على الدر المختار، كتاب الطلاق، باب الرجعة، مطلب: مال أصحابنا إلى بعض أقوال مالك رحمه الله ضرورة، (۳/ ٤۱۱) ط: سعيد.

(۳) لا (التطوع بجماعة خارج رمضان) أي يكره ذلك على سبيل التداعي. وفي الرد: (قوله: أي يكره ذلك)... ثمّ إنّ كان ذلك أحياناً كما فعل عمر كان مباحاً غير مكروه، وإن كان على سبيل

(2)نوافلِ نہار میں جہر۔[1]

(3)غیر لازم کاالتزام۔[2]

(4)ترکِ جماعتِ فرضِ ظہر۔[3]

المواظبة كان بدعة مكروهة؛ لأنه خلاف المتوارث. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مطلب: في كراهة الاقتداء في النفل على سبيل التداعي، (٢/ ٤٨، ٤٩) ط: سعيد).

* خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، الفصل الثالث في التراويح، (١/ ٦٣) ط: رشيديه.
* غنية المستملي شرح منية المصلي، المعروف بـ حلبي كبير، فصل في النوافل، (ص: ٤٠٠) ط: سهيل اكيدمى لاهور.

(١) (ويسر في غيرها) ... (كمتنفل بالنهار) فإنه يسرّ ... وفي السرّية يخافت حتماً على المذهب. (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل في القراءة، (١/ ٥٣٢) ط: سعيد).

* الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الثاني في واجبات الصلاة، (١/ ٧٢) ط: حقانيه پشاور.
* غنية المستملي شرح منية المصلي، المعروف بـ حلبي كبير، بحث واجبات الصلاة، (ص:٢٩٦) ط: سهيل اكيدمى لاهور.

(٢) من أصرّ على أمر مندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصرّ على بدعة ومنكر. (شرح الطيبي على مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، الفصل الأول، (٢/ ٣٧٤) ط: إدارة القرآن كراچی).

* فمن واظب على فعل لم يفعله الشارع فهو مبتدع. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، الحديث الأول قبل كتاب الإيمان، حديث النية، (١/ ٩٠) ط: رشيديه).
* واستنبط منه أن المندوب ربما انقلب مكروهاً إذا خيف أن يرفع عن رتبته. (مجمع بحار الأنوار، باب الصاد مع الراء، (٢/ ٣١٨) ط: مكتبة دار الإيمان، المدينة المنورة).

(٣) إذا كانوا في مقام لايجوز إقامة الجمعة فيه كالرستاق، صلوا الظهر بجماعة، كما في سائر الأيام. (الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الثالث والعشرون في الجمعة، (٤/ ٧٦) ط: حقانيه پشاور).

=

(5) اگر کوئی ظہر نہ پڑھے تو ترک فریضہ جو کہ حرام اور فسق ہے؛ کیوں کہ جب حنفیہ کے نزدیک قریٰ صغیرہ میں نماز جمعہ نہیں ہوتی، تو ظہر کی نماز پڑھنا فرض ہے، اگر عرصہ سے ظہر کی نماز نہیں پڑھی تو اس کی قضا کرنا واجب اور ضروری ہے۔

الجواب صواب　　کتبہ

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ　　بندہ احمد الرحمن غفرلہ

(۲۴/جمادی الثانیہ/۱۳۸۵ھ)

دارالافتاء مدرسہ عربیہ، نیوٹاؤن کراچی/۵

خطبۂ جمعہ مقامی زبان میں دینے اور خطبہ میں حاکم وقت کا نام لینے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرعِ متین مسائلِ ذیل کے بارے میں:

۱- جمعہ کا خطبہ بدستور عربی میں رکھا جائے یا عوام کے سمجھنے کے لیے مقامی زبان میں رواج دیا جائے؟

۲- اگر خطبہ عربی ہی میں باقی رکھا جائے تو جو لوگ نہ سمجھنے کا اشکال کرتے ہیں اس کا حل کیا ہے؟

۳- خطبہ میں سلطانِ وقت کا نام لینا چاہیے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا!

مستفتی: محمد اللہ، خطیب وپیش امام شاہی مسجد لال باغ ڈھاکہ

---

* وأما أهل القرى فإنهم يصلون الظهر بجماعة بأذان وإقامة؛ لأنه ليس عليهم شهود الجمعة. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان مايستحب في يوم الجمعة و مايكره فيه (١/ ٢٧٠) ط: سعيد).

=

جواب: ۱- خطبہ عربی زبان ہی میں مسنون ہے، غیر عربی میں خطبہ مکروہ ہوگا،[1] البتہ اگر خطبہ میں قرآن وحدیث یا تذکیر کا کوئی جز ہو، اس کا ترجمہ صرف مخاطبین کی زبان میں کیا جائے یعنی عربی پڑھ لینے کے بعد، تو اس کی گنجائش ہے، لیکن اگر اس گنجائش اور رخصت سے فتنے کا دروازہ کھلنے کا اندیشہ ہو، اور حدود پر قائم رہنا مشکل ہو تو یہ گنجائش بھی ختم ہو جائے گی، اس لیے اس کے بدلہ بہتر یہ ہوگا کہ خطبۂ جمعہ سے قبل خطبہ کا مضمون بطور وعظ و تقریر پہلے کرکے فارغ ہو جائے، تاکہ عوام کو تسلی ہو جائے، اور شرعی حدود اپنی جگہ قائم رہیں، مقصود اصلی خطبہ میں ذکر اللہ ہے، تذکیر سنت یا مستحب ہے، بغیر تذکیر خطبہ صحیح ہو جائے گا، بغیر ذکر اللہ خطبہ صحیح نہ ہوگا۔[2]

---

(۱) لاشكّ في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة عن النبي صلى الله عليه وسلم والصحابة رضي الله عنهم، فيكون مكروهاً تحريماً، وكذا قراءة الأشعار الفارسية والهندية فيها، وقد فصلنا هذا المقام في رسالتنا آكام النفائس في أداء الأذكار بلسان الفارس. (عمدة الرعاية على شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، [رقم الحاشية:...] (٢/ ٣٢٤) ط: دار الكتب العلمية بيروت).

* حاشية العلامة اللكنوي على الهداية، كتاب الصلاة، باب الجمعة، [رقم الحاشية:٨] (١/ ١٧١) ط: شركت علميه ملتان.

* (كما صحّ لو شرع بغير عربية)... على هذا الخطبة وجميع أذكار الصلاة ... الأصحّ رجوعه إلى قولهما، وعليه الفتوى. (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فروع، (١/ ٤٨٤) ط: سعيد).

(۲) {يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ} [الجمعة: ٩]

* الشرط الرابع الخطبة ... وركنها مطلق ذكر الله تعالى بنيتها ... وسنتها كونها خطبتين ... والأولى على تلاوة آية وعلى الوعظ أيضاً. (غنية المستملي شرح منية المصلي، المعروف بـ حلبي كبير، فصل في صلاة الجمعة، (ص:٥٥٥) ط: سهيل اكيدمى لاهور).

* الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، (١/ ١٤٦) ط: حقانيه پشاور.

* الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة، (٢/ ١٤٨) ط: سعيد.

=

خلافتِ راشدہ کے کسی دور میں غیر عربی کا خطبہ تاریخ میں منقول نہیں، چاہے ایران ہو یا افغانستان ہو، نیز بعد کے ادوار میں بھی ترکی ہو یا روما ہو، کہیں عہدِ اسلامی میں غیر عربی کا خطبہ نہیں، اور ایک قسم کا شعارِ دین بن گیا ہے۔[1]

اگر نماز جو مناجات ہے، غیر عربی میں اس کی گنجائش نہیں، تو پھر خطبہ جو ذکر اللہ ہے، کیسے اس کی اجازت دی جائے! کل نماز کے بارے میں یہی دلیل پیش کی جائے گی کہ ہر ملک اور ہر زبان والا اللہ تعالیٰ کی عبادت اپنی زبان میں کرے، خطبہ بھی عبادت ہے، اور اس کی عبادت کی شان کے تحفظ کے لیے بھی عربیت ضروری ہے، ورنہ منبر کی ایک تقریر ہو جائے گی، اور عبادت کی شان ختم ہو جائے گی۔

---

(١) وفقه المسألة أن الخطبة أمر تعبدي، كالقراء ة فيجب فيها اتباع المنقول، ولولا ذلك لنقل عن الصحابة قراءتها بالفارسية لما فتح فارس وأقيم فيها الجمعة، وكونها غير منقول ظاهر. (امداد الفتاوى، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة والعيدين، زيرِعنوان: حكم خواندن خطبه بزبان غير عربى، (١/ ٥١٥) ط: دار العلوم كراچى).

* الخطبة بالفارسية الّتي أحدثوها واعتقدوا حسنها ليس الباعث إليها إلاّ عدم فهم العجم اللغة العربية، وهٰذا الباعث قد كان موجودا في عصر خير البرية، وإن كانت في اشتباه، فلااشتباه في عصر الصحابة والتابعين ومن تبعهم من الأئمة المجتهدين حيث فتحت الأمصار الشاسعة والديار الواسعة، وأسلم كثير من الحبش والروم والعجم وغيرهم من الأعاجم، وحضروا مجالس الجمع الأعياد وغيرها من شعائر الإسلام، وقد كان أكثرهم لايعرفون اللغة العربية، ومع ذلك لم يخطب لهم أحد منهم بغير العربية، ولما ثبت وجود الباعث في تلك الأزمنة وفقدان المانع والتكاسل ونحوه معلوم بالقواعد المبرهنة لم يبق إلاّ الكراهة الّتي هي أوفٰى درجات الضلالة . (مجموعة رسائل اللكنوي ، رسالة آكام النفائس في الأذكار بلسان الفارس ، (٤/ ٣٧٨) ط: إدارة القرآن).

* لاشك في أنّ الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة عن النّبي صلى اللهُ عليه وسلم والصحابة ورضي الله تعالىٰ عنهم ، فيكون مكروها تحريما . (عمدة الرعاية على شرح الوقاية، كتاب الصلاة ، باب صلاة الجمعة ، رقم الحاشية ، (٢/ ٣٢٤) ط: دار الكتب العربية).

=

۲- ان کو سمجھایا جائے کہ خطبہ صرف وعظ نہیں، بلکہ ایک مخصوص عبادت ہے، اور شارع علیہ السلام اور ان کے بعد خلافتِ راشدہ کے دور میں امت کا تعامل اسی پر رہا کہ عربی میں خطبہ دیا جائے، اور یہی عربی سرکاری زبان ہے، عبادت اسی زبان میں ہونی چاہیے، فرق صرف اتنا ہے کہ نماز میں عربی جو شرعاً منقول ہے، وہ فرض ہے اور خطبے میں عربی زبان سنت ہے۔

پہلے جواب میں مزید تفصیل آگئی ہے۔

۳- اگر ملک دارالاسلام ہے، اور قانون اسلامی رائج ہے اور صدر مملکت یا بادشاہ قانون اسلامی پر عامل ہے، اور ملک میں اسلامی قانون کا رائج کرنے والا ہے، تو اس کا نام لینے میں کوئی مضائقہ نہیں، ورنہ ہرگز جائز نہیں۔[1]

هذا ما ظهر لي من رأي في الفتوٰى من غير تعرض لمزيد التفصيل للأدلة.

و الله سبحانه أعلم.

کتبہ: محمد یوسف البنوری عفا اللہ عنہ

(۵/ جمادی الاولی، ۱۳۸۶ھ)

---

(۱) ويندب ذكر الخلفاء الراشدين والعمين، لا الدعاء للسلطان، وجوّزه القهستاني، ويكره تحريماً وصفه بما ليس فيه. (قوله: وجوّزه القهستاني) عبارته: ثمّ يدعو لسلطان الزمان بالعدل والإحسان ... بل لامانع من استحبابه فيها، كما يدعى لعموم المسلمين؛ فإنّ في صلاحه صلاح العالم ... وأيضاً فإن الدعاء للسلطان على المنابر قد صار الآن من شعار السلطنة، فمن تركه يخشى عليه ... قال في البزازية: ... أمّا ما اعتيد في زماننا من الدعاء للسلاطين العثمانية أيّدهم الله تعالى كسلطان البرين والبحرين وخادم الحرمين الشريفين فلامانع فيه. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة، (٢/ ١٤٩، ١٥٠) ط: سعيد).

* وجاز الدعاء للسلطان بالعدل والإحسان، وكره تحريماً وصفه بمإليس فيه. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الجمعة، (٢/ ١٣١) ط: مكتبه غوثيه كراچی).

* حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة، (١/ ٣٤٣) ط: رشيديه.

غیر عربی میں خطبۂ جمعہ ناجائز و خلافِ اجماع ہے

سوال: ہمارے وطن بلوچستان میں مولوی صاحبان جمعہ کے خطبہ میں عربی کے ساتھ غیر عربی زبان میں وعظ و نصیحت کے طور پر شامل کرتے ہیں، اور اس شمولیت کی وجہ سے پہلا خطبہ، ثانی خطبے سے بہت ہی طویل ہو جاتا ہے، اس بارے میں مولوی صاحبان جواز کی بڑی دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ خطبہ سے مراد خطاب ہے، اور خطاب ان الفاظ میں کیا جاتا ہے جو کہ مخاطب کی سمجھ میں آئیں، اس کے علاوہ یہ دلیل بھی پیش کرتے ہیں کہ ہم سے پہلے بڑے بڑے عالم فاضل و مشائخ ان دیار میں ایسا ہی کرتے چلے آئے ہیں، اگر غیر زبان کی شمولیت ناجائز یا مکروہ ہوتی تو یہ حضرات ایسا ہرگز نہ کرتے، بلکہ خطبوں کی اکثر کتابوں میں بھی یہی دیکھا گیا ہے کہ خطبے میں عربی کے ساتھ فارسی و اردو اشعار و دیگر وعظ و نصیحت درج ہیں۔

حضرت اس مسئلہ کو دلائل و براہین سے واضح فرما کر عنداللہ ماجور ہوں!

مستفتی: خادم العلماء مولوی فتح محمد، جیل روڈ کوئٹہ

جواب: خطبۂ جمعہ مستقل عبادت ہے، بلکہ یہ بدل ہے نمازِ ظہر کی دو رکعتوں کا، اس کے دو جزء ہیں: ایک ذکر اور ایک تذکیر، ذکر اہم رکن ہے، اگر ذکر اللہ نہ کیا جائے تو خطبہ نہ ہوگا،[1] تذکیر مستحب و مسنون ہے، سلف سے غیر عربی زبان میں خطبہ جمعہ ثابت نہیں، اس لیے فقہاء نے مکروہ کہا ہے، اشعار کا پڑھنا ناجائز ہے، خواہ وہ عربی ہی میں کیوں نہ ہوں۔[2]

---

(١) الشرط الرابع: الخطبة وركنها: مطلق ذكر الله تعالى بنيّتها ... وسنّتها: كونها خطبتين ... والأولى على تلاوة آية وعلى الوعظ أيضاً. (غنية المستملي شرح منية المصلي، المعروف بـ حلبي كبير، فصل في صلاة الجمعة، (ص:٥٥٥) ط: سهيل اكيدمى لاهور).

* الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، (١/ ١٤٦) ط: حقانيه پشاور.

* الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة، (٢/ ١٤٨) ط: سعيد.

(2) خطبہ جمعہ میں عربی کے اشعار پڑھنا خلافِ اولیٰ ہے۔ (کفایت المفتی، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجمعۃ، الفصل الرابع فی ما یتعلق بخطبۃ الجمعۃ، زیرِ عنوان: خطبہ جمعہ عربی نثر میں پڑھنا، (۲۲۸/۵) ط: ادارۃ الفاروق، جامعہ فاروقیہ کراچی)۔

انظر إلى الحاشية (٢) على الصفحة رقم ٢٢٢.

اس موضوع پر حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کا مستقل رسالہ ہے، نیز مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے بھی "**الأعجوبة في خطبة العروبة**" لکھا ہے اور حضرت تھانوی کی تحریر بھی ہے، جو اس میں شامل ہے، ان کو منگوا کر مطالعہ کیجیے۔

غیر پختہ عالموں کا عمل کسی پر حجت نہیں، کسی کا جہل کسی کے علم پر حجت نہیں۔

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ (یکم ربیع الاول/۱۳۸۴ھ)

خطبۂ جمعہ میں ملک کے صدر کا نام لینے اور نعرے لگانے کا حکم

خطبۂ جمعہ غلط پڑھنے والے کی امامت کا حکم

سوال: ۱- کیا خطبۂ جمعہ میں صدرِ پاکستان کا نام شامل کر کے پڑھا جا سکتا ہے؟

۲- کیا خطبۂ جمعہ میں پاکستان زندہ باد کہنا جائز ہے؟

۳- اگر امام صاحب خطبۂ جمعہ غلط پڑھیں تو خطبہ و نمازِ جمعہ کے متعلق کیا حکم ہوگا؟

٤- کیا ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے؟

مستفتی: حافظ تصدیق حسین خان، کیمپ نمبر: ۲، نواب شاہ

جواب: ۱ - خطبۂ جمعہ میں کسی مملکت کے سربراہ کا نام ضروری نہیں، البتہ اس کی اجازت ہے، اگر اسلامی مملکت ہو، اور قوانین اسلامی پر چلنے والا ہو تو دعا کی گنجائش ہے۔[1]

۲- پاکستان کے لیے اس طرح دعا کرنا جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو صحیح اسلامی حکومت بنادے، صرف زندہ باد کہنا اسلامی دعا نہیں، نہ خطبہ میں اس کی حاجت ہے۔

---

(۱) انظر إلى الحاشية [الرقم: ۱] على الصفحة رقم ۲۲۳.

۳- اگر واقعی امام خطبہ غلط پڑھے تو یہ خطبہ مکروہ ہے، اور شرعی عبادت کا اہم حصہ مکروہ ہوگیا، اگر نماز صحیح ادا کرتا ہے تو نماز میں اس وجہ سے کراہت نہ ہوگی کہ خطبہ غلط پڑھتا تھا۔

٤- بہر حال امام کو ہدایت کی جائے کہ وہ خطبہ و نماز دونوں میں احتیاط کرے، نہ امام کو بے جا غلطی پر ضد کرنا چاہیے، نہ مقتدیوں کو زبردستی امام کو متہم کرنا چاہیے، ﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ﴾ [البقرۃ:۲۲۰] کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے، ﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا﴾ [المائدۃ:۸] مسلمانوں کا شعار ہونا چاہیے۔

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ (۳/رجب ۱۳۷۸ھ)

ملازمت کے عذر سے نماز ترک یا قضا کرنا جائز نہیں ہے

سوال: ایک شخص نے کسی کے ہاں ملازمت کرلی ہے، مثلاً: مل یا کسی فیکٹری میں، اب اس نے گویا اپنے آٹھ گھنٹے یومیہ معاوضہ پر ریزرو کردیے ہیں، اس دوران میں نماز کا وقت آجاتا ہے، مالک کی طرف سے نماز کی اجازت بھی نہیں ہے، یہ بھی معذور؛ کیوں کہ اس وقت کو معاوضہ پر گویا بیچ دیا ہے، ادھر اگر نماز چھوڑتا ہے تو حقُّ اللہ، فرضِ عین تلف ہوجاتا ہے، ادھر اگر مشین کو چھوڑ کر چلا جاتا ہے تو ہوسکتا ہے کہ مشین خراب ہوجائے، مالک کا نقصان ہوجائے۔

بہر حال یہ مسئلہ عہد حاضر کی مشکلات میں سے ہے، اس کا حل براہِ کرم دورِ حاضر کو مد نظر رکھتے ہوئے عنایت فرما کر مشکور ہوں۔ **بینوا توجروا!**

جواب: اپنے وقت کو صبح سے شام تک اجارہ پر دے دیا تو تب بھی نمازِ فرض [و] سنت کے اوقات اس سے مستثنیٰ ہوں گے، وہ اوقات اس میں داخل نہ ہوں گے۔

شاید یہ صورتِ حال تو نہیں ہوگی کہ نماز پڑھنے سے روکا جائے، اگر مشین کا عذر ہے تو اس کی یہ

صورت ہوسکتی ہے، چند لوگ نگرانی کرتے رہیں، اور کچھ لوگ نماز سے فارغ ہولیں، پھر یہ لوگ چلے جائیں اور نماز پڑھ لیں۔

بہر حال نماز عذر کی بناپر ترک یا قضا نہیں کی جاسکتی ہے، فرض، سنت پڑھنا ضروری ہے، نوافل ترک کردے۔ علامہ شامی فتاویٰ تاتارخانیہ کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں:

وفي فتاوى الفضلي: وإذا استأجر رجلاً يوماً يعمل كذا، فعليه أن يعمل ذلك العمل إلى تمام المدة، ولايشتغل بشيء آخر سوى المكتوبة. وفي فتاوى سمرقند: وقد قال بعض مشائخنا: له أن يؤدي السنّة أيضاً، واتفقوا أنه لايؤدي نفلاً، وعليه الفتوى.(۱) والله تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح
محمد یوسف بنوری عفااللہ عنہ

احقر ولی حسن عفی عنہ
مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن کراچی/۵[رجب ۱۳۷۷ھ]

(۱) رد المحتار على الدر المختار، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير، مبحث الأجير الخاص، مطلب: ليس للأجير الخاص أن يصلي النافلة، (٦/ ٧٠) ط: سعيد.

* المحيط البرهاني، كتاب الإجارة، الفصل الثالث في الأوقات التي يقع عليها عقد الإجارة، (١١/ ٢٣٩) ط: إدارة القرآن كراچی.

* الفتاوى التاتارخانية، كتاب الإجارة، الفصل الثالث في الأوقات التي يقع عليها عقد الإجارة، (١٥/ ٣٠) ط: مكتبه فاروقيه كوئته.

نمازِ استسقا کی کتنی رکعات ہیں؟

سوال: استسقا کی نماز دو رکعت ہے یا چار؟ بعض لوگ چار کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور صاحبین رحمہما اللہ دونوں کے قول پر عمل کرتے ہیں۔

فاكتبوا الجواب مع الحوالة في اللسان العربي، هذا يكون فضلاً لكم على العبد العاصي، والسلام.

مستفتی: حمید اللہ جان غفرلہ

جواب: صلاة الاستسقاء ركعتان عند الكل، لاخلاف فيه بين الأئمة، وليس عند الصاحبين أربع. نعم، إن الاستسقاء لايتوقف على الصلاة عند أبي حنيفة رحمه الله.(۱)

الجواب صحیح	کتبہ
ولی حسن عفی عنہ	محمد یوسف البنوری
مدرس مدرسہ عربیہ، نیوٹاؤن کراچی/۵	[رجب ۱۳۷۷ھ]

(۱) (هو دعا واستغفار) ... (بلاجماعة) مسنونة بل هي جائزة ... وقالا: تفعل كالعيد. (قوله: كالعيد) أي بأن يصلى بهم ركعتين، يجهر فيهما بالقراءة بلا أذان ولا إقامة. (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإستسقاء، (٢/ ١٨٤) ط: سعيد).

* غنية المستملي شرح منية المصلي، المعروف بـ حلبي كبير، فصل في صلاة الإستسقاء، (ص: ٤٢٧) ط: سهيل اكيدمى لاهور.
* الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب التاسع عشر في الإستسقاء، (١/ ١٥٣) ط: حقانيه پشاور.

مسجد کے باہر قبلہ کی جانب جنازہ رکھ کر مسجد میں جنازہ ادا کرنے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں کہ:

ایک مسجد میں قبلہ کی طرف کھڑکی ہے، اس کے باہر جنازہ رکھ کر مسجد کے اندر نمازی کھڑے ہو کر نمازِ جنازہ ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ جواب تحریر فرمائیں۔ فقط

مستفتی: احمد ولد حاجی ابراہیم، جمشید روڈ، کراچی

جواب: امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب میں مسنون طریقہ یہی ہے کہ جنازہ کی نماز مسجد سے باہر پڑھی جائے، اور اگر مسجد میں پڑھی گئی تو جنازہ کی نماز مکروہ ہو گی، اور یہی بات زیادہ قوی ہے۔[1]

بعض علماءِ متاخرین کے نزدیک اگر جنازہ مسجد سے باہر ہو، اور نماز پڑھنے والے مسجد کے اندر ہوں تو مکروہ تنزیہی ہو گی،[2] بعض علماء اس پر عمل کرتے ہیں، لیکن زیادہ پختہ بات پہلی ہے، لیکن اگر ایسا کسی

---

(١) وتكره الصلاة على الجنازة في مسجد جماعة عندنا، وبه قال مالك: ... ماروا ه أبوداود وابن ماجه عن ابن أبي ذئب عن صالح مولى التؤمة عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من صلى على ميت في المسجد فلا أجرله. (غنية المستملي شرح منية المصلي، المعروف بـ حلبي كبير، فصل في الجنائز، (ص: ٥٨٩) ط: سهيل اكيدمى لاهور).

* وصلاة الجنازة في المسجد الذي تقام فيه الجماعة مكروهة، سواء كان الميت والقوم في المسجد أو كان الميت خارج المسجد والقوم في المسجد، أو كان الإمام مع بعض القوم خارج المسجد والقوم الباقي في المسجد. (الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت، (١/ ١٦٥) ط: رشيديه).

* (وكرهت تحريماً) وقيل: (تنزيهاً في مسجد جماعة هو) أي الميت (فيه) وحده أو مع القوم (واختلف في الخارجة) عن المسجد وحده أو مع بعض القوم (والمختار الكراهة) مطلقاً. (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، (٢/ ٢٢٥) ط: سعيد).

(٢) (ولا يصلي) أي يكره تحريماً، وقيل: تنزيهاً، ورجح (على ميت في مسجد جماعة): أي مسجد الجامع ومسجد المحلة. (اللباب في شرح الكتاب، كتاب الصلاة، باب الجنائز (١/ ١٣١) ط: المكتبة العلمية بيروت).

=

نے کیا تو نماز جنازہ ادا ہو جائے گی، البتہ سابق قول کے مطابق اس میں کراہت ہو گی۔ واللہ اعلم

الجواب صحیح	کتبہ
ولی حسن	محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ

حضرت رائے پوری رحمہ اللہ کی میت کی منتقلی کے متعلق دار الافتاء کا موقف

عارف باللہ حضرت اقدس مولانا عبد القادر رائے پوری قدس اللہ سرّہ کی تدفین کا مسئلہ دوبارہ زیرِ بحث آیا، دوبارہ تمام پہلوؤں پر غور کرنے کا موقع مل گیا، غور وخوض کے بعد جن نتائج پر پہنچے حسبِ ذیل ہیں:

الف: موجودہ صورت میں شرعی تدفین نہیں ہوئی، بلکہ وضع علی الأرض کی صورت ہے۔

ب: تدفین سے قبل نقل مکانی کی شرعاً گنجائش ہے۔

ج: ان دونوں وجوہ کی بنا پر تابوت منتقل کرنا اور شرعی تدفین کرنا بالکل درست ہے۔

د: اس سلسلہ میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے، اور مفتی محمود صاحب نے اس کی تائید فرمائی ہے، ہم بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں، اور سابقہ تحریر سے رجوع کرتے ہیں۔ واللہ ولي التوفيق محمديوسف البنوري (۸/ربیع الاول/۱۳۹۱ھ)

الجواب صحیح	الجواب صحیح	الجواب صحیح
ولی حسن	بندہ احمد الرحمن	محمد بدیع الزمان
مصباح اللہ شاہ	محمد عفي عنہ	محمد امین
محمد حبیب اللہ مختار	عبد القیوم	محمد اسحاق
محمد ادریس	محمد احمد	

* تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، كيفية صلاة الجنائز (١/ ٢٤٢) ط: المطبعة الكبرى الأميرية قاهرة).
* الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز (٢/ ٢٢٥) ط: سعيد.

کتاب الزکاۃ

زکاۃ کا بیان

زمین داخلِ نصاب ہے یا نہیں؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دینِ متین اس مسئلہ میں کہ زمین داخلِ نصاب ہے یا نہیں؟ براہ کرم بمع حوالہ بیان فرماویں۔ بیّنوا توجروا!

مستفتی: احقر عبدالرحیم چترالی

جواب: جس زمین کو تجارت کے ارادہ سے خریدا ہے اور وہ عشری ہے، اگر اس میں کاشت وغیرہ کی جائے تو عشر ہوگا، زکوۃ تجارت نہیں، اور اگر وہ خراجی ہے تو کسی صورت میں زکوۃ تجارت نہیں، زمینِ عشری کو اگر تجارت کے لیے خریدا ہے، اور کاشت وغیرہ نہیں کی تو زمین نصاب میں داخل ہوگی، اور اس پر زکوۃ تجارت آئے گی، اس کے علاوہ اور زمینیں نصاب میں داخل نہیں۔ در مختار میں ہے:

وكما لو اشترى أرضاً خراجية، ناوياً التجارة أوعشرية، وزرعها أوبذراً للتجارة وزرعه لايكون للتجارة لقيام المانع.[1]

علامہ ابن عابدین الشامی اس کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں:

ومفهومه (أي: مفهوم وزرعها)[2] أنه إذا لم يزرعها تجب زكاة التجارة فيها لعدم وجوب العشر فلم يوجد المانع، أما الخراجية فالمانع موجود، وهو

(١) الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الزكاة، (٢/ ٢٧٤) ط: سعيد.

(٢) بین القوسین کے الفاظ مفتی ولی حسن ٹونکیؒ کے ہیں۔

=

الثني وإن عطلت.[1]

چند سطور کے بعد تنبیہ کے عنوان سے تحریر کرتے ہیں:

ما ذكره الشارح من عدم وجوب الزكاة في الأرض المشرية للتجارة، وإنما فيها العشر أوالخراج للمانع المذكور، قال في البدائع: هوالرواية المشهورة عن أصحابنا، وعن محمد أنه تجب الزكاة أيضاً... إلخ[2]

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صواب — احقر ولی حسن عفي عنه

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ — مدرسہ عربیہ اسلامیہ، جامع مسجد نیوٹاؤن کراچی/۵

(۲۸/ربیع الآخر ۱۳۷۷ھ)

جس زمین کی مال گزاری اور پانی کی قیمت وغیرہ سرکار کو ادا کی جاتی ہو اس پر عشر کا حکم

سوال: ۱- جس زمین کی آب پاشی نہر کے پانی سے کی جاوے، اور سرکار کو اس پانی کی قیمت بھی دی جاتی ہو، ایسی زمین کی پیداوار پر شرعی زکاۃ، عشر وغیرہ واجب ہے یا نہیں؟ اگر واجب ہے تو کس قدر؟

---

(١) رد المحتار على الدر المختار، كتاب الزكاة، (٢/ ٢٧٤) ط: سعيد.

* الفتاوى التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل الثالث في بيان زكاة عروض التجارة لو اشتري أرض عشر أو خراج للتجارة لاتجب فيها الزكاة بل عليه العشر (٣/ ١٧٢) ط: مكتبه فاروقيه.
* الفتاوى الهندية، كتاب الزكاة، الباب الثالث في زكاة الذهب والفضة والعروض، الفصل الثاني في العروض، (١/ ١٨٠) ط: حقانيه پشاور.

(٢) رد المحتار على الدر المختار، كتاب الزكاة، (٢/ ٢٧٤، ٢٧٥) ط: سعيد.

۲ – جس زمین کی مال گزاری یا مالیانہ سالانہ سرکار کو ادا کرنا ہوتا ہے، تو اس زمین کی پیداوار پر شرعی زکاۃ واجب ہے یا نہیں؟

جواب: ۱ – اس قسم کی زمین پر نصف عشر یعنی بیسواں حصہ پیداوار کا دینا ضروری ہے، پانی کی قیمت دینے کی وجہ سے تنصیف کر دی گئی۔ شامی ۶۹/۲ میں ہے:

في شرح الملتقى... لأن العلة في العدول عن العشر إلى نصفه في مستقى غربٍ و دالية، هي زيادة الكلفة كما علمت، وهي موجودة في شراء الماء...إلخ[1]

۲– سرکاری مالیانہ یا ٹیکس دینے کی وجہ سے زمین کی پیداوار سے عشر یا نصف عشر ساقط نہیں ہوگا، جس طرح انکم ٹیکس ادا کرنے کی وجہ سے زکاۃ ساقط نہیں ہوتی۔ ابن عابدین الشامی ابن حجر المکی صاحبِ فتاویٰ سے نقل کرتے ہیں:

واعلم أن بعض فسقة التجار يظنّ أن ما يؤخذ من المكس يحسب عنه إذا نوى به الزكاة، وهذا ظنّ باطل لا مستند له...إلخ[2]

---

(۱) رد المحتار على الدر المختار، كتاب الزكاة، باب العشر، (۲/ ۳۲۸) ط: سعيد.

* الدر المنتقى في شرح الملتقى، كتاب الزكاة، باب زكاة الخارج، (ص:۳۲) ط: دار الكتب العلمية، بيروت.

* اگر آپ پاشی پانی خرید کر کرتا ہے تو بیسواں حصہ پیداوار کا دے...إلخ (امداد الفتاوی، کتاب الزکاۃ والصدقۃ، فصل في العشر والخراج، زیرِ عنوان: عشر در زمین وآب محصول، (۵۸/۲) ط: مکتبہ دار العلوم کراچی)۔

(۲) رد المحتار على الدر المختار، كتاب الزكاة، باب العاشر، مطلب: لاتسقط الزكاة بالدفع إلى العاشر في زماننا، (۲/ ۳۱۰، ۳۱۱) ط: سعيد.

* فأمّا ما يأخذ سلاطين زماننا هؤلاء الظلمة من الصدقات والعشور والخراج والجزية فلم يتعرض له محمد رحمه الله في الكتاب، وكثير من أئمة بلخ يفتون بالأداء ثانياً فيما بينه وبين الله تعالى، كما في حقّ أهل البغي لعلمنا أنّهم لايصرفون المأخوذ مصارف الصدقة. (المبسوط للسرخسي، كتاب الزكاة، بحث زكاة الإبل، (۲/ ۲٤۱) ط: رشيديه).

=

فتاویٰ بزازیہ سے نقل کرتے ہیں:

قال في البزازية: إذا نوى أن يكون المكس زكاة فالصحيح أنه لايقع عن الزكاة، كذا قال الإمام السرخسي.(۱)

واللہ تعالیٰ اعلم

احقر ولی حسن عفی عنہ [ربیع الثانی ۱۳۷۷ھ]
مدرسہ عربیہ اسلامیہ، جامع مسجد نیوٹاؤن کراچی/۵

جواب صحیح ہے
محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ

مالک کی صرف زمین ہو اور باقی تمام اسباب: بیج، بیل وغیرہ مزارِع کا ہو تو عُشر کس پر ہوگا؟

سوال: عشرِ آمدِ زمین کے متعلق معلوم کرنا ہے، موجودہ حالات میں جب کہ "معاملہ" الگ حکومت وصول کرتی ہے، اور جب کہ مندرجہ ذیل صورت میں حصۂ مالکانِ زمین وحصۂ مزارعین طے شدہ (مروج) ہو تو عُشرِ واجب کا کیا حکم ہے؟

مالکان مزارع کو زمین کاشت کے لیے دیتے ہیں، اور آمدِ زمین کچی ہو یا پختہ (چارہ ہو یا اناج وغیرہ) نصف نصف آپس میں کر لیتے ہیں، زمین میں بیج مزارع کی طرف سے ڈالا جاتا ہے، باقی تمام کاروبار کاشت

---

* الكفاية شرح الهداية تحت شرح فتح القدير، كتاب الزكاة، باب صدقة الغنم، (٢/ ١٥١) ط: رشيديه.
* سرکاری مالیہ دینے سے عشر ساقط نہیں ہوتا، ہاں، سرکاری مالیہ جتنا دیا ہے اس کا عشر ساقط ہوگیا۔ (کفایت المفتی، کتاب الزکاۃ، باب العشر والخراج، زیرِ عنوان: سرکاری مالیہ دینے سے عشر کا حکم، (۲۱۴/۶، ۲۱۵) ط: ادارۃ الفاروق، جامعہ فاروقیہ، کراچی)۔
* امداد الفتاوی، کتاب الزکاۃ، فصل فی العشر والخراج، زیرِ عنوان: عدم سقوط بادائے محصول سرکاری، (۶۰/۲، ۶۱) ط: دار العلوم کراچی۔

(۱) انظر الى الحاشية رقم ٢ على الصفحة السابقة.

=

بیل وغیرہ بھی سب کے سب مزارع کے ہوتے ہیں، مالک کی صرف زمین اور پانی نہری ہوتا ہے، اور معاملہ سرکاری بھی مالک ومزارع نصف نصف ادا کرتے ہیں۔

اندریں صورت عشر واجب ہے تو کس پر؟ اگر دونوں پر ہے تو کس نسبت کے ساتھ؟

جواب: مسلمانوں کی مقبوضہ زمینیں بظاہر عشری ہیں، اگرچہ اصل مسئلہ میں اختلاف ہے، اور بصورتِ مزارعت ماخرج میں عشر لازم ہوگا، اور اس کے بعد مالک اور مزارع اپنا اپنا حصہ وصول کریں گے، جوازِ مزارعت کا فتویٰ بقول صاحبین ہے،[1] فقہ حنفی میں تصریح ہے کہ اگر بیج مزارع کا ہے تو عشر دونوں پر منقسم ہوگا، اور ایک قول بدائع سے ایسا بھی منقول ہے کہ مطلقاً دونوں پر ہوگا۔[2]

بہر حال صورت مسئولہ میں تو جانبین پر ہوگا، اور جو حکومت وصول کرتی ہے، اس میں مجرا ہونے کی کوئی صورت نہیں ہے،[3] ردالمحتار، باب عشر وخراج اور باب الزکاۃ وغیرہ سے یہ صورتیں منقح ہو جاتی ہیں۔

کتبہ: محمد یوسف بنوری [۱۳۷۸ھ]

---

(١) (وكذا إذا اشتراها منه مسلم أو أسلم التغلبي عند أبي حنيفة رحمه الله) ... (وقال أبويوسف رحمه الله يعود إلى عشر واحد) لزوال الداعي إلى التضعيف ... وهو قول محمد رحمه الله فيما صحّ عنه. (فتح القدير، كتاب الزكاة، باب زكاة الزروع والثمار، (٢/ ١٩٦) ط: رشيديه)

* الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب العشر، (٢/ ٣٢٩) ط:سعيد.
* البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب العشر، (٢/ ٢٣٨) ط: سعيد.

(٢) فأما على مذهبهما فالمزارعة جائزة، والعشر يجب في الخارج، والخارج بينهما فيجب العشر عليهما. (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، فصل: وأما شرائط الفرضية، (٢/ ٥٦) ط: سعيد)

* وفي المزارعة على قولهما العشر عليهما بالحصة. (البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب العشر، (٢/ ٢٣٧) ط: سعيد).
* وفي المزارعة إن كان البذر من ربّ الأرض فعليه، ولو من العامل فعليهما بالحصة. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب العشر، (٢/ ٣٣٥) ط: سعيد).

(٣) انظر إلى الحاشية رقم ٢ على الفحة رقم ٢٣٣.

سماجی ورفاہی تنظیم کے عملے کو زکاۃ کی مد سے تنخواہ کی ادائیگی کا حکم

سوال: بگرامی خدمت جناب مولانا محمد یوسف بنوری، جامع العلوم، جامع مسجد نیوٹاؤن، کلیٹن روڈ کراچی

مکرمی و محترمی السلام علیکم ورحمۃاللہ!

کیافرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ پر:

''جمعیت پنچابی سوداگران دہلی'' ایک سماجی ورفاہی تنظیم ہے، جو تقریباً چودہ سال سے غرباء، مساکین، بیواؤں اور دیگر ضرورت مند افراد کی ہر ممکن طریقے سے خدمت انجام دے رہی ہے۔

اس تنظیم کا سب سے بڑا کام اہلِ برادری کے صاحبِ نصاب حضرات سے زکاۃ کی تحصیل اور احکام شرع شریف کے مطابق مستحقین میں زکاۃ کی تقسیم ہے، یہ ادارہ بفضلہ نہایت حزم واحتیاط کے ساتھ یہ اہم خدمت انجام دے رہاہے، اس ادارے کے جملہ ارکان بفضلِ ایزدی صاحبِ نصاب اور اعزازی کارکن ہیں، زکاۃ کی تحصیل وتقسیم انہی حضرات کی نگرانی میں ہوتی ہے، لیکن حساب وکتاب، دفتر کے نظم ونسق اور زکاۃ سے متعلق بعض ایسے امور کی انجام دہی کے لیے جن کو اعزازی کارکن بوجہ مجبوری نہیں کرسکتے، چندآدمیوں پر مشتمل عملے کا تقرر کیا گیاہے، جن کو تنخواہ دی جاتی ہے۔

جیساکہ اوپر عرض کیا گیاہے اس جماعتی تنظیم کا اہم کردار تحصیل وتقسیمِ زکاۃ کا اہتمام وانصرام ہے، تاکہ حق دار ومستحقین کی نشان دہی صحیح طورپر عمل میں لائی جائے، اور زکاۃ جو مقصد ہے، وہ بدرجۂ احسن پورا ہو، لیکن یہ ادارہ زکاۃ کے کام کے علاوہ کچھ دیگر رفاہی خدمات بھی انجام دیتاہے، مثلاً: قبرستان کا انتظام وانصرام، تعلیمی ادارے اور ہسپتال وغیرہ کی نگرانی، جن پر روپیہ زکاۃ میں سے صرف نہیں کیا جاتا، بلکہ اہلِ خیر حضرات ان خیراتی کاموں کے لیے علی حدہ خصوصی امداد ادارہ کو دیتے ہیں۔

دفتر کا خرچ اور انتظامی عملے کی تنخواہ کو ادارہ دو حصوں میں تقسیم کرتاہے، یعنی نصف کی ادائیگی بمد زکاۃ کی جاتی ہے، (دراں حالیکہ زکاۃ کا کام بحیثیت مجموعی نصف سے زیادہ ہے) اور بقیہ نصف رقم دوسری

مدوں سے ادا کی جاتی ہے، اس طرح ادارہ زکاۃ کے معاملے میں نہایت محتاط رہتے ہوئے کام کر رہا ہے۔

اب وضاحت طلب امر یہ ہے کہ جو عملہ زکاۃ کا کام انجام دیتا ہے، وہی دوسرے رفاہی کاموں میں بھی دفتری خدمات انجام دیتا ہے، ایسی حالت میں کام کی مقدار کے اعتبار سے عملہ کے حق المحنت کی تقسیم کا جو طریقہ اختیار کیا گیا ہے، وہ ارکانِ ادارہ نے شرعی حیثیت سے درست خیال کرتے ہوئے کیا ہے، جناب کی رائے اس بارے میں کیا ہے؟

از راہِ کرم مندرجہ بالا حالات اور اس زمانے کے تقاضوں کے پیشِ نظر شرعی نقطۂ نگاہ سے روشنی ڈال کر ہماری راہ نمائی فرمائیں اور عنداللہ ماجور ہوں، والسلام!

سائل: عبدالخالق عبدالرزاق،
صدر جمعیت پنجابی سوداگران دہلی، سرائے روڈ کراچی/۲

جواب: زکاۃ صحیح طریقے پر ادا ہونے کے لیے حسبِ ذیل باتیں ضروری ہیں:

۱- جن کو زکاۃ دی جائے وہ فقیر و محتاج ہوں، یعنی ان کے پاس اس وقت اتنی رقم نہ ہو جس سے غنی بن جائیں، وہ رقم اتنی ہے جس پر خود زکاۃ واجب ہوتی ہے۔[1]

۲- جو رقم زکاۃ کی دی جائے، وہ صرف اس کو مستحق ہونے کی وجہ سے دی جائے، کسی عمل وخدمت کا معاوضہ نہ ہو۔[2]

---

(۱) هي تمليك المال من فقير مسلم غير هاشمي بشرط قطع المنفعة عن المملك من كلّ وجه لله تعالى. (البحر الرائق، أوّل كتاب الزكاة، (۲/ ۲۰۱) وفيه: والأولى أن يفسّر الفقير بمن له مادون النصاب كما في النقاية أخذاً من قولهم: يجوز دفع الزكاة إلى من يملك ما دون النصاب ... (البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب المصرف، (۲/ ۲٤۰) ط: سعيد).

* الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف، (۲/ ۳۳۹) ط: سعيد.

* الفتاوى الهندية، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، (۱/ ۱۸۷) ط: حقانيه پشاور.

(۲) ولو دفعها المعلم لخليفته إن كان بحيث يعمل له لو لم يعطه صحّ وإلّا لا. وفي ردالمحتار: (قوله:
=

۳- اس رقم یا جنس کا اس کو بااختیار مالک بنایا جائے، جس کو فقہی اصطلاح میں تملیک کہا جاتا ہے۔[1]

اب تین امور کے پیشِ نظر دفتر کے کرایہ میں، تعمیر، موٹر، پیٹرول، دفتر کے فرنیچر، ہسپتال کے کرایہ میں زکاۃ کی رقم خرچ نہیں ہوسکتی۔[2] البتہ جو دوائی مریض کو دی جائے اور وہ خود وصول کرلی جائے، اگر وہ فقیر ہو تو زکاۃ کی مد سے درست ہے۔ نیز جو خدمت اور کام کر رہے ہوں یعنی جن کام کرنے

وإلّا لا) أي ؛ لأنّ المدفوع يكون بمنزلة العوض. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف، (٢/ ٣٥٦) ط: سعيد).

* ولو نوى الزكاة بما يدفع المعلم إلى الخليفة ولم يستأجره إن كان الخليفة بحال لولم يدفعه يعلم الصبيان أيضاً أجزأه وإلّا فلا، وكذا مايدفعه إلى الخدم من الرجال والنساء في الأعياد وغيرها بنية الزكاة. (الفتاوى الهندية، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، (١/ ١٩٠) ط: حقانيه پشاور).
* الفتاوى التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل الثامن في المسائل المتعلقة بمن توضع فيه الزكاة، (٢/ ٢٧٨) ط: إدارة القرآن كراچی.

(١) ويشترط أن يكون الصرف (تمليكاً) لا إباحة كما مرّ.

* البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب المصرف، (٢/ ٢٤٠)، ط: سعيد كراچی.
* الفتاوى الهندية، كتاب الزكاة، الباب الأول في تفسيرها وصفتها وشرائطها (١/ ١٧٠)، ط: حقانيه پشاور.

(٢) (لا) يصرف (إلى بناء) نحو (مسجد و) لا إلى (كفن ميت وقضاء دينه).... (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف، (٢/ ٣٤٤) ط: سعيد).

* ولايجوز أن يبنى بالزكاة المسجد، وكذا القناطر والسقايات، وإصلاح الطرقات وكري الأنهار، والحجّ والجهاد، وكل مالا تمليك فيه. (الفتاوى الهندية، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصاف، (١/ ١٨٨) ط: حقانيه پشاور).
* (وقوله: وبناء مسجد...) ... وعدم الجواز لانعدام التمليك الذي هو الركن. (البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب المصرف، (٢/ ٢٤٣) ط: سعيد).

=

والوں کی تنخواہ مقرر ہے، ان کو تنخواہ میں زکاۃ کی رقم کل یا بعض دینا جائز نہیں ہے، عملہ جو زکاۃ کا کام انجام دے یا غیر زکاۃ کا کام انجام دے ان کو بمدِ زکاۃ کچھ دینا جائز نہیں۔[1] البتہ اگر وہ عملہ فقیر ہے اور مستحق زکاۃ ہے، بلاشرط کسی وقت زکاۃ کی مد سے کچھ رقم دی جائے تو یہ درست ہوگا۔ واللہ اعلم

محمد یوسف بنوری (۳/صفر ۱۳۸۳ھ)

وکیل کے لیے زکاۃ کی رقم دوسرے مصرف میں خرچ کرنا کیسا ہے؟

سوال: ایک مسئلہ دریافت طلب ہے، جواب دیجیے!

ایک جماعت نے چند حضرات سے زکوٰۃ وصول کی، اور ان لوگوں سے یہ کہا گیا: جمع شدہ زکوٰۃ ایک خاص جماعت کے غرباء ومساکین کو دی جائے گی، زکوٰۃ دینے والوں نے اس نیت سے کہ یہ زکوٰۃ فلاں جماعت کے غرباء ومساکین پر تقسیم کی جائے گی، دے دی، زکوٰۃ کی یہ رقم وکیل کے پاس موجود ہے، اس جماعت کے فقراء ومساکین نہیں رہے، یا ایسی کوئی حالت پیدا ہوگئی جس کی بناپر ان کو دینا مناسب نہیں رہا، تو کیا ایسی حالت میں زکوٰۃ کی رقم جو وکیل کے پاس موجود ہے، دوسرے مصرف میں صرف کی جاسکتی ہے، جب کہ یہ مصرف زیادہ مناسب ہے؟ کیا معطین کی نیت زکوٰۃ کو وکیل کے حوالہ کرتے ہوئے مانع تو نہیں ہوگی؟

جواب: وکیل زکوٰۃ کی رقم کو دوسرے مصرف میں صرف کرسکتا ہے، زکوٰۃ ادا ہوجائے گی، اور وکیل پر کسی قسم کی ذمہ داری نہیں ہوگی۔ ''**رد المحتار**'' میں ہے:

---

(۱) انظر إلى الحاشية رقم ۲ على الصفحة السابقة.

وذكر في البحر: أن القواعد تشهد للقول بأنه لايضمن؛ لقولهم: لو نذر التصدق على فلان، له أن يتصدق على غيره...الخ (۲/ ۱۵)[1]

واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح	کتبہ
محمد یوسف بنوری	ولی حسن
	مدرسہ عربیہ اسلامیہ، جامع مسجد نیوٹاؤن کراچی/۵
	[۲۹/رجب ۱۳۷۷ھ]

(۱) رد المحتار على الدر المختار، كتاب الزكاة، مبحث النيّة في الزكاة، (۲/ ۲۶۹) ط: سعيد.

* وفي القنية من باب الوكالة بأداء الزكاة: لو أمره أن يتصدق بدينار على فقير معين، فدفعها إلى فقير آخر لايضمن ... والقواعد تشهد للأوّل؛ لأنّهم قالوا: لو قال: لله عليّ أن أتصدّق بهذا الدينار على فلان، فله أن يتصدّق على غيره. (البحر الرائق، كتاب الزكاة، قبيل باب صدقة السوائم، (۲/ ۲۱۲) ط: سعيد).

* النهر الفائق، كتاب الزكاة، قبيل باب صدقة السوائم (۱/ ۴۱۸) ط: دار الكتب العلمية بيروت.

کتاب الصوم

روزے کا بیان

مشرقی پاکستان کی رؤیت، مغربی پاکستان والوں کے حق میں معتبر ہو گی یا نہیں؟

رؤیتِ ہلال کے سلسلے میں ریڈیو کی خبر معتبر ہو گی یا نہیں؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین کہ امسال بھی ہلالِ عیدالفطر کے ثبوت میں اختلاف ہونے کی وجہ سے بعض مقامات میں مورخہ ۲۳/جنوری اتوار کو اور بعض مقامات میں ۲۴ جنوری سوموار کو عید منائی گئی، بلکہ ایک ہی شہر میں کہیں کہیں ایک ہی گھر میں بروز اتوار بعض صائم اور بعض مفطر نظر آئے، اتوار کے مفطرین اور صائمین ایک دوسرے پر رمضان میں افطار اور یوم عید میں روزہ رکھنے کا الزام لگا کر حد سے تجاوز کر کے طعن و تشنیع کر رہے ہیں، اس لیے کہیں کہیں نمازِ عید کی بابت بھی فتنہ وفساد ہوا، چوں کہ عوام امور شرعیہ میں علماء پر اعتماد رکھتے ہیں، اور خود علماءِ کرام بھی اس مسئلہ میں مختلف نظر آتے ہیں، اس لیے ان تمام گڑبڑوں اور اختلافاتِ عوام کے بانی علماء ہی قرار پاتے ہیں اور ان اختلافات کی وجہ سے علماء سے عوام کا اعتماد ہٹتا جارہا ہے، امید ہے کہ رفعِ اختلاف کا حل نکال کر لوگوں کو باہم تنازعات سے محفوظ رکھ کر دین کی حمایت کریں گے۔ اب دریافت طلب امور یہ ہیں کہ:

۱ – مورخہ ۲۲ جنوری سینیچر دن گزرے شام کو کسی نے آپ کے ہاں ہلالِ عید دیکھا یا نہ؟

۲ – شرعاً یہ رؤیت معتبر ہوئی یا نہ؟

۳ – آپ نے اتوار کو عید منائی یا سوموار کو؟

٤ – مغربی پاکستان میں سینیچر دن گزرے شام کو مختلف مقامات میں چاند دیکھا گیا یا نہ ؟

٥– بہر کیف راولپنڈی میں سرکار کی جانب سے بذریعہ ریڈیو یہ اعلان کہ : ''مغربی پاکستان کے مختلف مقامات میں لوگوں کا چاند دیکھنا شہادت کے ذریعہ ثابت ہوا، لہٰذا آج اتوار کو عید منائی جائے گی۔''

شرعی نقطۂ نظر سے اس پر عمل کرنا جائز ہے یا نہ ؟

٦– ریڈیو میں ٹائم کی خبر اور بغیر ٹائم کی خبر میں کوئی فرق ہے یا نہ ؟

٧– راولپنڈی، لاہور اور کراچی میں کوئی ہلال کمیٹی ہے یا نہیں ؟

٨– اگر ہو تو ان کا فیصلہ شرعاً معتبر ہوگا یا نہ ؟ اور مشرقی پاکستان کی رؤیتِ ہلال سے مغربی پاکستان والے عید منا سکتے ہیں یا نہ ؟ **بیّنوا بالکتاب توجروا یوم الحساب !**

مستفتی : محمد شفیق الحق، (گاسباڑی، عالیہ مدرسہ، سلہٹ)

جواب: ١– یہاں کراچی اور کراچی کے مضافات میں باوجود مطلع صاف ہونے کے کسی نے نہیں دیکھا، اور کوئی شہادت پیش نہ ہو سکی۔

٢– کراچی میں جب رؤیت ہی نہیں ہوئی تو اعتبار کا کیا سوال !

٣– راقم الحروف، حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب اور مولانا احتشام الحق صاحب اور بدایونی صاحب نے عید دوشنبہ ٢٤ جنوری کو کی ہے، اور انہی کے فتوے سے عام جمہور نے عید دوشنبہ کو کی ہے، بلکہ کراچی کے کمشنر نے عید دوشنبہ کو کی ہے، اور سرکاری انتظام کے ساتھ عیدگاہ میں شان و شوکت کے ساتھ نمازِ عید دوشنبہ کو پڑھی گئی۔

٤– مغربی پاکستان کے بعض اضلاع کی خبر ریڈیو پاکستان نے رات کے ایک بجے کے بعد دی

تھی، لیکن طریقہ صحیح نہیں تھا، شرعی ثبوت اور شرعی شہادت وغیرہ کے حکم کا ذکر نہ تھا، محض خبر کے درجے میں اعلان تھا، اس لیے علماء نے موثوق نہ سمجھا۔ البتہ بعد میں خود راقم الحروف کو معلوم ہوا کہ پشاور وغیرہ میں دیکھا گیا اور ثبوت رؤیت تواتر سے ہو گیا تھا، لیکن ریڈیو نے اس کی اطلاع نہیں دی۔

۵- اگر ریڈیو شرعی حکم (جو علماء نے دیا ہو اس) کی خبر نشر کرے تو قابل اعتبار ہے، اس پر عمل کرنا چاہیے۔[1]

---

(۱) وسئل [أي الشيخ مصطفي البولاقي] عن حادثة في سنة إحدى وثمانين ومائتين وألف: هي أنه بعد صلاة الجمعة حضر خبر من الشام في التلغراف لبعض الثغور بأنه ثبت في الشام رؤية هلال رمضان ليلة اليوم الحاضر يوم الجمعة، فأفتى مفتيه بالعمل بهذا الخبر والحكم بثبوت الشهر في ذلك الثغر، وحكم قاضيه بذلك تمسكا بقول بعض حواشي التنوير، الظاهر أنه يلزم أهل القرى بسماع المدافع أو رؤية القناديل من المصر ؛ لأنها علامة ظاهرة تفيد غلبة الظنّ بثبوته عند قاضي المصر، وغلبة الظنّ حجة موجبة للعمل، كما صرّحوا به، واحتمال كون ذلك لغير رمضان بعيد، إذ لايفعل مثل ذلك عادة ليلة الشكّ إلّا لثبوت رمضان. اهـ ولما سمع بذلك علماء القطر الشامي عارضوا ذلك غاية المعارضة، وردوا الفتوى المذكورة قائلين بعدم جواز الحكم بثبوت رمضان بناء على ذلك مستدلين بعبارة من الكتب المحرّرة فهل يعول على الفتوى المذكورة أو على قول المعارضين؟ أفيدوا الجواب!

((فأجاب)) شيخنا الشيخ عليش وهي في فتاواه المشهورة بمانصّه: " الحمد لله والصلاة والسلام على رسول لله، يعول على الفتوى المذكورة ؛ لأن سلاطين المسلمين وضعوا التلغراف لتبليغ الأخبار من البلاد القريبة والبعيدة في مدّة يسيرة جدًّا، وأقاموا لأعماله أشخاصاً مسلمين وأنفقوا على ذلك أموالاً جسيمة واستغنوا به عن السعاة وإرسال المكاتيب غالباً، فصار قانوناً معتبراً في ذلك، يخاطب به السلاطين بعضهم بعضاً في مهمّات الأمور، وتبعهم الناس على ذلك.

((وسئل أيضاً)) في من انتظروا هلال رمضان في مصر فلم يروه، وأصبحوا مفطرين، وقد بلغهم بالسلك ثبوت رمضان في مصر معتقدين أنه لايلزمهم الصوم به، وأن الحكم به مبني على قول المنجمين، فهل تجب عليهم الكفّارة أم لا؟ أفيدوا الجواب!

((فأجاب بقوله)): تجب عليهم الكفّارة لبعد تأويلهم؛ لاستنادهم فيه لجهلهم وسوء ظنّهم. اهـ =

٦- ریڈیو کی خبر، خبر ہی کے درجے میں ہوگی مطلقاً، چاہے رؤیتِ ہلال سے تعلق ہو یا اور کسی چیز سے۔

٧- راولپنڈی میں ہلال کمیٹی ہے، لیکن یہ معلوم نہیں کہ اس کے ارکان قابلِ اعتماد حیثیت کے ہیں یا نہیں، یعنی علم و تقویٰ کی رو سے؟

٨- تحقیق کے بعد جواب دیا جاسکتا ہے۔

٩- مغربی و مشرقی پاکستان کا فاصلہ اتنا ہے کہ حقیقۃً مطلع مختلف ہو سکتا ہے، یعنی ہو سکتا ہے کہ

(أقول): ربما يفهم من قوله: وأقاموا لأعماله أشخاصاً مسلمين، أنهم لو أقاموا على أعماله أشخاصاً كفاراً لايقبل قولهم، ولايعمل به وهو الظاهر، كما لايخفى، فإن الكافر لايعمل بقوله في الديانات، هذا وجواب شيخنا رحمه الله تعالى بوجوب الكفّارة مبني على مذهب السادة المالكية، وأما على مذهبنا فلاتجب عليهم الكفارة ؛ لأن الكفّارة عندنا إنّما تجب على من نوى الصوم فأصبح صائماً ثمّ أفسد صومه. (الفتاوى الكاملية في الحوادث الطرابلسية، كتاب الحظر والإباحة، مطلب هل يثبت رمضان بالتلغراف؟ (ص:٢٨٥، ٢٨٦) ط: دارالاشاعة العربية، قندهار، افغانستان).

* والظاهر أنه يلزم أهل القرى الصوم بسماع المدافع أو رؤية القناديل من المصر؛ لأنه علامة ظاهرة تفيد غلبة الظنّ، وغلبة الظنّ حجّة موجبة للعمل. (رد المحتار على الدر المختار، كتاب الصوم، مبحث رؤية الهلال، (٢/ ٣٨٦) ط: سعيد).

* ان حالات اور مقتضیات پر پوری طرح غور کرنے کے بعد اصول شریعت کی روشنی میں علماء کرام نے جو فیصلہ صادر فرمایا، اس کے الفاظ یہ ہیں:

مجلس نے بالاتفاق طے کیا ہے کہ اگر ریڈیو کے ذریعے آنے والی خبر کے متعلق یہ اطمینان ہو جائے کہ جس جگہ سے ریڈیو کی خبر دی جارہی ہے، وہاں کے علماء نے چاند ہونے کی باقاعدہ شہادت لے کر چاند ہونے کا حکم کر دیا ہے، خبر دینے والا بھی متعین ہو کہ کوئی مسلم معتمد خبر دیتا ہو، تو اس اعلان پر اعتماد کر کے دوسرے مقامات میں بھی چاند ہو جانے کے حکم پر عمل کیا جانا جائز ہے۔ (کفایت المفتی، کتاب الصوم، باب رؤیۃ الھلال، زیرِ عنوان: ریڈیو پر رؤیت کا اعلان کرنا، (٦/٣٤٠) ط: ادارۃ الفاروق، جامعہ فاروقیہ کراچی)۔

کراچی وپشاور میں ہو، اور چاٹگام میں نہ ہو، لیکن اس کا عکس نہیں ہو سکتا ہے، اگر مشرقی پاکستان میں نظر آئے تو مغربی میں بھی ہونا چاہیے، اگر نہ آئے تو کوئی علت مانع ہو گی، اس لیے مشرقی ومغربی پاکستان میں توحید واتحاد مشکل ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: محمد یوسف البنوري عفا الله عنه

(۲۱/شوال/۱۳۸۵ھ)

رؤیتِ ہلال پر شرعی گواہی کے بعد کسی کا انکار درست نہیں نہ ہی ریڈیو یا ٹی وی کی اطلاع ضروری ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین کہ:

زید ایک علاقہ کی جامع مسجد کا خطیب ہے، اور ساتھ ہی زید کا یہ دعویٰ ہے کہ میں علاقے کا قاضی ہوں، حالاں کہ کسی نے قاضی نہیں بنایا ہے، اور نہ ہی مستند عالم ہے، نہ علمِ تجوید سے واقف ہے۔

اس دفعہ کا واقعہ ہے کہ مختلف مقامات پر ہلالِ رمضان شریف اکثر لوگوں نے دیکھا اور جہاں جہاں دیکھا مقامی علماء نے ثابت مان کر اعلان کیا کہ بروز جمعہ ۲۱ مارچ ۱۹۵۸ء کو فرض روزہ رکھا جائے، جس پر پچیس علماءِ دین کا اجتماع ہوا اور عید الفطر کا دن اتوار ۲۰ اپریل مقرر کیا کہ شرعی ثبوت مکمل ہے، لہٰذا عید بغیر رؤیتِ ہلال اتوار ۲۰ اپریل کو ہو گی۔

چناں چہ زید کے علاقہ میں بھی ایک مولوی صاحب کے پاس سات آدمیوں نے مطابق چھ رمضان شہادت بیان کی کہ ہم فلاں گاؤں میں تھے، جمعہ کی رات وہاں اکثر لوگوں نے چاند دیکھا ہے، اور وہاں کے مولوی صاحب نے تراویح پڑھا کر اعلان کیا کہ جمعہ کا فرض روزہ رکھا جائے، ان میں سے ایک کا بیان ہے کہ میں نے بچشمِ خود چاند دیکھا ہے، چناں چہ مولوی صاحب نے یہ شہادت بھی اور دیگر دو مقامات کے علماء سے منگا کر زید کے سامنے پیش کیں، تو زید نے نہ مانیں، دلیل یہ دی کہ ریڈیو اور تار کی کوئی اطلاع نہیں ہے۔

بعد ازاں مولوی صاحب نے مندرجہ بالا پچیس علماء کا فیصلہ مع ایک خط جو کہ بطرز کتاب **القاضي إلى القاضي** تھا، منگایا، لیکن زید نے اس کو بھی بغیر کسی حجتِ شرعی کے نہ مانا، اور کہا کہ یہ عید بے حرمتیٔ رمضان اور فرعونیت ہے، چناں چہ مولوی صاحب نے اور دیگر اکثر علاقہ میں علماءِ دین نے عید کا اعلان کر کے عید کروادی، تو زید نے کہا کہ میں قاضی تھا، میرے فتویٰ کے بغیر جنہوں نے عید کی ہے، وہ ہمارے ساتھ نماز میں نہ شریک ہوں، اور ان سے بائیکاٹ کیا جاوے۔

علاوہ ازیں پشاور میں ۵۶ علماءِ اسلام کا ایک اجتماع ہوا، اور عید کا فیصلہ کیا کہ اتوار کو عید بغیر رؤیتِ ہلال کے یقینی ہے، زید نے عید کے دن مرزائیوں، قادیانیوں کے امام کو بھی اپنی مجلس میں بٹھا کر علماءِ دین پر کیچڑ اچھالا، اور جمعہ کے روزہ کے متعلق کہا کہ شیطان کا روزہ ہے، دلیل یہ ہے کہ وہ شکی روزہ تھا، اور شکی روزہ شیطان کا ہے۔

مندرجہ بالا صورتوں میں شریعتِ حقہ کا زید کے متعلق کیا حکم ہے؟ اور عید کرنے والوں کے متعلق کیا فیصلہ ہے؟ اور کیا زید کا فتویٰ درست ہے؟ اور امامت وخطابت کے لیے کیا ایسا آدمی ہونا چاہیے؟ اور قضا کے لیے کیا شرائط ہیں؟ **بيّنوا بالدلائل الشرعية!**

جواب: استفتا سے معلوم ہوتا ہے کہ زید کے گاؤں والوں نے جمعہ کا روزہ شہادت کے بعد رکھا تھا، اور جب شہادتِ شرعی فراہم ہو جائے تو روزہ فرض ہو جاتا ہے،[1] لہٰذا زید کا اس روزے سے انکار کرنا جہالت اور عناد پر مبنی تھا، اسی طرح اس کو شکی روزہ کہنا بھی غلط تھا، کیوں کہ جب ثبوت مہیا ہو گیا، اور جمعہ کے روز کی رمضانیت ثابت ہو چکی تو اس کو شکی روزہ کس طرح کہا جا سکتا ہے! جمعہ کے روزہ

---

(۱) ولو كانوا ببلدة لاحاكم فيها صاموا بقول ثقة، وأفطروا بإخبار عدلين) ... (قوله: صاموا بقول ثقة) أي: افتراضاً لقول المصنف في شرحه: وعليهم أن يصوموا بقوله إذا كان عدلاً. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، مبحث رؤية الهلال، (٢/ ٣٨٦) ط: سعيد).

* البحر الرائق، كتاب الصوم، (٢/ ٢٦٣- ٢٦٦) ط: سعيد.
* الفتاوى الهندية، كتاب الصوم، الباب الثاني في رؤية الهلال، (١/ ١٩٨) ط: حقانيه پشاور.

=

کی رمضانیت ثابت ہو جانے کے بعد تیس روزوں کے بعد عید کرنا ضروری تھی،[1] لہٰذا جن لوگوں نے تیس روز کے بعد عید کی، وہ شرعاً صحیح فعل کیا، اس پر کسی قسم کی نکیر نہیں کی جاسکتی ہے، عید نہ کرنے کا یہ عذر کرنا کہ عید کی اطلاع ریڈیو سے نہیں آئی ہے، غلط ہے، کیوں کہ عید کے لیے ریڈیو سے اطلاع آنا ضروری نہیں ہے۔ درمختار میں ہے:

"(وبعد صوم ثلاثين بقول عدلين حلّ الفطر) "الباء" متعلقة بصوم، و"بعد" متعلقة بحلّ. لوجوب نصاب الشهادة.[2]

البتہ اگر زید کو ثبوتِ رمضانیت میں کسی قسم کا اشکالِ شرعی تھا، یا شہادت میں شرعی نقص تھا، اور اس پر اس نے جمعہ کے روز کے روزہ کو شکی روزہ کہا، اور اتوار کی عید نہیں کی، تو زید کو موردِ الزام قرار نہیں دیا جاسکتا۔

قضا کے لیے تو بہت سی شرائط ہیں، البتہ اس دورِ انحطاط میں مندرجہ ذیل امور کافی سمجھے گئے ہیں:

مستند عالم ہو، فقہ واصول فقہ پر نظر ہو، کتب فتویٰ سے مناسبت ہو، وغیرہ۔

اس مسئلہ کی تفصیل کے لیے علامہ ابن عابدین الشامی کے رسائل میں سے "**رسم المفتي**" ملاحظہ فرماویں۔

---

(١) لو تمّ عدد رمضان ولم ير هلال الفطر للعلة يحلّ الفطر وإن ثبت رمضان بشهادة واحد لثبوت الفطر تبعاً. (رد المحتار على الدر المختار، كتاب الصوم، مباحث رؤية الهلال، (٢/ ٣٩٠) ط: سعيد).

(٢) الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصوم، مباحث رؤية الهلال، (٢/ ٣٩٠) ط: سعيد.

* الفتاوى الهندية، كتاب الصوم، الباب الثاني في رؤية الهلال، (١/ ١٩٧) ط: حقانيه پشاور.

* (واخلف الترجيح) في حلّ (فيما إذا كان) ثبوت رمضان (بشهادة عدلين) وتمّ العدد ولم ير هلال شوال مع الصحو صحح في الدراية والخلاصة والبزازية حلُّ الفطر ؛ لأنّ شهادة الشاهدين إذا قبلت كانت بمنزلة العيان. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصوم ، فصل فيما يثبت به الهلال وفي صوم يوم (الشك وغيره)، (٢/ ٣١٧) ط: مكتبه غوثيه كراچی).

اگر واقعی زید میں کوئی ایسا شرعی عیب ہے، یا وہ فسق وفجور میں مبتلا ہے تو اس کو خطابت سے علیحدہ کیا جاسکتا ہے، لیکن اگر اس میں اس قسم کا کوئی عیب نہیں تو اس کو خطابت سے علیحدہ کرنے کی کیا ضرورت ہے! واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

محمد یوسف بنوری

کتبہ

احقر ولی حسن

مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی/۵

۴/ذیقعدہ ۱۳۷۷ھ

کتاب الحج

حج کا بیان

سرکاری ملازمین کی تنخواہ سے حج فنڈ قائم کرکے صاحب استطاعت یا کسی غیر مستطیع کو حج پر بھیجنے کا حکم

سوال: ۱ – کیا شرعاً یہ جائز ہے کہ سرکاری ملازمین کے مشاہرات سے کچھ رقم سرکاری طور پر قانون کے ذریعہ نکالی جائے، اور اس رقم سے حجاج کرام کو حج بیت اللہ کے لیے بھیجا جائے؟

۲– یا ان حضرات کے لیے جو غیر مستطیع ہیں، جن پر حج فرض ہی نہیں، کیا اس رقم سے ان کو بھیجنا اور ان کے لیے یہ فنڈ قائم کرنا درست ہے؟

۳– جن پر حج فرض ہی نہیں، ان کی تنخواہوں سے چندہ یا فنڈ جمع کرکے جن پر حج فرض ہے، ان کو بھیجا جائے، کیا یہ درست ہے؟

٤– اگر محدود مقدار میں حکومت حجاج کو حج کی اجازت دیتی ہے، اس مقدار میں جن پر حج فرض ہے، ان کو بھیجا جائے، یا جن پر حج فرض نہیں، ان کو بھی بھیجا جاسکتا ہے؟

مستفتی: فرید الدین الوھبہ، پانیر آرمس لمیٹڈ کراچی

جواب: ۱– سرکاری یا غیر سرکاری ملازمین کی تنخواہوں سے ان کی رضامندی اور خواہش کے بغیر قانون بناکر کچھ رقم حج فنڈ کے نام سے وضع کرنا شرعاً جائز نہیں۔

۲– قرآن کریم میں فرضیتِ حج کے سلسلے میں فرمایا گیا ہے:

﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا﴾ [آل عمران:۹۷]

اور رسول اکرم ﷺ نے استطاعتِ سبیل کی تفسیر "زاد" اور "راحلہ" سے فرمائی،[1] یعنی جن کے پاس آمد و رفت کا کرایہ اور خرچہ کا سامان ہو، اس لیے حج ان پر فرض ہے جو شرعاً مستطیع ہیں، غیر مستطیع لوگوں پر یہ فریضہ عائد ہی نہیں ہوتا، اس لیے ایسے لوگوں کے لیے حج فنڈ قائم کرنا اور ان کو حج کرانا حکومت یا ملازمین سرکاری و غیر سرکاری کی ذمہ داری نہیں۔[2]

---

(١) عن ابن عمر قال: جاء رجل إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقال: يارسول لله! مايوجب الحجّ؟ قال: الزاد والراحلة. (مشكاة المصابيح، كتاب المناسک، الفصل الثاني، (ص:٢٢٢) ط: قديمی كتب خانه كراچی).

* عن علي قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من ملك زاداً أو راحلة تبلغه إلى بيت الله ولم يحجّ فلاعليه أن يموت يهودياً أو نصرانياً، وذلك إن الله يقول في كتابه: { ولله على الناس حجّ البيت من استطاع إليه سبيلا} (جامع الترمذي، أبواب الحجّ عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب ماجاء في التغليظ في ترك الحجّ، (١/ ١٦٧) ط:قديمی كتب خانه كراچی)
* عن ابن عباس أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الزاد والراحلة، يعني قوله: { من استطاع إليه سبيلا} (سنن ابن ماجه، أبواب المناسك، باب مايوجب الحجّ، (ص:٢٠٨) ط: قديمی كراچی).
* روى الحاكم عن سعيد بن أبي عروبة عن قتادة عن أنس رضي الله عنه في قوله: {ولله على الناس حجّ البيت من استطاع إليه سبيلا } قيل: يارسول لله! ما السبيل؟ قال: الزاد والراحلة. وقال: على شرط الشيخين. (فتح القدير، كتاب الحج، (٢/ ٣٢٧) ط: رشيديه)
* المستدرك على الصحيحين للحاكم مع تعليقات الذهبي، كتاب المناسك، رقم الحديث: ١٦١٣، ط: المكتبة العلمية بيروت الطبعة الأولىٰ ١٤١١هـ ١٩٩٠ء .

(٢) ولأن الله تعالى شرط الاستطاعة لوجوب الحجّ بقوله تعالى: {ولله على الناس حجّ البيت من استطاع إليه سبيلا} ولا استطاعة بدون ملك الزاد والراحلة. (بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل: وأما شرائط فرضيته، (٢/ ١٢٠) ط: سعيد).

* (فرض مرة على الفور بشرط حرية وبلوغ وعقل وصحة وقدرة زاد وراحلة فضلت عن مسكنه وعما لابد منه ونفقة ذهابه وإيابه وعياله. (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، كتاب الحجّ، (٢/ ٢٣٥) ط: سعيدكراچی).
* شروط الوجوب وهي التي إذا وجدت بتمامها وجب الحج، وإلا فلا، وهي سبعة: الإسلام، والعلم بالوجوب لمن في دارالحرب، والبلوغ، والعقل، والحرية، والاستطاعة، والوقت أي القدرة في أشهر الحجّ أو في وقت خروج أهل بلده. (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الحجّ، مطلب في من حجّ بمال حرام، (٢/ ٤٥٨) ط: سعيد).

=

۳- حج عبادت بدنی اور مالی ہے، عبادت مالی کا مطلب یہ ہے کہ اس میں بندہ مال خرچ کر کے نعمتِ مال کا شکر ادا کرتا ہے، لہٰذا حج میں اپنا مال خرچ کرنا چاہیے، جن لوگوں پر حج فرض ہے، ان کی ذمہ داری شرعاً دوسروں پر نہیں ڈالی جاسکتی۔[1]

٤- جب محدود مقدار میں حکومت اجازت دیتی ہے، تو وہی لوگ حج پر بھیجے جانے کے مستحق ہیں، جن پر حج فرض ہے، تاکہ وہ ایک اہم فریضہ سے سبک دوش ہو جائیں، غیر مستطیع لوگوں کو محدود کوٹہ سے بھیجنا صریح زیادتی اور ظلم اور ناانصافی ہے۔[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صواب **کتبہ**

محمد یوسف بنوری ولی حسن (جمادی الاولیٰ/۱۳۹۱ھ)

---

(١) لما كان مركباً من المال والبدن وكان واجباً في العمر مرة ... بل المراد بيان أن التعبدية لايتوصل إليه غالباً إلا بأعمال البدن وإنفاق المال لأجله. (رد المحتار على الدر المختار، كتاب الحجّ، (٢/ ٤٥٣، ٤٥٤) ط: سعيد).

* بيان لانقسام العبادة إلى ثلاثة أقسام ... ومركبة من البدن والمال كالحجّ، والأصل فيه: أن المقصود من التكاليف الابتلاء والمشقة، وهي في البدنية بإتعاب النفس والجوارح بالأفعال المخصوصة ... وفي المالية بتنقيص المال المحبوب للنفس بإيصاله إلى الفقير ... إلخ (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، (٣/ ٦٠) ط: سعيد).

* الفتاوى الهندية، كتاب المناسك، الباب الرابع عشر في الحج عن الغير، (١/ ٢٥٧) ط: رشيديه.

(٢) فنقول: شرائط وجوب الحجّ: العقل، والبلوغ، والحرية، والاستطاعة ... ثمّ المراد من الاستطاعة بملك الزاد والراحلة أن يكون عنده مال فاضل عن حوائجه الأصلية. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الحج، الفصل الأول في بيان شرائط الوجوب، (٢/ ٤٢٩، ٤٣٢) ط: إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی).

* ومن الشرائط: الاستطاعة، وهي أن يملك مالاً فاضلاً عن مسكنه وفرشه وثياب بدنه وفرسه وسلاحه ونفقة عياله وأولاده الصغار مدة ذهابه وإيابه. (الفتاوى الخانية على هامش الفتاوى الهندية، كتاب الحج، (١/ ٢٨٢) ط: حقانيه پشاور).

* (قوله: إذا قدروا على الزاد) بنفقة وسط لا إسراف فيها ولاتقتير (والراحلة) أي: بطريق الملك أو الإجارة دون الإعارة والإباحة في الوقت الذي قدمنا ذكره، (فتح القدير، كتاب الحج، (٢/ ٣٢٢) ط: رشيديه).

=

حیض کی حالت میں عورت حج کے کون کون سے اعمال ادا کر سکتی ہے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مندرجہ ذیل مسائل میں کہ:

۱- میں آج مورخہ ۵/ذی الحجہ ۱۳۹۱ھ حج کے لیے جانا چاہتی ہوں، اتفاق سے اب ناپاکی (یعنی حیض) آگئی، اب میرے لیے حرم شریف زیارتِ بیت اللہ کے لیے جانا درست ہے یا نہیں؟

۲- اگر کسی طرح جائز ہے تو میں قرآن مجید کی سورتیں اور ادعیہ ماثورہ پڑھ سکتی ہوں کہ نہیں؟

۳- میں احرام یہاں سے باندھوں یا جہاز سے جدہ اترنے کے بعد؟

٤- میں اس ناپاکی کی حالت میں حج کے کیا کیا احکام ادا کر سکتی ہوں؟ نماز تو نہیں؟ فقط والسلام

مستفتیہ: عائشہ، نیوٹاؤن، کراچی

جواب: ۱- موجودہ حالت میں حج کے لیے جا سکتی ہیں۔[1]

۲- بنیتِ دعا قرآن مجید کی سورتیں اور ادعیہ ماثورہ جائز ہیں۔[2]

---

(۱) وفي أبي داود والترمذي أنه عليه السلام قال: إن النفساء والحائض تغتسل وتحرم وتقضي المناسك كلها غير أن لاتطوف بالبيت.(فتح القدير، كتاب الحج، باب الإحرام، (٢/ ٣٣٧) ط: رشيديه).

* تبيين الحقائق، كتاب الحج، باب الإحرام، (٢/ ٢٤٩) ط: سعيدكراچی.
* المرأة إذا حاضت في الحج، إن حاضت قبل أن تحرم وانتهت إلى الميقات فإنها تغتسل وتحرم. (الفتاوى الخانية على هامش الفتاوى الهندية، كتاب الحج، الواجبات التي يجب بها الدم على الحاجّ خمسة، (١/ ٣٠٠) ط: حقانيه پشاور).

(۲) فلو قرأت الفاتحة على وجه الدعاء أو شيئاً من الآيات التي فيها معنى الدعاء، ولم ترد القراءة لابأس به. وفي الدرالمختار: (ولابأس) لحائض وجنب (بقراء ة أدعية ومسها وحملها وذكر الله تعالى وتسبيح) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الطهارة، باب الحيض، مبحث: أحكام الحيض والجنب، (١/ ٢٩٣) ط: سعيد).

=

۳ – احرام یہاں سے باندھ لیں۔[1]

٤ – ناپاکی کی حالت میں سوائے طواف کے سارے احکام ادا کریں گی۔[2]

---

* (و) يحرم (قراءة آية من القرآن) إلا بقصد الذكر إذا اشتملت عليه. وفي الحاشية: قوله: (إلا بقصد الذكر) أي أو الثناء أو الدعاء إن اشتملت عليه فلابأس به في أصحّ الروايات. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الطهارة، باب الحيض والنفاس والاستحاضة، (١/ ٢٠٤، ٢٠٥) ط: مكتبه غوثيه كراچی).

* ومنها: أن لاتقرأ القرآن عندنا ... وهذا إذا قصدت القراء ة، فإن لم تقصد بها نحو أن تقرأ الحمد لله شكراً للنعمة فلابأس به ... وكذلك لا يكره لها قراءة دعاء القنوت اللّٰهمّ إنّا نستعينك. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الطهارة، الفصل التاسع في الحيض، نوع آخر في الأحكام التي تتعلق بالحيض، (١/ ٣٣٣) ط: إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی).

(١) (لا) يحرم (التقديم) للإحرام (عليها) بل هو الأفضل. وفي رد المحتار: (قوله: بل هو الأفضل) قدمنا تفسير الصحابة الإتمام بالإحرام من دويرة أهله ومن الأماكن القاصية. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحج، مطلب في المواقيت، (٢/ ٤٧٧) ط: سعيد).

* وإنما كان التقديم على المواقيت أفضل؛ لأنه أكثر تعظيماً وأوفر مشقة، والأجر على قدر المشقة، ولذا كانوا يستحبون الإحرام بهما من الأماكن القاصية. (فتح القدير، كتاب الحج، فصل: والمواقيت التي لايجوز أن يجاوزها الإنسان إلا محرماً خمسة، (٢/ ٣٣٦) ط: رشيديه).

* أنّ الإحرام من دويرة أهله هو العزيمة. (البحر الرائق، كتاب الحج، باب مجاوزة الميقات بغير إحرام، (٣/ ٤٨) ط: سعيد).

(٢) عن عائشة قالت: حضت، فأمرني النبي صلى الله عليه وسلم أن أقضي المناسك كلها إلّا الطواف بالبيت. (جامع الترمذي، أبواب الحجّ، باب ماجاء ماتقضي الحائض من المناسك، (١/ ١٨٨) ط: قديمی كتب خانه كراچی).

* فإذا قدمت مكة وهي حائض تصنع مايصنع الحاج غير أنّها لا تطوف بالبيت. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب المناسك، الفصل الثالث في تعليم أعمال الحج، أحكام المرأة والمكي (٢/ ٤٧١) ط: إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی).

=

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح — کتبہ: محمد عبدالسلام غفرلہ

محمد یوسف بنوری عفااللہ عنہ — (۱۳۹۱/۱۲/۵ھ)

دارالافتاء مدرسہ عربیہ اسلامیہ، نیوٹاؤن کراچی

لیکن یہ ناپاکی اگر طواف زیارت کے دن بھی رہی، تو طواف زیارت نہ چھوڑے۔[1]

سفر حج کے اخراجات میں کوئی دوسرا شخص مالی معاونت کرے تو کیا فریضہ حج ادا ہو جائے گا؟

سوال: جناب نواب صاحب ریاست ماناودر بمع بیگم صاحبہ، صاحبزادگان، صاحبزادیوں، افسران، دوست احباب اور ملازمین کے حضرت جلالۃ الملک شاہ فیصل ابن سعود مد اللہ ظلّ سلطنتہ کی دعوت پر بغرض ادائے فریضہ حج عربستان جارہے ہیں، کراچی سے جدہ اور جدہ سے واپس کراچی تک کے

---

* (قوله: ولو حاضت عند الإحرام أتت بغير الطواف) لقوله عليه السلام لعائشة حين حاضت بسرف: افعلي مايفعل الحاج غير أن لاتطوفي بالبيت حتى تطهري. (البحر الرائق، كتاب الحجّ، باب التمتع، (٢/ ٣٧٠) ط: سعيد).

(١) ويمنع الحيض الطواف بالبيت، وكذا الجنابة لما في الصحيحين أنه عليه الصلاة والسلام قال لعائشة رضي الله عنها لما حاضت بسرف: "اقضي ما يقضي الحاجّ غير أن لاتطوفي بالبيت حتى تغتسل"، فكان طوافها حراماً، ولو فعلته كانت عاصية معاقبة، وتتحلل به من إحرامها بطواف الزيارة وعليها بدنة كطواف الجنب. (البحر الرائق، كتاب الطهارة، باب الحيض، (١/ ١٩٦، ١٩٧) ط: سعيد).

* فتح القدير، كتاب الطهارة، باب الحيض والاستحاضة، (١/ ١٤٧) ط: رشيديه.

* (و) يمنع حل (دخول مسجد و) حل (الطواف) ولو بعد دخولها المسجد وشروعها فيه. وفي رد المحتار: (قوله: وحلّ الطواف)؛ لأنّ الطهارة له واجبة فيكره تحريماً وإن صحّ كما في البحر وغيره. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الطهارة، باب الحيض، (١/ ٢٩١، ٢٩٢) ط: سعيد).
=

کل اخراجات نواب صاحب ماناودر برداشت کریں گے، باقی عربستان میں قیام کے دوران جملہ انتظامات شاہ فیصل والی حجاز ونجد کی حکومت کی طرف سے ہوگی، توکیانواب صاحب ماناودر اور دیگرارکانِ پارٹی کافرئضۂ حج اداہوجائے گایانہیں؟

مستفتی: ہاشم علی اے۔ڈی۔سی۔ٹو-۱۲/۱۳نواب صاحب ماناودر، بھٹائی کالونی کراچی

جواب: صورت مسئولہ میں تمام حضرات کافرض ادا ہوجائے گا،[1] بشرطیکہ یہ سب حجِ فرض کی ادائیگی کی نیت کرلیں،احرام حج فرض کی نیت سے باندھاجائے۔[2] واللہ اعلم بالصواب

الجواب صواب	کتبہ
محمد یوسف بنوری عفااللہ عنہ	محمد حبیب اللہ مختار
	(۱۳۹۲/۱۱/۶ھ)

(۱) (قوله: إذا قدروا على الزاد) بنفقة وسط لا إسراف فيها ولاتقتير (والراحلة) أي: بطريق الملك والإجارة دون الإعارة والإباحة. (فتح القدير، كتاب الحج، (۲/ ۳۲۲) ط: رشيديه).

* (ومنها: القدرة على الزاد والراحلة) بطريق الملك أو الإجارة دون الإعارة والإباحة، سواء كانت الإباحة من جهة من لامنة له عليه كالوالدين والمولودين أو من غيرهم كالأجانب، كذا في السراج الوهاج. (الفتاوى الهندية، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج وفرضيته ووقته ...، (۱/ ۲۱۷) ط: حقانيه پشاور).

* وإن كان صحيح البدن إلا أنه لايملك الزاد والراحلة، لكن بذل له الغير الزاد والراحلة في طريق الحج، ومعناه: أنه أباح له غيره لاتثبت الاستطاعة عندنا. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الحج، الفصل الأول في بيان شرائط الحج، (۲/ ٤۳۱) ط: إدارة القرآن والعلوم الإسلامية).

(۲) (ولبى دبر صلاتك تنوي بها الحج) ... وأما النية فهو شرط لجميع العبادات فلابدمنه ؛ لقوله تعالى: { وما أمروا إلا ليعبدوا الله مخلصين } [البينة:٥] والإخلاص بالنية ... (فإذا لبّيت ناوياً فقد أحرمت). (تبيين الحقائق، كتاب الحج، باب الإحرام، (۲/ ۲۵۲- ۲۵۵) ط: سعيد).

* فيصحّ الحج بمطلق النية، وإذا أبهم الإحرام بأن لم يعين ما أحرم به جاز، وعليه التعيين، قبل أن يشرع في الأفعال. (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الإحرام، (۱/ ۳۲۱) ط: سعيد).

* رد المحتار على الدر المختار، كتاب الحج، فصل في الإحرام،مطلب في ما يصير به محرماً، (۱/ ٤۸٦) ط: سعيد).

حجِ تمتع میں دمِ شکر ادا کیے بغیر حلال ہونے کی صورت میں حکم

سوال: بندہ اس سال والد صاحب کی طرف سے حج بدل کے لیے گیا تھا، والد صاحب کی وصیت نہ تھی اور نہ کچھ مال چھوڑا تھا، صرف ایصالِ ثواب کی غرض سے گیا تھا، مکہ مکرمہ میں چند ہفتہ قیام کے بعد مدینہ منورہ گیا، وہاں سے واپسی پر عمرہ کا احرام باندھ کر آیا، اور سعی صفا و مروہ اور طوفِ بیت اللہ وغیرہ سے فارغ ہو کر حلال ہو گیا۔

پھر آٹھ ذی الحج کو حج کا احرام باندھ کر منیٰ، عرفات وغیرہ کل ارکان واعمال والد صاحب کی طرف سے پورے کیے، یہ حج میرا غالباً حج تمتع ہوا، جس میں دمِ شکرانہ لازم تھا، لیکن کچھ پیسے کی کمی سے قربانی نہ کر سکا، لیکن ارادہ پختہ روزے رکھنے کا تھا، مگر سلسلۂ علالت پہلے ہی سے تھا، حج کے بعد واپسی پر پیچش، بخار اور سخت کمزوری میں مبتلا ہو گیا، اس لیے روزے بھی نہ رکھ سکا، اور جلد ہی واپس وطن آنا ہو گیا، مدت زیادہ گزر گئی، اب کیا کرنا چاہیے؟

۱- قربانی کی جائے تو کس طرح اور کب؟ اور اس کا گوشت خود یا عزیز واقارب کھا سکتے ہیں یا نہیں؟ یا کل مساکین کو دیا جائے یا مدرسہ کے طلبہ کو دیا جائے؟ یا مساکین کو کھانا کھلایا جائے تو کتنے مساکین کو؟

۲- اور اگر زکاۃ دینا پڑے تو کتنی مقدار میں اور کس کو دی جائے؟

۳- روزے اس کے بعد اب کتنے رکھنے چاہیں؟ اور اس میں تاخیر درست ہے یا نہیں؟

مستفتی: ارادت حسین، ناظم آباد کراچی/۱۸

جواب: قربانی لازم ہے، یعنی دمِ شکر ذمہ پر یہ قرض باقی رہے گا، اس کے لیے سرزمینِ حرم شرط ہے، وقت شرط نہیں، اب بھی وہاں قربانی مکہ میں کرادیں تو قرض ادا ہو جائے گا۔[1]

---

(۱) ويجب الدم على المتمتع شكراً لما أنعم الله تعالى عليه بتيسير الجمع بين العبادتين ... فإن اختار النسك ذبح في الحرم، كذا في المحيط، وإن ذبح في غير الحرم لايجوز عن الذبح. (الفتاوي

نیز ایک دوسرا دمِ جنایت لازم ہوگیا، بغیر قربانی حلال ہوگئے، اس کے لیے بھی زمینِ حرم شرط ہے۔[1]

کتبہ

محمد یوسف بنوری

[ربیع الاول/۱۳۸۳ھ]

معنى الدم و الفدية فى الحج

سوال: فضيلة العلامة مولانا الجليل الشيخ محمديوسف البنوري حفظه الله! السلام عليكم ورحمة الله وبركاته!

الهندية، كتاب المناسك، الباب السابع في القران والتمتع، الباب الثامن في الجنايات، مسائل تتعلق بالفصول السابقة، (١/ ٢٣٩، ٢٤٤) ط: حقانيه پشاور).

* (وخصّ ذبح هدي المتعة والقران بيوم النحر فقط) ... ؛ لأنه دم نسك فيختص بيوم النحر كالأضحية ...، (والكلّ بالحرم) أي: كلّ دم يجب على الحاجّ يختص بالحرم ؛ لقوله تعالى: {هديا بالغ الكعبة } [المائدة:٩٥]. (تبيين الحقائق، كتاب الحج، باب الهدي، (٢/ ٤٣٤) ط: سعيد).
* البحر الرائق، كتاب الحج، باب الهدي، (٣/ ٧٢) ط: سعيدكراچی.

(١) (وخصّ ذبح هدي المتعة والقران بيوم النحر فقط والكل بالحرم لابفقيره) بيان لكون الهدي موقتاً بالمكان سواء كان دم شكر أو جناية لما تقدم أنه اسم لمايهدى من النعم إلى الحرم. (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الهدي، (٣/ ٧٢) ط: سعيد).

* (قوله: وأما النسك فيختص بالحرم) قال الله تعالى في جزاء الصيد: { هديا بالغ الكعبة } وهو واجب بطريق الكفارة فكان أصلاً في كلّ هدي وجب كفارة في اختصاصه بالحرم. (فتح القدير، كتاب الحج، باب الجنايات، قبيل فصل، (٢/ ٤٥٢) ط: رشيديه).
* (و) يتعين (الحرم) لا منى (للكلّ لالفقره). وفي ردالمحتار: (قوله: للكلّ) بيان لكون الهدي موقتاً بالمكان سواء كان دم شكر أو جناية. (رد المحتار على الدرالمختار، كتاب الحج، باب الهدي، (٢/ ٦١٦) ط: سعيد).

=

وردتنا المسألة التالية من أحد المسلمين في سيلان، فنرجو التفضل بالإجابة عليها وننشر الإجابة في العرب؛ ليعمّ فائدتها.

مامعنى الدم والفدية في الحج؟ ولِمَ وكيف يفعل ذلك؟

والسلام على فضيلتكم ورحمة الله!

المخلص: عبدالمنعم العدوي (١٠/ صفرالخير، ١٣٩٠هـ)

جواب: حضرة الأستاذ السيد عبدالمنعم العدوي المحترم وفقه الله لكل خير، تحية وسلاماً!

الدم والفدية في الحجّ قسمان: قسم يسمّى "دم الشكر والجبر" على اختلاف بين الأئمة، للقارن أو المتمتع، وذلك بنص القرآن الكريم، وبالأحاديث المتواترة.(١) وقسم يسمّى "دم الجناية"، اذا ارتكب محظوراً في مناسك الحجّ، مثل: حلق الرأس، وسترالرأس في الإحرام وغيرهما،

(١) (وإذا رمى الجمرة يوم النحر ذبح شاة أو بقرة أو بدنة أو سبع بدنة فهذا دم القران) ؛ لأنه في معنى المتعة والهدي منصوص عليه فيها. وفي فتح القدير: (قوله: لأنه في معنى المتعة والهدي منصوص عليه فيها) فيلحق بها فيه دلالة ؛ لأن وجوبه في المتعة لشكر نعمة إطلاق الترفق بهما في وقت الحج ... إيجاب الهدي بالنص في المتعة إيجاب في القران وغيره. (الهداية مع فتح القدير، كتاب الحج، باب القران، (٢/ ٤١٧) ط: رشيديه).

* (قوله: وإذا رمى يوم النحر ذبح شاة أو بدنة أو سبعها) ؛ لقوله تعالى: { فمن تمتّع بالعمرة إلى الحج فما استيسر من الهدي } والتمتع يشمل القران العرفي والتمتع العرفي. (البحر الرائق، كتاب الحج، باب القران، (٢/ ٣٥٩) ط: سعيد).

* تبيين الحقائق، كتاب الحج، باب القران، (٢/ ٣٣٤، ٣٣٥) ط: سعيد.

=

ويسمّى دم الجناية.[1]

وهناك صورٌ خاصة للفداء بثلاثة أشياء: إطعام، أو صيام، أو نسك.[2]

ولكلّ تفصيلات في فقه المذاهب مع اختلاف بينهم في بعضها. والسلام عليكم ورحمة الله وبركاته!

مخلصكم: محمد يوسف البنوري عفا الله عنه

(٢٠/ ٤/ ١٩٧٠هـ)

---

(١) هنا ماتكون حرمته بسبب الإحرام أو الحرم، وقد يجب بها دمان أو دم أو صوم أو صدقة. (ردالمحتار على الدر المختار، كتاب الحج، باب الجنايات، (٢/ ٥٤٣) ط: سعيد).

* ولوغطى المحرم رأسه أو وجهه يوماً فعليه دم ... إن حلق رأسه من غير ضرورة فعليه دم لايجزيه غيره، كذا في شرح الطحاوي. (الفتاوى الهندية، كتاب المناسك، الباب الثامن في الجنايات، الفصل الثاني في اللبس، الفصل الثالث في حلق الشعر وقلم الأظفار، (١/ ٤٤٢، ٤٤٣) ط: رشيديه).

* وهو مايكون حرمته بسبب الإحرام أو الحرم، وحاصل الأول: أنه الطيب ولبس المخيط وتغطية الرأس أو الوجه وإزالة الشعر من البدن وقص الأظفار. (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الجنايات، (٣/ ٢) ط: سعيد).

(٢) في كلّ موضع إذا فعل مختاراً يلزمه الدم كاللبس والحلق والتطيب والقلم، إذا فعل ذلك بعلة أو ضرورة فعليه أي الكفارات شاء، كذا في شرح الطحاوي. وذلك إما النسك أو الصدقة أو الصوم. (الفتاوى الهندية، كتاب المناسك، الباب الثامن في الجنايات، مسائل تتعلق بالفصول السابقة، قبيل الفصل الرابع في الجماع، (١/ ٢٤٤) ط: حقانيه پشاور).

* ويجوز اختيار الصوم مع القدرة على الهدي أو الإطعام ؛ لأن الله تعالى ذكر بكلمة " أو" وأنها للتخيير. (المحيط البرهاني، كتاب المناسك، الفصل الخامس: مايحرم على المحرم ومالايحرم، (٣/ ٤٢٢) ط: إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، كراچی).

* فإن جميع محظورات الإحرام إذا كان بعذر ففيه الخيارات الثلاثة. (رد المحتار على الدر المختار، كتاب الحج، باب الجنايات، (٢/ ٥٥٧) ط: سعيد).

حكم الحج عن الغير

سوال: فضيلة العلامة مولانا الجليل الشيخ محمديوسف البنوري حفظه الله! السلام عليكم ورحمة الله وبركاته!

وردتنا المسألة التالية من أحد المسلمين في سيلان، فنرجو التفضل بالإجابة عليها وننشر الإجابة في العرب؛ ليعمّ فائدتها.

ما هو بدل الحج؟ ولم يفعل؟ وما هو حكمه؟والسلام على فضيلتكم ورحمة الله!

المخلص: عبدالمنعم العدوي

(١٠/ صفرالخير، ١٣٩٠هـ)

جواب: حضرة الأستاذ السيد عبدالمنعم العدوي المحترم وفقه الله لكل خير، تحية وسلاماً!

بدل الحج في الفرض: رجل عليه حجّ فرض الإسلام ولم يتمكّن ولم يوفّق، يجب عليه الوصية إذا كان له مالٌ أن يُحجّ عنه، فهذا الحجّ من المأمور بدل حجّ من الآمر الموصي[1] أو عليه حجّ ولم يوصِ أو أوصى، وليس له مال،

---

(١) وإن مات عن وصية لايسقط الحج عنه، ويجب أن يحج عنه؛ لأن الوصية بالحج قد صحت. (بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل: وأما بيان حكم فوات الحج، (٢/ ٢٢) ط: سعيد).

* الفتاوى الهندية، كتاب الحج، الباب الخامس في الوصية بالحج، (١/ ٢٥٨) ط: رشيديه.

* الفقه الإسلامي وأدلته، القسم الأول: العبادات، الباب الخامس: الحج والعمرة، المبحث الثاني: شروط الحج والعمرة وموانعها، المطلب الأول: شروط الحج والعمرة، النيابة في الحج والحج عن الغير، (٣/ ٢٠٩٧) ط: رشيديه).

=

فالورثة أرادوا فراغ ذمته ويبعثون أحداً للحجة، فهذا أيضاً بدل، والفراغ منه ذمته متحتمٌ شرعاً وقانوناً في الأوّل، لافي الثاني، وإنّما يرجى في الثاني فقط من رحمة الله.(١)

وهناك حجّ بدل آخر: رجل يريد أن يحجّ استحباباً غير الفريضة، ولكن ليس عنده فرصة، فيأمر آخرَ بالحجّ عنه، وهناك بدل آخر: رجل بماله يحجّ عن أحدٍ من غيرالفريضة تبرعاً منه أو تقرّباً إلى الله.(٢) ولكلٍّ أحكامٌ وتفاصيلُ. والسلام عليكم ورحمة الله وبركاته!

مخلصكم: محمديوسف البنوري عفا الله عنه

(٢٠/ ٤/ ١٩٧٠هـ)

---

(١) ففي مناسك السروجي: لو مات رجل بعد وجوب الحج، ولم يوص به فحج رجل عنه أو حج عن أبيه أو أمه عن حجة الإسلام من غير وصية، قال أبوحنيفة: يجزيه إن شاء الله (رد المحتار على الدرالمختار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، (٢/ ٦٠٠) ط: سعيد).

* ومن مات وعليه فرض الحج ولم يوص به لم يلزم الوارث أن يحج عنه وإن أحبّ أن يحجّ عنه حجّ وأرجو أن يجزيه إن شاء الله تعالى. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب المناسك، الفصل السادس عشر في الوصية بالحج، (٢/ ٥٦٤) ط: إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی).

* بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل وأما بيان حكم فوات الحج (٢/ ٢٢١) ط: سعيد.

(٢) لجواز الإنابة مع القدرة في حج النفل ؛ لأن المقصود منه الثواب، فإذا كان له تركه أصلاً فله تحمل مشقة المال بالأولى. (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، (٣/ ٦٢) ط: سعيد).

* من أمر غيره بحج التطوع جاز ذلك ويصير للآمر ثواب النفقة في طريق الحجّ من حيث أنه سبب إلى الحجّ بالاتفاق أو يصير المأمور جاعلاً ثواب فعله للآمر فهو جائز عند أهل السنة. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب المناسك، الفصل الخامس عشر في الرجل يحج عن الغير، (٢/ ٥٤٥) ط: إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی).

* وهذه الشرائط كلها في الحجّ الفرض، وأمّا النفل فلايشترط فيه شيء منها إلا الإسلام والعقل والتمييز. (رد المحتار على الدرالمختار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، (٢/ ٦٠١) ط: سعيد).

کتاب النکاح

نکاح کا بیان

شادی کے لیے لڑکی کو دیکھ کر پسند کرنے کا حکم

سوال: اس مسئلہ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں علماءِ دین شرع متین کہ:

ایک شخص ایک اجنبیہ عورت سے شادی کرنا چاہتا ہے، کیا وہ شخص اس اجنبیہ عورت کو دیکھ سکتا ہے یا نہیں؟ یعنی اس عورت کو دیکھنے کے بعد اگر پسند آئے تو شادی کرے گا ورنہ نہیں، اس صورت میں اجنبیہ عورت کو دیکھنا جائز ہے یا نہیں؟

مستفتی: محمد اویس محی الدین نگری،

کوارٹر نمبر: ۳/۱۷ بہار کالونی، جمشید روڈ کراچی

جواب: اگر کسی عورت کے ساتھ نکاح کرنے کا ارادہ ہو تو اس کو دیکھنا درست ہے، لیکن دیکھنا شہوت پوری کرنے کی غرض سے نہ ہو۔ چناں چہ حدیث شریف میں آتا ہے:

لقوله عليه السلام للمغيرة بن شعبة حين خطب امرأة: انظر إليها، فإنه أحرٰى أن يؤدم بينكما.[1]

اسی طرح در مختار میں لکھا ہے:

---

(۱) جامع الترمذي، أبواب النكاح، باب ماجاء في النظر إلى المخطوبة، (۱/ ۲۰۷) ط: قديمى كراچى.

* سنن ابن ماجه، أبواب النكاح، النظر إلى المرأة إذا أراد أن يتزوجها، (ص: ۱۳٤) ط: قديمى كراچى.

* سنن النسائي، كتاب النكاح، إباحة النظر قبل التزويج، (۲/ ۷۱) ط: قديمى كراچى.

=

(وكذا مريد نكاحها) ولو عن شهوة بنية السنة، لاقضاء الشهوة.[1] والله اعلم

الجواب صواب	کتبہ
محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ	بندہ احمد الرحمن غفرلہ
	(۲۰/جمادی الثانیہ/۱۳۸۵ھ)
	دارالافتاء مدرسہ عربیہ اسلامیہ، نیوٹاؤن کراچی

مزنیہ سے دورانِ حمل نکاح کرنا

سوال: زید کا انتقال ہو گیا، ایک بیوہ موجود ہے، زید کے چھوٹے بھائی بکر نے بیوہ سے ناجائز تعلق قائم کیا اور حمل ٹھہر گیا، چند دن کے بعد وضع حمل سے پہلے اس (بکر) کا نکاح مذکورہ عورت سے ہوا، کیا نکاح درست ہے؟

جواب: زنا سے حمل کے زمانے میں نکاح درست ہے۔[2] کتبہ: محمد یوسف بنوری

---

(۱) الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس، (٦/ ٣٧٠) ط: سعيد.

* وكذا إذا أراد أن يتزوّج امرأة فلابأس أن ينظر إلى وجهها وإن كان عن شهوة ؛ لأنّ النّكاح بعد تقديم النظر أدلّ على الألفة والموافقة الداعية إلى تحصيل المقاصد على ما قال النّبي صلى الله عليه وسلم للمغيرة بن شعبة رضى الله عنه حين أراد أن يتزوّج امرأة : إذهب فانظر إليها فإنّه أحرٰى أن يدوم بينكما " دعاه عليه الصلاة والسلام إلى النظر مطلقًا وعلل عليه الصلاة والسلام بكونه وسيلة إلى الألفة والموافقة . (بدائع الصنائع ، كتاب الاستحسان، (٥/ ١٢٢) ط: سعيد).

(۲) (و) صح نكاح (حبلى من زنى لا) حبلى (من غيره) أي الزنى لثبوت نسبه. (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، (٣/ ٤٨) ط: سعيد).

* وفي مجموع النوازل: إذا تزوج امرأة قد زنى هو بها وظهر بها حبل فالنكاح جائز عند الكل وله أن يطأها عند الكل. (الفتاوى الهندية، كتاب النكاح، الباب الثالث في بيان المحرمات، القسم السادس: المحرمات التي يتعلق بها حق الغير، (١/ ٢٨٠) ط: حقانيه پشاور.

* أما لو كان الحبل من زنا منه جاز النكاح بالإتفاق كما في الفتاوى الظهيرية محالاً إلى النوازل. (فتح القدير، كتاب النكاح، فصل في بيان المحرمات، (٣/ ١٤٥) ط: رشيديه).

ولدِ زنا (لڑکی) کا مسلمان لڑکے سے نکاح کا حکم

سوال: جو لڑکی ولد زنا پیدا ہوئی ہے، اس کا نکاح کسی مسلمان سے درست ہے؟

جواب: زنا سے پیدا شدہ اولاد مسلمان سے نکاح کرے جائز ہے۔[1]

کتبہ: محمد یوسف بنوری

سالی سے زنا کیا تو نکاح ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟

سوال: ۱ – بکر نے اپنی بیوی کی بہن سے ناجائز فعل کیا، کیا بکر کا نکاح اپنی بیوی سے رہے گا یا کہ ٹوٹ جائے گا؟

۲ – ایک بہن بیوی ہے اور دوسری بہن سے ناجائز فعل کرتا رہتا ہے، نکاح باقی رہے گا یا کہ نہیں؟ اولاد کا کسی مسلمان سے نکاح درست ہے؟

جواب:

۱ – سالی سے زنا کرنے سے بیوی سے نکاح باقی رہتا ہے، ساس سے زنا سے نکاح ختم ہو جاتا ہے۔[2]

---

(۱) {وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ} [النساء: ٢٤].

* ومنها: المحل القابل وهي المرأة التي أحلها الشرع بالنكاح، كذا في النهاية. (الفتاوى الهندية، كتاب النكاح، الباب الأول في تفسيره شرعاً وصفته وركنه وشرطه وحكمه، (١/ ٢٦٧) ط: رشيديه).

* وفي العناية: محله امرأة لم يمنع من نكاحها مانع شرعي. (البحر الرائق، كتاب النكاح، (٣/ ٧٨) ط: سعيد).

(۲) (و) حرم أيضاً بالصهرية (أصل مزنيته) أراد بالزنى الوطء الحرام ... وفي الخلاصة: وطئ أخت امرأته لاتحرم عليه امرأته. (رد المحتار على الدر المختار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، (٣/ ٣٢- ٣٤) ط: سعيد).

=

۴- جب تک زنا کے حمل سے تنقیہ رحم نہ ہو جائے ہم بستری جائز نہیں۔[1]

کتبہ: محمد یوسف بنوری

باپ کی موجودگی میں دادا کو نابالغ پوتے یا پوتی کے نکاح کا اختیار نہیں ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ:

کیا میں اپنے پوتے یا پوتی کا نکاح اپنی مرضی سے اپنی اولاد کی رضامندی کے بغیر کر سکتا ہوں یا نہیں؟ چوں کہ اولاد نافرمان ہے، میرے کہنے پر عمل نہیں کرتی؛ اس لیے میں خواہش مند ہوں کہ علمائے کرام فتویٰ صادر فرما کر میری رہبری فرماویں! مستفتی: حاجی عبدالقادر خان، ضلع رحیم یار خان (۱۴ رجب ۱۳۷۷ھ)

---

* فمن زنى بامرأة حرمت عليه أمها وإن علت وابنتها وإن سفلت وكذا تحرم المزني بها على آباء الزاني وأجداده وإن علوا وأبناء ه وإن سفلوا، كذا في فتح القدير. (الفتاوى الهندية، كتاب النكاح، الباب الثاني في بيان المحرمات، القسم الثاني : المحرمات بالصهرية، (١/ ٢٧٤) ط: حقانيه پشاور).
* المحرمات بالمصاهرة وهي فروع نسائه المدخول بهن وأصولهن وحلائل فروعه وحلائل أصوله. (البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، (٣/ ٩٢) ط: سعيد).
* وفي فتاوى النسفي: رجل وطئ أخت امرأته لاتحرم عليه امرأته. (خلاصة الفتاوى، كتاب النكاح، الفصل الثاني فيمن يكون محلاً للنكاح وفيما لايكون، (٢/ ٧) ط: رشيديه).

(١) لو وطئ أخت امرأته بشبهة حيث تحرم امرأته مالم تنقض عدة ذات الشبهة، وفي الدراية عن الكامل: لو زنى بإحدى الأختين لايقرب الأخرى حتى تحيض الأخرى حيضة. (البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، (٣/ ٩٦) ط: سعيد).
* ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، (٣/ ٣٤) ط: سعيد.
* مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، كتاب النكاح، باب المحرمات، (١/ ٤٧٩) ط: دار الكتب العلمية بيروت، لبنان.

=

جواب: اگر آپ کا پوتا بالغ ہے تو اس کا نکاح اس کے والد کی بلا رضامندی کیا جاسکتا ہے، اسی طرح اگر پوتی بالغہ ہے اور نکاح بھی کفوء میں کیا جارہا ہے تو والد کی بلا رضامندی کیا جاسکتا ہے،[1] لیکن اگر دونوں نابالغ ہیں تو ان کے نکاح کرنے کا اختیار ان کے والد کو ہوگا، آپ کو نہیں، نافرمان ہونے کی بناپر آپ کی طرف ولایتِ نکاح منتقل نہیں ہوگی۔ **كذا في رد المحتار، (٢/ ٤٣٢)**۔[2]

الجواب صحیح — **احقر ولی حسن عفي عنه**

محمد یوسف بنوری — مدرسہ عربیہ اسلامیہ، نیوٹاؤن کراچی/۵

۲۹/رجب ۱۳۷۷ھ

---

(١) (فنفذ نكاح حرّة مكلّفة بلا) رضا (ولي) والأصل: أن كلّ من تصرّف في ماله تصرّف في نفسه ومالا فلا، (وله) أي للولي (إذا كان عصبة) ... (الاعتراض في غير الكفء). وفي الرد:(قوله: إذا كان عصبة) أي بنفسه، (قوله: في غير الكفء) أي في تزويجها نفسها من غير كفء .(الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب النكاح، باب الولي، (٣/ ٥٥، ٥٦) ط: سعيد).

* وينعقد نكاح الحرة العاقلة البالغة برضاها وإن لم يعقد عليها ولي بكراً كانت أو ثيباً. (الهداية على فتح القدير، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، (٣/ ١٥٧) ط: رشيديه).

* (قوله: نفذ نكاح حرة مكلفة بلاولي)؛ لأنها تصرفت في خالص حقها وهي من أهله لكونها عاقلة بالغة ... لكن للولي الاعتراض في غير الكفء. (البحر الرائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، (٣/ ١٠٩، ١١٠) ط: سعيد).

(٢) (قوله: وللولي إنكاح الصغير والصغيرة، والولي العصبة بترتيب الإرث) ... وأما إذا كان أحدهما أقرب من الآخر فلا ولاية للأبعد مع الأقرب. (البحر الرائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، (١/ ١١٨، ١١٩) ط: سعيد).

* ثم بعد ملك اليمين العصوبة ؛ لقوله عليه السلام: النكاح إلى العصبات. وأقرب العصبات إلى الصغير والصغيرة الأب، ثمّ الجدّ أبو الأب وإن علا. (الفتاوى الخانية على هامش الفتاوى الهندية، كتاب النكاح، الباب الأول فيما يتعلق به انعقاد النكاح، فصل في الأولياء، (١/ ٣٥٤) ط: حقانيه پشاور).

* الوالي في النكاح العصبة بنفسه بلا توسط أنثى على ترتيب الأنثى والحجب بشرط حرية وتكليف وإسلام في حقّ مسلمة وولد مسلم. (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب النكاح، باب الولي، (٣/ ٧٦، ٧٧) ط: سعيد).

عورت کے اپنے معتوہ ستر سالہ سسر پر زنا کا الزام لگانے سے حرمت مصاہرت کا حکم

سوال: سوال کا خلاصہ یہ ہے کہ عورت مدعیہ ہے کہ اس کے خسر نے اس کے ساتھ زنا کیا، اور اس کے پاس اس دعویٰ پر کوئی ثبوت موجود نہیں، عورت کا شوہر دماغی خلل کا مریض ہے، معتوہ ہے، وہ کبھی اپنی بیوی کے قول کی تصدیق کرتا ہے، کبھی تکذیب۔ علاوہ ازیں عورت جس شخص پر زنا کا اتہام لگاتی ہے، وہ ستر سال کا بوڑھا ہے، اس کے علاوہ اور بھی کچھ قرائن ہیں، جن سے عورت کی تکذیب ہوتی ہے۔

جواب: احوال مندرجہ بالا کی روشنی میں مسئلہ شرعی یہ ہے کہ عورت مدعیٔ حرمت ہے، جس سے اس کے شوہر کا حق زائل ہو رہا ہے، لہٰذا اس میں عورت کا دعویٰ کافی نہیں، اور اس کے قول کا اعتبار نہیں ہوگا، اگر عورت کا شوہر معتوہ نہیں ہوتا، اور وہ اس کی تصدیق کر لیتا تو حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی، لیکن چوں کہ وہ معتوہ ہے، اس لیے اس کا اقرار شرعاً کالعدم ہے، فقہاء کرام کی تصریح ہے کہ معتوہ اقاریر میں مثل صبی ہے۔[1]

اصل مسئلہ کے لیے روایت فقہی درج ہے۔ در مختار میں ہے:

(وإن ادعت الشهوة) في تقبيله أو تقبيلها ابنه (وأنكره الرجل فهو مصدق)، لاهي.[2]

---

(١) وصرّح الأصوليون بأن حكمه كالصبي إلا أن الدبوسي قال: تجب عليه العبادات احتياطاً، ورده صدر الإسلام بأن العته نوع جنون فيمنع وجوب أداء الحقوق جميعاً كما بسطه في شرح التحرير. (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الطلاق، (٣/ ٢٤٣) ط: سعيد).

* ففي أصول فخر الإسلام وشمس الأئمة والمنار والمغني والتوضيح: أنه كالصبي مع العقل في كلّ الأحكام، فيوضع عنه الخطاب ..." الخ (البحر الرائق، كتاب الطهارة، بحث نقض الوضوء، (١/ ٤٠) ط: سعيد).

(٢) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، مبحث حرمة المصاهرة، (٣/ ٣٧) ط: سعيد.

=

لہٰذا عورت بدستور اپنے شوہر کے نکاح میں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح	کتبہ
محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ	احقر ولی حسن عفی عنہ
	مفتی مدرسہ عربیہ اسلامیہ، نیوٹاؤن کراچی/۵

نکاحِ متعہ بالکل حرام ہے/نکاحِ متعہ کی شرعی حیثیت

سوال: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! جناب بعد سلام مسنون خدمت عالیہ میں یہ عرض ہے کہ ہمارے اطراف میں چند مسائل کے مابین لوگوں کے درمیان بات چھڑ گئی ہے، جس کا ثالث آپ حضرات کو منتخب کیا گیا ہے کہ آپ حضرات جو فیصلہ عنایت کریں گے، اس پر ہم سب کا متحد ہونا اور اس پر عمل کرنا ہم سب پر ضروری ہے، اس لیے بذریعہ خط مسئلہ ذیل میں آپ کا فیصلہ چاہتا ہوں، بنابریں قوی امید و توقع کامل ہے کہ آپ حضرات ازراہِ کرم ہمارے ان مسائل کا صحیح فیصلہ عنایت فرما کر ہم کو حوادث و فتن سے باز رکھ کر خوش و ممنون فرمائیں گے۔ فقط والسلام

فی الحال زمانہ میں نکاح متعہ جائز ہے یا نہیں؟

مستفتی: مولوی سراج الدین غفرلہ، ساکن بانی گرام خان باڑی،
پوسٹ بانی گرام ضلع سلہٹ، شرقی پاکستان (۱۳۹۰/۴/۲۷ھ)

جواب: بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! نکاح متعہ بالکل حرام ہے، تمام امت کا اس پر اتفاق ہے، کسی وقت

---

* البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، مبحث حرمة المصاهرة، (٣/ ١٠٠) ط: سعيد.
* امرأة قبلت ابن زوجها، وقالت: كان عن شهوة إن كذبها الزوج لايفرق بينهما ولو صدّقها وقعت الفرقة. (فتح القدير، كتاب النكاح، فصل في بيان المحرمات، مبحث حرمة المصاهرة، (٣/ ١٣٠) ط: رشيديه).

=

ابتداءِ اسلام میں اگر اس کا حکم دیا بھی گیا تھا تو پھر حضرت رسول اللہ ﷺ نے نسخ کا اعلان فرمادیا تھا۔[1]

والسلام محمد یوسف بنوری (۵/جمادی الاولی/۱۳۹۰ھ)

شوہر اور اس کے گھر والوں کی طرف سے بیوی کو دیئے گئے زیورات کا حکم

سوال: گرامی قدر جناب مولانا صاحب!

ایک خانگی فیصلے کے لیے مسئلۂ ذیل کے متعلق آپ کے فتوے کی ضرورت ہے، ازراہِ نوازش جوابی لفافہ کے ذریعہ فیصلہ شرعی سے آگاہ فرمائیں۔

زید نے بوقت شادی اور بعد از شادی جو زیورات یا پارچہ جات یا اس قسم کا دیگر سامان اپنی بیوی کو دیا ہے، یا زید کی بیوی کو بوقت شادی زید کے والد نے جو زیور دیا ہے، بعد از وفاتِ زید (لاولد) اس زیور، پارچہ جات اور اس قسم کے دیگر سامان کی تقسیم میں زید کی بیوی اور زید کے بھائیوں اور باپ کا کیا حصہ ہوتا ہے؟

ازراہِ کرام اپنی پہلی فرصت میں مسئلۂ بالا کا جواب بذریعہ خط دے کر عنایت فرماویں، فقط۔

مستفتی: حاجی عبدالرب اینڈ سنز،

سوداگران چائے و کمیشن مرچنٹس، چوک قصہ خوانی، پشاور

---

(۱) وفي الصحيح لمسلم عنه صلى الله عليه وسلم: كنت أذنت لكم في الاستمتاع بالنساء، وقد حرّم الله ذلك إلى يوم القيامة، والأحاديث في ذلك كثيرة شهيرة، وأما ظاهر الألفاظ التي تعطي الإجماع، فما أخرجه الخارجي بسنده إلى جابر، خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى غزوة تبوك... فقلنا: يارسول مله! نسوة تمتعنا منهن، فغضب رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى احمرت وجنتاه وتمعر وجهه، وقام فينا خطيباً، فحمد الله وأثنى عليه، ثم نهى عن المتعة، فتوادعنا يومئذ الرجال والنساء، ولم نعد ولانعود إليها أبداً. (فتح القدير، كتاب النكاح، فصل في بيان المحرمات، مبحث المتعة، (٣/ ١٥١) ط: رشيديه).

* عن عمر بن عبدالعزيز قال: حدثني الربيع بن سبرة الجهني عن أبيه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن المتعة وقال: إنها حرام من يومكم هذا إلى يوم القيامة، ومن كان أعطى شيئاً فلايأخذه. (صحيح ابن حبان، ذكر البيان بأن المتعة حرّمها المصطفى، (٩/ ٤٥٧) ط: مؤسسة الرسالة، بيروت).

* السنن الكبرى للبيهقي، باب نكاح المتعة، (٧/ ٢٠٣) ط: مجلس دائرة المعارف النظامية. =

جواب: عام طور پر عرف یہ ہی ہے کہ بوقت شادی اور بعد از شادی شوہر کی طرف سے جو زیور یا پارچہ جات دیے جاتے ہیں، وہ بطور مہر معجل یا ہبہ دیے جاتے ہیں، عاریۃً دینا مقصود نہیں ہوتا، لہٰذا اس رقم کے زیورات و پارچہ جات بیوہ زید کی ملک متصور ہوں گے، اور ان میں میراث جاری نہیں ہو گی، اسی طرح زید کے والد نے جو زیورات دیے ہیں، اگر بطور ہبہ دیے ہیں، جیسا کہ عام طور پر رواج ہے تو وہ بھی اسی کی ملک متصور ہوں گے، اور ان میں بھی میراث جاری نہیں ہو گی۔

اگر آپ کے یہاں کا عرف اس سے مختلف ہے تو احکام جدا ہوں گے۔[1] (بظاہر ان کے ملک کا عرف بھی یہی ہے جو تمام ملکوں کا ہے۔) فقط **واللہ تعالی أعلم وعلمه أتمّ وأحكم.**

الجواب صواب

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ

کتبہ: احقر العباد ولی حسن عفی عنہ

خادم دار الافتاء مدرسہ عربیہ اسلامیہ، نیو ٹاؤن کراچی (یکم جمادی الاولی، ۱۳۸۰ھ)

---

(۱) قلت: ومن ذلك ما يبعثه إليها قبل الزفاف في الأعياد والمواسم من نحو ثياب وحلي، وكذا ما يعطيها من ذلك أو من دراهم أو دنانير صبيحة ليلة العرس، ويسمى في العرف صبحة، فإن كل ذلك تعورف في زماننا كونه هدية لا من المهر ولاسيّما المسمى صبحة. (ردالمحتار على الدر المختار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب فيما يرسله إلى الزوجة، (۳/ ۱۵۳) ط: سعيد).

* وإذا بعث الزوج إلى أهل زوجته أشياء عند زفافها، منها: ديباج فلمازفت إليه أراد أن يسترد من المرأة الديباج ليس له ذلك إذا بعث إليها على جهة التمليك، كذا في الفصول العمادية. (الفتاوى الهندية، كتاب النكاح، الباب السادس في المهر، الفصل السادس عشر في جهاز البنت، (۱/ ۳۲۷) ط: رشيديه).

* البحر الرائق، كتاب النكاح، باب المهر، (۳/ ۱۸۷) ط: سعيد.

طلاق کے بغیر دوسرے مرد سے نکاح کا حکم/منکوحہ کی دوسری جگہ نکاح پڑھانے والے کی امامت کا حکم/بیوی کو چھوڑنے کی نیت سے طلاق کا حکم

سوال: کیافرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ:

ایک ملک میں رواج ہے کہ اپنی منکوحہ (بنکاح صحیح) کے متعلق جب شبہ ہو جائے یا سن لے یا دیکھ لے کہ اس نے زنا کروالیا تو اس کو مار ڈالتے ہیں، اگر وہ بچ نکلے تو وہاں کے علاقہ کے بعض رئیس کے پاس جاکر امن لیتی ہے، اس وقت اس کا خاوند یہ ارادہ کرلیتا ہے کہ اب اس کو اپنے گھر واپس نہیں لاؤں گا، یعنی ارادہ ترک کا کرلیتا ہے، پھر کبھی کبھی تو دوبارہ واپس بھی رکھ لیتا ہے، جیسے کہ پہلے صرف کسی شبہ کی بناپر متہم سمجھ لیا تھا، مگر بعد میں حقیقت واضح ہونے پر دوبارہ واپس لاکر گھر میں رکھ لیتا ہے۔

دوسری صورت میں جب کہ خاوند نے ترک کا ارادہ بھی کرلیا اور دوبارہ لایا بھی نہیں، اس عورت کا نکاح وہی رئیس کسی جگہ کروادیتا ہے، پہلے خاوند کے چھوڑنے اور دوسرے کے نکاح کے درمیان میں مختلف قسم کی مدتیں گزرتی ہیں، کبھی ہفتہ، کبھی دوہفتہ، کبھی ایک ماہ، کبھی اس سے زیادہ۔ بہرحال اتنی مدت کہ کبھی عدت کے برابر ہوتی ہے، اور کبھی نہیں، اکثر کم ہوتی ہے، پہلے خاوند نے چھوڑتے وقت طلاق نہیں دی ہوتی ہے، اب جب کہ دوسرے خاوند سے اس کا نکاح تیار ہوتا ہے، تب پہلے خاوند سے طلاق نامہ منگواکر دوسرے سے فوراً نکاح پڑھوادیا جاتا ہے۔

اس طلاق کے بعد عدت کے گزرنے کا انتظار نہیں کیا جاتا ہے، اور تاویل یہ کرتے ہیں کہ جب سے خاوند نے اس کے ترک کی نیت کرلی تھی، تب سے طلاق واقع ہوگئی، اسی وقت سے عدت شروع ہو جاتی ہے، حالاں کہ اس کے بعد بھی اتنی مدت کبھی گزری ہوتی ہے اور کبھی نہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ خاوند کا ترک کی نیت کرلینا نکاح صحیح میں طلاق کے قائم مقام ہے یا نہیں؟ اور اگر نہیں تو اس قسم کے سینکڑوں نکاح جو پڑھے جارہے ہیں، تو کیا عدت کے اندر کے یہ نکاح ہو رہے ہیں یا نہیں؟ اور پڑھنے والے نکاح خواں کی امامت صحیح ہے یا نہیں؟ اور وہ نکاح خواں ان مسائل سے خوب واقف بھی ہے، تو ایسے نکاح خواں اور رئیس جس کے ذریعہ سے یہ سب کچھ ہوتا ہے، ان سب کا حکم

بتلایئے، اس قسم کے نکاحوں میں جتنی ہمبستری ہوتی ہے، اس کا گناہ سب پر ہوگا یا صرف خاوند پر؟

حوالہ کے ساتھ تشفی کرایئے! **بینوا توجروا!**

جواب: خاوند کا ترک کی نیت کرنا کسی حال میں بھی طلاق کے قائم مقام نہیں، طلاق کی تعریف جو فقہاء نے کی ہے، اس میں "**بلفظ مخصوص**" کے الفاظ موجود ہیں، صرف نیت کرنے یا ترک کی نیت کا خیال کرنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی، طلاق اس وقت ہوگی جب شوہر زبانی یا تحریری طلاق دے دے،[1] جس شخص نے ترک کی نیت کو طلاق سمجھا ہے وہ شخص خود بھی گم راہ ہے، اور دوسروں کو بھی گم راہ کر رہا ہے۔

طلاق اگر ایسی عورت کو دی جائے، جس سے خلوت صحیحہ کر لی جائے تو عدت ضروری ہے،[2] اس

---

(١) شرعاً فهو رفع قيد النكاح حالاً أو مآلاً بلفظ مخصوص، كذا في البحر الرائق. (الفتاوى الهندية، كتاب الطلاق، الباب الأول في تفسيره وركنه... إلخ (١/ ٣٤٨) ط: حقانيه پشاور).

* (هو رفع قيد النكاح في الحال أو المآل بلفظ مخصوص) هو ما اشتمل على الطلاق. وفي الرد: (قوله: هو ما اشتمل على الطلاق) أي على مادة "ط ل ق" صريحاً، مثل: أنت طالق. (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الطلاق، (٣/ ٢٢٦، ٢٢٧) ط: سعيد).

* فتح القدير، كتاب الطلاق، (٣/ ٣٢٥) ط: رشيديه.

(٢) (قوله: والعدة) وجوبها من أحكام الخلوة، سواء كانت صحيحة أم لا،ط: أي إذا كانت في نكاح صحيح. (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب في أحكام الخلوة، (٣/ ١١٨) ط: سعيد).

* رجل تزوج امرأة نكاحاً جائزاً فطلّقها بعد الدخول أو بعد الخلوة الصحيحة كان عليها العدة، كذا في فتاوى قاضي خان. (الفتاوى الهندية، كتاب الطلاق، الباب الثالث عشر في العدة، (١/ ٥٢٦) ط: حقانيه پشاور).

* أن الخلوة الصحيحة في النكاح الصحيح أقيمت مقام الدخول في وجوب العدة التي فيها حق الله تعالى ؛ لأن حق الله تعالى يحتاط في إيجابه، ولأن التسليم بالواجب بالنكاح قدحصل بالخلوة الصحيحة فتجب به العدة كما تجب بالدخول. (بدائع الصنائع، كتاب الطلاق، فصل: وأما الذي هو من التوابع فنوعان، (٣/ ١٩١) ط: سعيد).

=

عورت سے عدت میں نکاح کرنا حرام اور زنا ہے، معتدۃ الغیر محرمات میں سے ہے، ابن ہمام رحمہ اللہ محرمات کو ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

الخامس: حق الغير، كالمنكوحة والمعتدة والحامل بثابت النسب.(۱)

لہٰذا اگر آپ کی تحریر صحیح ہے تو جتنے نکاح اس قسم کے ہوتے ہیں، وہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوتے، حرام اور ناجائز ہوتے ہیں، اور اس فعل حرام کا گناہ نکاح کرنے والے مرد عورت اور اس نکاح کا انتظام کرنے والے رؤسا اور نکاح خواں سب پر ہوتا ہے۔ **أعاذنا الله من شرور أنفسنا**

مذکور الصدر نکاح خواں تو اس قابل بھی نہیں کہ اس سے سلام کلام جاری رکھا جائے، چہ جائے کہ اس کے پیچھے نماز پڑھی جائے، آپ کے یہاں کے رؤساء اور ذمہ دار حضرات کو سوچنا چاہیے کہ وہ اللہ کی قائم کی ہوئی حدود کو توڑ کر اللہ کے یہاں اپنی عاقبت کو خراب کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کی حدود کو توڑنا بہت بڑا گناہ ہے، اور ایسا شخص اللہ کا بہت بڑا باغی ہے،(2) اگر یہ حضرات سخت ہو جائیں تو اس قسم کے حرام افعال کا ارتکاب بھی نہ ہو۔

الجواب صواب	کتبہ
محمد یوسف بنوری	احقر ولی حسن عفي عنہ [جمادی الاولیٰ ۱۳۷۷ھ]
	مدرسہ عربیہ اسلامیہ، جامع نیوٹاؤن کراچی/۵

(۱) فتح القدير، كتاب النكاح، فصل في بيان المحرمات، (۳/ ۱۱۸) ط: رشيديه.

* لايجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره وكذلك المعتدة، كذا في السراج الوهاج. سواء كانت العدة عن طلاق أو وفاة أو دخول في نكاح فاسد أو شبهة نكاح، كذا في البدائع. (الفتاوى الهندية، كتاب النكاح، الباب الثالث في بيان المحرمات، القسم السادس: المحرمات التي يتعلق بها حق الغير، (۱/ ۲۸۰) ط: حقانيه پشاور).

* ولايجوز نكاح منكوحة الغير ومعتدة الغير عند الكل. (الفتاوى الخانية على هامش الفتاوى الهندية، كتاب النكاح، باب في المحرمات، بحث نكاح منكوحة الغير، (۱/ ۳٦٦) ط: حقانيه پشاور).

(۲) {وَمَن يَعْصِ اللهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُّهِينٌ} [النساء: ١٤].

کتاب الطلاق

طلاق کا بیان

”ایک، دو، تین، تو میری ماں بہن ہے، جاؤ“ کہنے سے طلاق کا حکم

سوال: مہربانی فرماکر مسئلۂ ذیل کا جواب عنایت فرماکر ممنون فرمایئے گا۔

صورتِ مسئولہ ذیل میں یہاں کے علماء اختلاف رکھتے ہیں، بعضوں کا خیال ہے کہ الفاظ مذکورات لغو ہیں، اور بعضوں کا خیال ہے کہ بنا بر عرف قائل کی منکوحہ پر تین طلاق واقع ہوئی ہیں، الفاظ یہ ہیں کہ غصہ کی حالت میں خاوند نے اپنی بیوی کو کہے ہیں، اور خاوند کا کہنا ہے کہ کہتے ہوئے نیت طلاق کی نہیں تھی، صرف غصہ میں یہ الفاظ بول دیے: ”ایک، دو، تین، تو میری ماں بہن ہے، جاؤ“۔

مستفتی: صدر مدرس مدرسہ اسلامیہ عربیہ احرار الاسلام، ریگسر لائن، لیاری، کراچی

جواب: بصورتِ مسئولہ تین طلاق واقع ہو گئیں، اس سلسلے میں کوئی واضح جزئیہ تو ملا نہیں، البتہ عبارت مندرجہ ذیل سے اس مسئلہ پر کچھ روشنی پڑتی ہے، شامی میں ہے:

وسيذكر قريباً أن من الألفاظ المستعملة: الطلاق يلزمني، والحرام يلزمني، وعلي الطلاق، وعلي الحرام، فيقع بلانية؛ للعرف، فأوقعوا به الطلاق.(۱)

ولی حسن عفي عنہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ، کراچی [۱۳۷۷ھ]

چوں کہ صراحۃً کوئی جزئیہ نہیں ملا، اور علماء کا بھی اختلاف ہے، اس لیے ایسی صورت میں صاحبِ واقعہ اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں رکھ کر جس عالم کو زیادہ معتمد سمجھے، اس پر عمل کرے۔ محمد یوسف بنوری

---

(۱) رد المحتار على الدرالمختار، كتاب الطلاق، باب الصريح، مطلب: "سن بوشن" يقع به الرجعي، (۳/ ۲٤۸) ط: سعيد.

* منحة الخالق على هامش البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب الطلاق الصريح، (۳/ ۲۵۲) ط: سعيد.
* حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الطلاق، باب الصريح، (۲/ ۱۱٤) ط: رشيديه.

''تو میری ماں ہے، بہن ہے، پھوپھی ہے'' کہنے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

میرے اور میری بیوی کے درمیان جھگڑا ہو گیا ہے، اس دوران میں نے کہا ہے: ''تو میری ماں ہے، میری بہن ہے، پھوپھی ہے۔'' اس صورت میں بیوی کو رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ مستفتی: سعید امیر، کراچی

جواب: بصورت مسئولہ اگر واقعی آپ نے صرف یہ الفاظ کہے ہیں کہ: ''تو میری ماں ہے، میری بہن ہے، پھوپھی ہے'' تو اس سے طلاق و ظہار کچھ بھی نہیں ہوئی، البتہ اس طرح کہنا مکروہ ہے۔

لما في الدر المختار: ويكره قوله: أنت أمي و ياابنتي و ياأختي ونحوه.[1]

فقط واللہ تعالی أعلم

الجواب صحیح	کتبہ
محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ	محمد عبد السلام غفرلہ (۲۱/شوال، ۱۳۹۱ھ)

(١) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الطلاق، باب الظهار، (٣/ ٤٧٠) ط: سعيد.

* ففي أنت أمي لايكون مظاهراً وينبغي أن يكون مكروهاً، فقدصرحوا بأن قوله لزوجته ياأخية مكروه، وفي حديث: رواه أبوداود عن أبي تميمة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم سمع رجلاً يقول لامرأته: يا أخية! فكره ذلك ونهى عنه ... الحديث المذكور أفاد كونه ليس ظهاراً حيث لم يبين فيه حكماً سوى الكراهة والنهي عنه، فعلم أنه لابد في كونه ظهاراً من الظهار بأداة التشبيه شرعاً، ومثله أن يقول لها: يابنتي أو ياأختي ونحوه. (فتح القدير، كتاب الطلاق، باب الظهار، (٤/ ٩١) ط: رشيديه).

* وقيد بالتشبيه لأنه لو خلاعنه بأن قال: أنت أمي لايكون مظاهراً لكنه مكروه لقربه من التشبيه وقياساً على قوله: يا أخية المنهي عنه في حديث أبي داود المصرح بالكراهة ... ومثله قوله: يابنتي، ياأختي ونحوه. (البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب الظهار، (٤/ ٩٨) ط: سعيد).

نشے کی حالت میں طلاق واقع ہو جاتی ہے

مضارع کے صیغے سے وقوعِ طلاق کا حکم

سوال: حضرت مفتی صاحب، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

ایک شخص حاجی اللہ دتو کی بیٹی مسماۃ زہرا کے اپنے خاوند مسمّی محمد صالح کے ساتھ معاملات اچھے نہیں تھے، اس بناپر خاوند محمد صالح نے مطالبہ کیا کہ اس کو دوہزار روپے دیے جائیں تو اس کے عوض وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے گا، اس بات پر حاجی اللہ دتو عوض دینے پر راضی ہو گیا۔

محمد صالح نے یونین کونسل کے چیئرمین کی معرفت ایک رجعی طلاق اپنی بیوی کو دے دی، اور اطلاعاً نوٹس اپنی بیوی کو بھیجا، اس کے بعد محمد صالح نے دوہزار روپیہ کا مطالبہ کیا، لیکن حاجی اللہ دتو نے کہا کہ: پیسے اس وقت دیے جائیں گے جب آپ آخری طلاقیں دے دو، اس پر محمد صالح نے کہا کہ: میں اس وقت تین طلاقیں دے دیتا ہوں، باقی اگر ضرورت ہوئی تو چیئرمین کے سامنے بھی دستخط کر دوں گا، اور پیسوں کی اس وقت مجھے ضرورت ہے، یہ کہہ کر محمد صالح نے تین مٹی کے ڈھیلے لاکے اپنی بیوی زہرا کے ہاتھ میں دیے اور کہا کہ: یہ تین ڈھیلے جواب کے ہیں، اس بات پر حاجی اللہ دتو نے چار گواہ دیے ہیں، میں نے دو کا حلف لے لیا ہے۔ (سندھ کی اصطلاح میں یہ تین طلاقیں ہیں، اور جواب کا لفظ طلاق کے مفہوم میں استعمال کرتے ہیں۔)

اس کے بعد محمد صالح نے پیسے وصول کیے، اور گواہوں کے سامنے لکھ دیا کہ میں نے اپنی بیوی کو جواب دیا ہے، اور اس کے عوض دوہزار روپے لے لیے، جس میں سے ۱۹۵۰ روپے وصول کیے، یہ رسید حاجی اللہ دتو نے مجھے دکھائی ہے، جس پر محمد صالح کے دستخط ہیں، اس کے بعد محمد صالح نے وصول شدہ رقم محمد حسن کے پاس امانت رکھی، اور اس کو بتایا کہ: میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے، اس کے عوض یہ رقم لی ہے، خود حسن سے بھی میں نے بیان لیا ہے، جس نے بتایا کہ واقعی محمد صالح نے میرے سامنے طلاق

کااقرار کیاہے،اوراس کے عوض پیسے لیے ہیں۔

پھر محمد صالح نے محمد شعبان کو کہاہے کہ: میرے سے غلطی ہوگئی ہے کہ میں نے دوہزار روپیہ لے

پھر محمد صالح نے محمد شعبان کو کہاہے کہ: میرے سے غلطی ہوگئی ہے کہ میں نے دوہزار روپیہ لے

کے بیوی کو طلاق دی ہے،اب میرے رشتہ دار ناراض ہیں،لہٰذا میری مدد کی جائے،اور میں نے طلاق نشہ کی حالت میں دی ہے،اب حاجی اللہ دتو دریافت طلب ہے کہ اس حالت میں محمد صالح اپنی بیوی کے ساتھ شرعاً رکھ سکتاہے یانہیں؟

فقط مستفتی:العبد در محمد

جواب: بصورت مسئولہ محمد صالح کی جانب سے اس کی بیوی زہرا پر تین طلاق واقع ہوگئیں، جس کا حکم یہ ہے کہ مسماۃ مذکورہ اب بدون حلالہ مسمّٰی مذکور پر حلال نہیں ہوسکتی،[1] اور مسماۃ مذکورہ کو عدت کے بعد حق ہوگا کہ مسمّٰی مذکور کے علاوہ جس شخص سے چاہے عقد کرے، کیوں کہ محمد صالح نے زہرا کے والد کے مطالبۂ طلاق پر کہا: ''میں اس وقت تین طلاق دے دیتاہوں'' الفاظ مذکورہ اگرچہ ماضی کے نہیں، بلکہ مضارع کے ہیں، لیکن طلاق مضارع کے صیغے سے اگر دی جائے،اور نیت کا دلالتِ حال (جس طرح یہاں موجود ہے کہ طلاق کا ذکر ہورہاہے، زہرا کا والد مطالبہ کررہاہے، بدلِ خلع طے ہورہاہے) موجود ہو تو طلاق ہوجاتی ہے، کیوں کہ طلاق بصیغۂ مضارع کنایات میں سے ہے۔ کما هوالتصريح في كتبنا۔

---

(١) وإن كان الطلاق ثلاثا في الحرة وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا ويدخل بها ثم يطلقها أو يموت عنها كذا في الهداية. (الفتاوى الهندية، كتاب الطلاق، الباب السادس في الرجعة وفيما تحل به المطلقة وما يتصل به، فصل فيما تحل به المطلقة وما يتصل به (١/ ٤٧٣) ط: رشيديه).

* البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة (٤/ ٥٦) ط: سعيد.
* الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الطلاق، باب الرجعة (٣/ ٤٠٩، ٤١٠) ط: سعيد.

=

صاحبِ بحر نے تو یہ بھی تصریح کی ہے کہ مضارع اگر حال میں استعمال ہونے لگے تو طلاق بلانیت واقع ہو جاتی ہے۔

كما في ردالمحتار:"وكذا المضارع إذا غلب في الحال ..." الخ[1]

مزید برآں محمد صالح کا اپنی بیوی کو تین طلاق پتھر دے کر کہنا کہ: ''یہ تین پتھر جواب کے ہیں''اور سندھ کے عرف میں لفظ ''جواب'' بالکل طلاق صریح کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، جب کہ شوہر اپنی بیوی کے سامنے استعمال کرے، جیسا کہ مستفتی نے نہایت وثوق اور یقین کے ساتھ استفتا میں درج بھی کیا ہے اور زبانی بھی کہا، اور فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ کوئی لفظ جب طلاق کے معنی میں استعمال ہونے لگے اس طرح کہ اس حالت میں کوئی دوسرا معنی سمجھ میں نہ آئے تو وہ لفظ طلاق صریح کے لیے خاص ہو جائے گا۔

قال ابن عابدين في ردالمحتار:

وقد مرّ أن الصريح ما غلب في العرف استعماله في الطلاق بحيث لايستعمل عرفاً إلا فيه، من أي لغة كانت. وهذا في عرف زماننا كذلك. فوجب اعتباره صريحاً كما أفتى المتأخرون.[2]

---

(١) رد المحتار على الدر المختار، كتاب الطلاق، باب الصريح، مطلب: "سن بوشن" يقع به الرجعي، (٣/ ٢٤٨) ط: سعيد.

* وليس منه "أطلقك" بصيغة المضارع إلا إذا غلب استعماله في الحال. (البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب الطلاق الصريح، (٣/ ٢٥٢) ط: سعيد).

* فتح القدير، كتاب الطلاق، باب إيقاع الطلاق، (٣/ ٣٥٤) ط: رشيديه.

(٢) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الطلاق، باب الصريح، مطلب في قول البحر: إن الصريح يحتاج في وقوعه ديانة إلى النية، (٣/ ٢٥٢) ط: سعيد.

* والأصل الذي عليه الفتوى في زماننا هذا في الطلاق بالفارسية أنه إذا كان فيها لفظ لايستعمل إلا في الطلاق فذلك اللفظ صريح يقع به الطلاق من غير نية إذا أضيف إلى المرأة. وماكان =

علاوہ ازیں لفظ جواب طلاق صریح کے ہم معنی اگر نہ سمجھا جائے تو کنایہ میں سے ضرور ہوگا، اور الفاظِ کنایہ سے نیت یا دلالتِ حال یا مذاکرۃ الطلاق کی صورت میں طلاق ہو جاتی ہے۔[1]

اور تین پتھر اگر عورت کی طرف پھینک دیے جائیں تو زبان سے طلاق یا قائم مقام طلاق کے الفاظ نہیں کہے جائیں تو طلاق واقع نہیں ہوتی، البتہ اگر طلاق یا قائم مقام طلاق کے الفاظ کہے جائیں تو طلاق ہو جائے گی، جس طرح صورت مسئولہ میں ہے۔ **كما صرّح به ابن عابدين في رد المحتار:**

فلايقع بإلقاء ثلاثة أحجار إليها ... ؛ لأن ركن الطلاق اللفظ... الخ[2]

بالفارسية من الألفاظ مايستعمل في الطلاق وفي غيره فهو من كنايات الفارسية فيكون حكمه حكم الكنايات العربية في جميع الأحكام. (الفتاوى الهندية، كتاب الطلاق، الباب الثاني في إيقاع الطلاق، الفصل السابع في الطلاق بالألفاظ الفارسية، (١/ ٣٧٩) ط: رشيديه).

* بدائع الصنائع، كتاب الطلاق، فصل في النية في أحد نوعي الطلاق وهو الكناية (٢/ ١٠٢) ط: سعيد.

(١) فالكنايات لاتطلق بها قضاء إلاَّ بنية أو دلالة الحال وهي حالة مذاكرة الطلاق أو الغضب. (الدر المختار على رد المحتار، كتاب الطلاق، باب الكنايات، (٣/ ٢٩٦، ٢٩٧) ط: سعيد).

* البحر الرائق ، كتاب الطلاق ، باب الكنايات في الطلاق ، (٣/ ٢٩٨) ط: سعيد.

* الفتاوىٰ الهندية ، كتاب الطلاق ، الباب الثاني في إيقاع الطلاق، الفصل الخامس في الكنايات، (١/ ٣٧٤) ط: رشيديه.

* والأصل الّذي عليه الفتوٰى في زمننا هٰذا في الطلاق بالفارسية أنّه إن كان فيها لفظ لايستعمل إلَّا في الطلاق، فذلك اللفظ صريح يقع به الطلاق من غير نية إذا أضيف إلى المرأة ، مثل أن يقول في عرف ديارنا : رها كنم أو في عرف خراسان والعراق بهشتم ؛ لأنّ الصريح لايختلف باختلاف اللغات، وماكان في الفارسية من الألفاظ ما يستعمل في الطلاق وفي غيره فهو من كنايات الفارسية فيكون حكمه حكم كنايات العربية في جمع الأحكام، والله أعلم. (بدائع الصنائع ، كتاب الطلاق ، فصل في النية في أحد نوعي الطلاق وهو الكناية ، (٣/ ١٠٢) ط: سعيد).

(٢) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الطلاق، باب الصريح، (٣/ ٢٤٧) ط: سعيد.

* الفتاوى الهندية، كتاب الطلاق، الباب الثاني في إيقاع الطلاق، الفصل الأول في الطلاق الصريح، (١/ ٣٥٧) ط: حقانيه پشاور.

=

پھر صورت مسئولہ میں محمد صالح کا اقرار کہ میں نے نشہ کی حالت میں طلاق دی ہے، یہ سب امور وقوعِ طلاق کے دلائل ہیں۔[1]

الغرض محمد صالح کی طرف سے اس کی منکوحہ پر طلاق ثلاثہ واقع ہو گئیں، جس کا حکم تحریر کر دیا گیا۔

واضح رہے کہ یہ جواب بصورتِ صدقِ مضمونِ استفتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صواب	کتبہ
محمد یوسف البنوری عفا اللہ عنہ	احقر ولی حسن عفي عنہ

(۱۷/ محرم الحرام ۱۳۸۲ھ)

زبانی اور تحریری طور پر جبری طلاق کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرعِ متین مذکورہ ذیل مسئلہ میں کہ:

یونس کے اقرار اور شاہدوں کی گواہی سے یونس کی منکوحہ پر طلاق واقع ہو گی یا نہیں؟

یونس کا اقرار یہ ہے: میں (یونس) اقرار کر رہا ہوں کہ مجھے تقریباً رات کے بارہ بجے محمد نزرول اپنے بازار کے مکان میں لے گیا، اس کے بعد جناب لطف الرحمن صاحب نے مجھے کہا کہ: اے یونس! تم اپنی

---

* الفتاوى الخانية على هامش الفتاوى الهندية، كتاب الطلاق، (١/ ٤٦٣) ط: حقانيه پشاور.

(١) ولو أقرّ بالطلاق كاذباً أو هازلاً وقع قضاءً لاديانة. (رد المحتار على الدرالمختار، كتاب الطلاق، مطلب في الإكراه على التوكيل بالطلاق والنكاح والعتاق، (٣/ ٢٣٦) ط: سعيد).

* البحر الرائق، كتاب الطلاق، (٣/ ٢٤٦) ط: سعيد.

* وإن قال لها: طلقتك أمس، وهو كاذب كانت طالقًا في القضاء، فأمّا فيما بينه وبين الله تعالىٰ فهي امرأته ؛ لأنّ الإقرار إخبار محتمل للصدق والكذب إلّا أن دينه وعلقه يحمله على الصدق ويمنعه عن الكذب، فحملنا كلامه في الظاهر على الصدق ، فأمّا فيما بينه وبين الله تعالىٰ فالمخبر عنه إذا كان كذبا لايصير بالإخبار عنه صدقًا ؛ فلهٰذا لايقع شيئ. (المبسوط للسرخسي ، كتاب الطلاق ، باب من الطلاق ، (٦/ ١٤٠) ط: دار المعرفة).

دوسری بیوی کو طلاق دے دو، میں نے انکار کیا تو اس گفتگو کے دوران محمد نزرول نے ایک طلاق نامہ لکھا، اور مجھ سے میری بیوی کا نام پوچھا، میں نے اس خوف سے کہ کہیں بیوی کو طلاق واقع نہ ہو جائے، یہ کہہ دیا کہ، مجھے نام یاد نہیں ہے، طلاق نامہ میں بیوی کے نام کی جگہ خالی چھوڑ دی گئی، مجھ پر بہت زور لگایا گیا کہ میں زبان سے طلاق دے دوں، لیکن میرا غالب گمان ہے کہ میں نے منہ سے طلاق نہیں دی، ہاں، طلاق نامہ میں کاتب نے جو کچھ لکھا، وہ میں نے سب کچھ سنا ہے، اور مجھے علم بھی تھا کہ یہ میرے متعلق طلاق نامہ لکھا گیا ہے۔

جب مجھ سے اس پر دستخط کرنے کو کہا تو میں نے یہ سوچ کر دستخط کر دیے کہ چوں کہ میں نے بیوی کا نام نہیں بولا، اور وہ جگہ طلاق نامہ میں خالی ہے، اس لیے طلاق واقع نہ ہو گی۔ فقط: بندہ محمد یونس

شاہدوں کی گواہی (زبان بندی)

۱- میں لطف الرحمن گواہی دیتا ہوں کہ یونس نے طلاق نامہ پڑھ کر دستخط کیے ہیں، رہا یہ کہ زبان سے طلاق دی ہے یا نہیں؟ شور وغل کی وجہ سے میں نے سنا نہیں۔ احقر: لطف الرحمن

۲ - میں نزرول گواہی دیتا ہوں کہ یہ طلاق نامہ میں نے خود لکھا ہے، اور یونس نے اس کو پڑھنے کے بعد دستخط کیے، لیکن جب زبان سے کہنے کے لیے یونس کو کہا گیا تو اس نے زبان سے طلاق نہیں دی، بلکہ یہ کہا کہ ڈھاکہ میں تو تمہارے سامنے سو سو مرتبہ طلاق دی ہے، اب کہنے کی کیا ضرورت ہے؟
احقر الوریٰ: محمد نزرول

۳ - میں ہاشم گواہی دیتا ہوں کہ محمد نزرول یونس میاں کو اپنے مکان میں لے گیا، جناب لطف الرحمن صاحب نے کہا کہ: اے یونس! اپنی دو بیویوں میں سے ایک کو طلاق دے دو، اس کے بعد نزرول نے ایک طلاق نامہ لکھا، اور سنایا، اور یونس نے اس پر دستخط کیے، پھر طلاق دینے کے لیے یونس پر زبردستی نہیں کی گئی۔ بندہ ہاشم

۱ – اولاً: یہ فرمایئے کہ مندرجہ بالا صورت میں یونس کی منکوحہ پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

۲ – یونس اور گواہوں کی زبان بندی (گواہی) سے جبر واکراہ ثابت ہوتا ہے یا نہیں ہوتا؟ اگر اکراہ ثابت ہوتا ہے تو:

رجل أكره بالضرب والحبس ... لاتطلق امرأته.(عالمگيري، قاضيخان)[1] کے مطابق طلاق واقع نہیں ہونی چاہیے۔

مگر اب یہ بتایئے کہ "مکرہ" کے لیے یہاں **بالضرب والحبس** کی قید لگائی گئی ہے، اور اس صورت میں **بالضرب والحبس** کی شکل نہیں پائی جاتی، لہٰذا اکراہ وجبر ثابت ہوگا یا نہیں؟ اور یہ قید مخصّصہ ہے یا احترازی؟ یہاں کے بعض علماء کہتے ہیں: قید احترازی ہے، لہٰذا بالضرب والحبس کے سوا اکراہ ثابت نہ ہوگا، ان میں سے کون سا فریق حق پر ہے؟

۳ – مطلّق یونس کی بات کا اعتبار کیا جائے گا یا شاہدوں کی بات کا؟ اگر گواہ داڑھی منڈے یا کترانے والے ہوں یا جھوٹ بولنے کے عادی ہوں، ان کی گواہی کا اعتبار ہوگا یا نہیں؟ **بيّنوا توجروا !**

مستفتی: بندہ محمد یونس (۱۳/صفر ۱۳۸۴ھ)

جواب: استفتا کے جواب سے قبل بطور تمہید کے چند باتوں کا جاننا ضروری ہے:

۱ – اکراہ کی شرعی تعریف یہ ہے کہ کسی شخص کی جانب سے کوئی شخص کسی کام کے کرنے پر ایسا مجبور کر دیا جائے کہ نہ کرنے کی صورت میں اس کو اپنی جان یا اپنے بدن کے کسی عضو کے تلف ہونے کا یا پٹائی اور قید وبند کا غالب گمان ہو۔ اکراہ کی دو قسمیں ہیں: (1) اکراہ تام۔ (2) اکراہ ناقص۔

---

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الطلاق، الباب الثاني في إيقاع الطلاق، الفصل السادس في الطلاق بالكتابة، (۱/ ۳۷۹) ط: حقانيه پشاور.

* الفتاوى الخانية على هامش الفتاوى الهندية، كتاب الطلاق، فصل في الطلاق بالكتابة، (۱/ ٤٧٢) ط: حقانيه پشاور.

اکراہ تام: یہ ہے کہ جس میں قتل یا کسی عضو کے ضائع کرنے کی دھمکی دی جائے۔

اکراہ ناقص: جس میں معمولی پٹائی یا قید وبند سے ڈرایا جائے۔

فقہاء کرام نے بعض اور صورتیں بھی لکھیں ہیں، جن سے اکراہ متحقق ہوتا ہے، مثلاً: اگر کوئی شخص کسی کو امر کرے اور امر کے ساتھ تہدید اور ڈراوا نہ ہو، لیکن مامور کو دلالۃ الحال سے یہ معلوم ہو جائے کہ اگر میں نے یہ کام نہ کیا تو آمر مجھے قتل کر ڈالے گا۔

اسی طرح فقہاء یہ بھی لکھتے ہیں کہ اکراہ اور عدمِ اکراہ میں لوگوں کے طبائع کو بھی کافی دخل ہے، بعض شریف لوگوں کو دوسرے شخص کی تیز کلامی اور ترش روئی سے بھی سخت تکلیف ہوتی ہے، اور اس سے پریشانی اور غم میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اور جو رذیل اور کمینہ قسم کے لوگ ہیں، ان کو معمولی پٹائی سے بھی احساس تک نہیں ہوتا۔

غرض اکراہ کے لیے یہ شرط ہے کہ مکرِہ کی بات کو نہ ماننے کی صورت میں مکرَہ کو اپنی جان یا کسی عضو کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو، یا کسی ایسے غم میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو کہ جس سے اس کی رضا معدوم ہو جائے۔

چناں چہ در مختار میں ہے:

"وشرعاً (فعل يوجد من المكرِه، فيحدث في المحل معنى يصير به مدفوعاً إلى الفعل الذي طلب منه). وهو نوعان: تام: وهو الملجئ بتلف نفس أو عضو أو ضرب مبرّح وإلا فناقص." وفي رد المحتار: والفعل يتناول الحكمي كما إذا أمر بقتل رجل ولم يهدّده بشيءٍ، إلا أن المأمور يعلم بدلالة الحال أنه لو لم يقتله لقتله أو قطعه الآمر فانه إكراه. وفي: الدر المختار: (و) الثالث: (كون الشيء المكره به متلفاً نفساً أو عضواً أو موجباً غمًّا يعدم الرضا)، وهذا أدنى مراتبه، وهو يختلف باختلاف الأشخاص بأن الأشراف يغمّون بكلام خشنٍ، والأراذل ربما لايغمّون إلابالضرب المبرّح.[1]

(١) الدرالمختار مع الدرالمختار، كتاب الإكراه، (٦/ ١٢٨، ١٢٩) ط: سعيد.

=

۲ – بہر حال اکراہ کے متحقق ہونے کے لیے چند قیود ہیں، اگر وہ قیود نہ پائی جائیں تو اکراہ متحقق نہ ہوگا۔

۳ – بعض اشیاء ایسی ہیں کہ اکراہ کی وجہ سے ان کا حکم نہیں بدلتا، اور اکراہ کی بنا پر ان کے حکم میں کوئی تبدیلی اور ترمیم نہیں ہوتی، بلکہ اکراہ کی حالت میں بھی ان پر وہی حکم مرتب ہوتا ہے، جو رضا کی صورت میں ہوتا ہے، جیسے طلاق وغیرہ، صاحبِ درمختار نے بیس چیزیں ایسی بتلائی ہیں کہ جن کا حکم اکراہ کی وجہ سے متأثر نہیں ہوتا،[1] ان میں سے ایک طلاق بھی ہے، تو طلاق کے الفاظ اگر کسی نے جبر و اکراہ سے بھی زبان سے ادا کر دیے تو طلاق واقع ہو جائے گی۔

چناں چہ درمختار میں تحریر کیا ہے:

"(ويقع طلاق كل زوج بالغ عاقل) ولو تقديراً، بدائع، ليدخل السكران، (ولو عبداً أو مكرهًا)؛ فإن طلاقه صحيح لا إقراره بالطلاق وقد نظم في النهر مايصح مع الإكراه، فقال: ... " الخ[2]

---

* الفتاوى الهندية، كتاب الإكراه، الباب الأول في تفسيره شرعاً وأنواعه وشروطه وحكمه وبيان بعض المسائل، (٥/ ٣٥) ط: حقانيه پشاور.
* فتح القدير، كتاب الإكراه، (٨/ ١٦٦، ١٦٨) ط: رشيديه.

(١) وعبارته: هناك نظم في النهر ما يصح مع الإكراه فقال:

طلاق وإيلاء ظهار ورجعة نكاح مع استيلاء عفو عن العمد
رضاع وأيمان وفيء ونذره قبول لإيداع كذا الصلح عن عمد
طلاق على جعل يمين به أتت كذا العتق والإسلام تدبير للعبد
وإيجاب إحسان وعتق فهذه تصح مع الإكراه عشرين في العد

(رد المحتار على الدرالمختار، كتاب الإكراه، (٦/ ١٣٩) ط: سعيد).

(٢) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الطلاق، (٣/ ٢٣٥) ط: سعيد.

* يقع طلاق كل زوج إذا كان بالغاً عاقلاً سواء كان حراً أو عبداً طائعاً أو مكرهاً، كذا في الجوهرة النيرة. (الفتاوى الهندية، كتاب الطلاق، الباب الأول في تفسيره وركنه وشرطه ...، فصل في من يقع طلاقه وفي من لايقع طلاقه، (١/ ٣٥٣) ط: حقانيه پشاور).

=

٤ – کتابت اور لکھنے سے بھی شرعاً طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ چناں چہ عالمگیری میں لکھا ہے:

"الكتابة على نوعين: مرسومة وغيرمرسومة ... وإن كانت مرسومة يقع الطلاق نوى أو لم ينو."(١)

٥ – اگر جبراً کسی سے طلاق نامہ لکھوایا گیا یا طلاق نامہ لکھ کر زبردستی دستخط کروائے گئے تو شرعاً واقع نہ ہوگی۔ چناں چہ عالمگیری میں تحریر کیا ہے:

"رجل أكره بالضرب والحبس على أن يكتب طلاق امرأته فلانة بنت فلان بن فلان، فكتب: امرأته فلانة بن فلان بن فلان طالق لاتطلق امرأته. كذا في قاضي خان."(٢)

اسی طرح علامہ شامی ردالمحتار میں فرماتے ہیں:

"فلو أكره على أن يكتب طلاق امرأته فكتب، لاتطلق..."الخ(٣)

---

* فتح القدير، كتاب الطلاق، فصل ويقع طلاق كل زوج إذا كان عاقلاً...، (٣/ ٣٤٤) ط: رشيديه.

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الطلاق، الباب الثاني في إيقاع الطلاق، الفصل السادس في الطلاق بالكتابة، (١/ ٣٧٨) ط: حقانيه پشاور.

* رد المحتار على الدرالمختار، كتاب الطلاق، مطلب في الطلاق بالكتابة، (٣/ ٢٤٦) ط: سعيد.

* غير الأخرس يقع طلاقه بكتابته إذا كان مستبيناً لا مالايستبين، فإن كان على وجه الرسم لايحتاج إلى النية، ولايصدق في القضاء أنه عنى تجربة الخط. (البحرالرائق، كتاب الطلاق، مبحث الطلاق بالكتابة، (٣/ ٢٤٩) ط: سعيد).

(٢) الفتاوى الهندية، كتاب الطلاق، الباب الثاني في إيقاع الطلاق، الفصل السادس في الطلاق بالكتابة، (١/ ٣٧٩) ط: حقانيه پشاور.

(٣) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الطلاق، مطلب في الإكراه على التوكيل بالطلاق والنكاح والعتاق، (٣/ ٢٣٦) ط: سعيد.

* البحر الرائق، كتاب الطلاق، بحث: الطلاق مكرهاً، (٣/ ٢٤٦) ط: سعيد.

=

٦- اگر کسی نے جھوٹ طلاق کا اقرار کر لیا یعنی پہلے طلاق نہیں دی تھی، اور اقرار کر لیا کہ میں تو طلاق دے چکا ہوں، تو قضاءً طلاق واقع ہو جائے گی۔ چناں چہ علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ رد المحتار میں لکھتے ہیں:

"ولو أقرّ بالطلاق كاذباً أو هازلاً وقع قضاءً لا ديانةً. "(١)

٧- اگر شوہر طلاق دینے سے منکر ہو تو طلاق کو شہادت تامہ یعنی دو عادل مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے ثابت کرنا ضروری ہے، اگر عدد پورا نہ ہو یا گواہوں میں عدالت نہ پائی جائے تو ان کی شہادت سے طلاق ثابت نہ ہو گی، ڈاڑھی منڈانا فسق ہے؛ اس لیے ڈاڑھی منڈوں کی گواہی ثبوت طلاق کے لیے کافی نہیں ہے۔ چناں چہ در مختار میں لکھا ہے:

"(و) نصابها (لغيرها من الحقوق سواء كان) الحقّ (مالاً أوغيره كنكاح وطلاق ووكالة ووصية واستهلال صبي) ولو (للإرث، رجلان)... (أو رجل وامرأتان)... (ولزم في الكل)... (لفظ "أشهد")... (لقبولها، والعدالة لوجوبه)."(٢)

---

(١) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الطلاق، مطلب في الإكراه على التوكيل بالطلاق والنكاح والعتاق، (٣/ ٢٣٦) ط: سعيد.

* ولو أقرّ بالطلاق وهو كاذب وقع في القضاء. اهـ (البحر الرائق، كتاب الطلاق، بحث: الطلاق مكرهاً، (٣/ ٢٤٦) ط: سعيد).

* وإن قال لها: طلقتك أمس، وهو كاذب كانت طالقًا في القضاء، فأمّا فيما بينه وبين الله تعالىٰ فهي امرأته؛ لأنّ الإقرار إخبار محتمل للصدق والكذب إلاّ أن دينه وعقله يحمله على الصدق ويمنعه عن الكذب، فحملنا كلامه في الظاهر على الصدق، فأمّا فيما بينه وبين الله تعالىٰ فالمخبر عنه إذا كان كذبا لايصير بالإخبار عنه صدقًا؛ فلهٰذا لايقع شيئ. (المبسوط للسرخسي، كتاب الطلاق، باب من الطلاق، (٦/ ١٤٠) ط: دار المعرفة).

(٢) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الشهادات، (٥/ ٤٦٥) ط: سعيد.

=

اس تمہید کو ذہن نشین کرنے کے بعد استفتاپر غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ صاحبِ واقعہ محمد یونس کے اقرار اور گواہوں کے بیانات سے اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ محمد یونس پر زبردستی اور جبر واکراہ سے کام نہیں لیا گیا، کیوں کہ اکراہ کی جو تعریف بیان کی گئی ہے اور اس کے تحقق کے لیے جو شرطیں ہیں، وہ موجود نہیں ہیں، لیکن اس اقرار وشہادات سے وقوعِ طلاق یا عدمِ وقوع کا فیصلہ کرنا مشکل ہے، کیوں کہ استفتا میں خفا ہے، محمد نزرول نے جو طلاق نامہ مرتب کیا ہے، اس کے الفاظ مذکور نہیں ہیں، تو جب تک طلاق نامہ سامنے نہ ہو تو اس وقت تک یہ کہنا کہ طلاق واقع ہوئی یا نہیں دشوار ہے، طلاق نامہ میں طلاق کے جو الفاظ تحریر کیے گئے ہیں، ان کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرنا ممکن ہوگا۔

ہاں، البتہ محمد نزرول نے گواہی میں جو یہ الفاظ قلم بند کیے ہیں:

"لیکن جب زبان سے کہنے کے لیے محمد یونس کو کہا گیا تو اس نے زبان سے طلاق نہیں دی، بلکہ یہ کہا کہ: ڈھاکہ میں تو تمہارے سامنے سو سو مرتبہ طلاق دی ہے، اب کہنے کی کیا ضرورت ہے۔"

اگر اس تحریر سے صاحبِ واقعہ محمد یونس بھی متفق ہو تو شرعاً طلاق واقع ہو جائے گی، جیسا کہ اوپر علامہ شامی رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھا گیا ہے کہ جھوٹ اقرار کرنے سے بھی قضاءً طلاق واقع ہو جاتی ہے۔[1]

---

* والعدالة وهي شرط وجوب القبول على القاضي لاجوازه، كذا في البحر الرائق ... ومنها: الشهادة بغير الحدود والقصاص ومايطلع عليه الرجال وشرط فيها شهادة رجلين أو رجل وامرأتين سواء كان الحق مالاً أو غير مال، كالنكاح والطلاق والعتاق والوكالة والوصاية ونحو ذلك مما ليس بمال، كذا في التبيين. (الفتاوى الهندية، كتاب الشهادات، الباب الأول في تعريفها وركنها وسبب أدائها...، (٣/ ٤٥٠، ٤٥١) ط: حقانيه پشاور).

* (قوله: ولغيرها رجلان أو رجل وامرأتان) للآية أطلقه فشمل المال وغيره كالنكاح والطلاق ... (قوله: للكلّ لفظ الشهادة والعدالة) ... وأما العدالة فليست شرطاً في صحة الأداء وإنما ظهورها شرط وجوب القضاء على القاضي. (البحر الرائق، كتاب الشهادات، (٧/ ٦٢، ٦٣) ط: سعيد).

(١) سبق تخريجه آنفاً.

اور اگر محمد یونس اس تحریر سے اتفاق نہ کرے، اور محمد نزرول کے ساتھ اس کے علاوہ اور کوئی گواہی دینے والا نہ ہو تو صرف محمد نزرول کی اس شہادت سے طلاق ثابت نہ ہو گی۔ غرض:

۱ – صورت مسئولہ میں طلاق کے وقوع یا عدم وقوع کا فیصلہ کرنا بغیر طلاق نامہ دیکھے دشوار ہے۔

۲– یونس اور گواہوں کی گواہی سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ یونس پر زبردستی نہیں کی گئی، "رجل أكره بالضرب والحبس" میں "ضرب" اور "حبس" اکراہ کے متحقق ہونے کے لیے قیود ہیں، ان کے بغیر اکراہ متحقق نہ ہو گا، لہٰذا یہ قیود احترازیہ ہیں، تفصیل اور اس کے اقسام اوپر معلوم ہو چکے ہیں۔

۳– اگر محمد یونس طلاق دینے سے انکار کرے، اور گواہ طلاق دینے کے دعوے دار ہوں تو گواہ اگر عادل ہوں، اور عدد بھی تام ہو تو ان کی بات شرعاً معتبر ہو گی،[1] اور اگر گواہ ڈاڑھی منڈے ہیں یا ڈاڑھی کتر واتے ہیں یا جھوٹ بولنے کے عادی ہیں تو ایسے گواہ عادل نہیں ہیں، لہٰذا ان کی گواہی طلاق کے بارے میں قابل قبول نہ ہو گی۔ **واللہ تعالیٰ أعلم وعلمه أتمّ وأحكم**

الجواب صواب **کتبه**

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ بندہ احمد الرحمن غفرلہ (۱۹/صفر ۱۳۸۴ھ)

---

(۱) وفي آخر "كتاب الاستحسان": إذا شهد عند المرأة شاهدان عدلان أن زوجها طلّقها ثلاثاً، وهو يجحد ذلك، ثمّ ماتا أو غابا قبل أن يشهدا عند القاضي، لم يسعها أن تقيم معه وأن تدعها يقربها. (المحيط البرهاني، كتاب النكاح، الفصل الخامس والعشرون: نكاح المحلل والفضولي، (٤/ ٢٥١) ط: إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، كراچی).

* الفتاوى التاتارخانية، كتاب الطلاق، مسائل المحلل وغيرها، (٣/ ٦٠٩) ط: إدارة القرآن كراچی.
* الفتاوى الهندية، كتاب الطلاق، الباب السادس في الرجعة وفيما تحلّ به المطلقة، فصل فيما تحلّ به المطلّقة ومايتصل به، (١/ ٥٧٥) ط: حقانيه پشاور.

طلاق معلق اور حالتِ غضب میں طلاق

سوال: برائے رضای خدا ونجات این جانب از مرگ وبهم رسانید دوحلال همکاری کند. چنیں اظهار داشته ام مقرر فرمائیند جواب را در زیر بادلائل نویسند چوں خودم عازم گزید بودم کی عیال خود را از گزیک بیاورم آخوند آواز گفت تو نرومن پروم بیاورم که رفت ونیاورد- البته این صرف درحالت غضب وندانی بودم ومقصود من طلاق وجدائی نبوده.

(آخوند شما شاهد بائید که اگر او امروز آواز نیابد درخانه من سیصد طلاق باشد)

جواب: درصورتے که بالا مذکورشده طلاق معلق است به آمدن زوجه از آوازست، اگر زوجه از آواز درآں روز نرسید طلاق مغلظ واقع شده، چیزے دیگر درصورت مذکوره تحمل ندارد،[1] وعذاب آخرت از عذاب دنیا خطرناک تر است.

وخوف خدا بالاتر از خوف مثل این.

حالت غضب مسقط طلاق شده نمی تواند،[2] وعدم علم وعدم اراده نیز حجت عدم طلاق

---

(١) وإذا أضاف الطلاق إلى النكاح وقع عقيب النكاح، مثل أن يقول: إن تزوجتك فأنت طالقٌ، أو كل امرأة أتزوجها فهي طالقٌ، وإن أضافه إلى شرطٍ وقع عقيب الشرط، مثل أن يقول لامرأته: إن دخلت الدار فأنت طالق. (وإذا أضافه) أي الطلاق (إلى) وجود (شرط وقع عقيب) وجود (الشرط) وذلك (مثل أن يقول لامرأته: إن دخلت الدار فأنت طالق)، وهٰذا بالإتفاق؛ لأنّ الملك قائم في الحال، والظاهر بقاؤه إلى وقت الشرط، ويصير عند وجود الشرط كالمتكلّم بالطلاق في ذلك الوقت. (اللباب شرح الكتاب، كتاب الطلاق، (٣/ ٤٦) ط: المكتبة العربية بيروت)

* وإذا أضافه إلى الشرط وقع عقيب الشرط اتّفاقًا، مثل أن يقول لامرأته: إن دخلت الدار فأنت طالق. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الطلاق، الفصل الثاني في تعليق الطلاق، (١/ ٤٢٠) ط: رشيديه)

* (وتنحل) اليمين (بعد) وجود (الشرط مطلقًا) . (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الطلاق، باب التعليق، (٣/ ٣٥٥) ط: سعيد)

(٢) ويقع الطلاق من غضب خلافًا لابن القيم اهـ وهٰذا الموافق عندنا. (رد المحتار على الدر المختار، كتاب الطلاق، (٣/ ٢٤٤) ط: سعيد)

* قال المطرزي: قولهم إيّاك والغلق أي الضجر والغضب، ورد الفارسي في مجمع الغرائب على من قال الإغلاق الغضب وغلطه في ذلك، وقال: إن طلاق النّاس غالبًا إنّما هو في حال =

نیست، "**ثلاث جدهنّ جدّ وهزلهنّ جدّ**"(۱) درحدیث نبوی فیصلہ شدہ است. واللہ أعلم

کتبہ:محمد یوسف البنوري عفا الله عنه

تین طلاق تحریراً دینے سے کتنی طلاقیں واقع ہوں گی؟

سوال: ایک شخص نے بیوی کو تین طلاق لکھ کر دے دیں، علماءِ اہلِ حدیث غیر مقلدین سے جواب ملا، لیکن ان میں بھی اختلاف ہے، ایک کہتا ہے کہ ایک طلاق رجعی واقع ہوئی، دوسرا اس کی تائید میں

الغضب، وقال ابن المرابط: الإغلاق حرج النفس وليس كل من وقع له فارق عقله، ولو جاز عدم وقوع طلاق الغضبان لكان لكل أحد أن يقول فيما جناه كنت غضبان اهـ وأراد بذلك الرد على من ذهب إلى أنّ الطلاق في الغضب لايقع، وهو مروي عن بعض متأخري الحنابلة، ولم يوجد عن أحد من متقدم إلاّ ما أشار إليه أبو دواد، وأمّا قوله في المطالع: الإغلاق الإكراه وهو من أغلقت الباب، وقيل: الغضب، وإليه ذهب أهل العراق فليس بمعروف عن الحنفية.(فتح الباري لابن حجر، كتاب الطلاق، باب الطلاق في الإغلاق والكره والسكران والمجنون وأمرهما والغلط والنسيان في الطلاق والشرك وغيره، (٩/ ٣٨٩) ط: دار المعرفة بيروت).

* الفتاوىٰ التاتارخانية ، كتاب الطالق ، فصل فيما يرجع إلى صريح الطلاق ، (٣/ ٢٧٥) ط: إدارة القرآن كراچی.
* إعلاء السنن ، كتاب الطلاق، باب عدم صحة طلاق الصبي والمجنون ، ط: إدارة القرآن).

(۱) وعن أبي هريرة أنّ رسول الله صلى الله عليه وسلم قال : ثلاث جدّهنّ جدّ وهزلهنّ جدّ : النكاح والطلاق والرجعة . رواه الترمذي ، وأبو داود وقال الترمذي : هذا حديث حسن غريب . (مشكاة المصابيح ، كتاب الطلاق، باب الخلع والطلاق، (٢/ ٢٨٤) ط: قديمی).

* عن عطاء بن أبي رباح، عن يوسف ابن ماهك عن أبي هريرة أنّ رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ثلاث جدّهنّ جدّ وهزلهنّ جدّ: النكاح والطلاق والرجعة . (جامع الترمذي، أبواب الطلاق واللعان، باب ماجاء في الجد والهزل في الطلا ق، (١/ ٢٢٥) ط: قديمی كتب خانه)
* عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : ثلاث جدّهنّ جدّ وهزلهنّ جدّ: النكاح والطلاق والرجعة ، (سنن ابن ماجه، كتاب الطلاق باب من طلّق أو نكح أو راجع لاعبا ، (١/ ٦٥٨) ط: دار إحياء الكتب العربية).

=

یوں کہتا ہے کہ: تین طلاق دینے سے طلاق واقع ہی نہیں ہوتی، دونوں قرآن وحدیث سے دلیل پیش کرتے ہیں، کیا شریعتِ محمدیہ اور علماءِ امت کا یہی فیصلہ ہے؟ اور دونوں میں کون سا سچا ہے؟ **بیّنوا توجروا!**

جواب: تین طلاق خواہ ایک مجلس میں ہوں یا متفرق مجالس میں ہوں تقریراً ہوں یا تحریراً واقع ہو جاتی ہیں، علماءِ امت اور ائمہ اربعہ: امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور جمہور صحابہ وتابعین بلکہ ابن حزم ظاہری کا ایک قول بھی ہے کہ تینوں واقع ہو جاتی ہیں۔[1]

عورت مغلظہ ہو گئی، اس کے بعد بلا حلالہ رجوع کرنا زنا ہوگا، اور اس کے بعد اولاد ولد الحرام ہو گی۔[2]

---

(١) فإن طلّقها طلقة أو طلقتين في طهر وطئها فيه، أو في حيضتها لم ينفذ ذلك الطلاق، وهي امرأته كما كانت ، إلاَّ أن يطلّقها كذلك ثالثة أو ثلاثة مجموعة فيلزم . (فإن طلّقها في طهر لم يطأها فيه فهو طلاق سنة لازم كيفما أوقعه إن شاء طلقة واحدة، وإن شاء طلقتين مجموعتين، وإن شاء ثلاثًا مجموعة. (المحلى بالآثار لابن حزم، كتاب الطلاق، (٩/ ٣٦٣) ط: دار الفكر، بيروت).

* ولا يحرم جمع الطلقات الثلاث على المعتمد ... (والثلاث) أي جمعها وإيقاعها معًا (أشد) كراهة من إيقاع الوحدة ؛ لأنّه ربما ندم لعدم تمكنه حينئذٍ من المراجعة (وجمعها) أي الثلاث وإيقاعها على الزوجة (في ... واحدٍ أشد) كراهة من تفريقها على الأقراء ... والدليل على وقوع الثلاث ما رواه ابن حبان، وصححه أنّه صلى الله عليه وسلم حلف ركانه حين طلق زوجته البتّة ثم قال: ماأردت إلَّا واحدة، فحلفه صلى الله عليه وسلم على ذلك، وردّها عليه، ولو لم تقع الثلاث لم يكن في الحلف فائدة . (فيض الإله المالك للسيد عمر بركات في الفقه المالكي، كتاب الطلاق ، (٢/ ٣٢٨) ط: مطبعة مصطفى محمد بمصر).

* وإن طلّقها ثلاثًا مجموعة أو متفرّقة قبل رجعة واحدة طلقت ثلاثًا على الصحيح من المذهب ، نص عليه مرارًا، وعليه الأصحاب بل الأئمة الأربعة وأصحابهم في الجملة. (المقنع في فقه إمام السنة أحمد بن حنبل الشيباني، كتاب الطلاق، باب سنة الطلاق وبدعته، (٣/ ١٣٩) ط: المطبعة السلفية).

* لابدعة في جمع المطلقات الثلاث ، لكن الأفضل تفريقهنّ على الأقراء أو الأشهر إن لم تكن ذات أقراء لتتمكن من الرجعة أو التجديد إن ندم . (روضة الطالبين للإمام النووي، كتاب الطلاق ، باب في الطلاق السني والبدعي وغيرها ، فصل : لابدعة في جمع الطلقات الثلاث، (٦/ ١٠) ط: دار الكتب العلمية بيروت).

(٢) وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة أو ثنتين في الأمة لم تحلّ له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً =

قرآن وحدیث سے جو جو اس کے خلاف فیصلہ نقل کرنے والے ہیں، وہ غلطی پر ہیں، اس مسئلہ میں بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں، اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ قرآن وحدیث سے ان کی دلیل ان کی ناسمجھی اور نافہمی پر مبنی ہے، عوام کے سامنے ان کی تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں۔

اگر صاحبِ واقعہ کا مسلک دین کو ائمۂ اربعہ کے مذاہب کی روشنی میں سمجھنا ہے، اور اس کا اتباع ہے، اور پہلے سے ان کا متبع چلاآرہا ہے، صرف اپنی وقتی ضرورت کی وجہ سے غیر مقلدین وہابیہ کا مسلک اختیار کرتا ہے تو یہ بہت بڑا گناہ ہے،(۱) اس کو آخرت کے وبال اور اللہ تعالیٰ کے غضب سے ڈرنا چاہیے،

صحيحاً، ويدخل بها ثمّ يطلّقها أو يموت عنها، والأصل فيه قوله تعالى: {فان طلّقها فلاتحلّ له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره} فالمراد الطلقة الثالثة. وفي الفتح: (قوله: والمراد) أي المراد بقوله تعالى: { فان طلقها} (الطلقة الثالثة) ؛ لأنه بعد ذكرها عقيب الطلقتين في القرآن حيث قال: {الطلاق مرتان} ثم قال: { فان طلقها} أي الثالثة، هذا قول الجمهور. (فتح القدير، كتاب الطلاق، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة، (٤/ ٣١) ط: رشيديه).

* الفتاوى الهندية، كتاب الطلاق، الباب السادس في الرجعة وفيما تحل به المطلقة ومايتصل به، فصل فيما تحل به المطلقة ومايتصل به، (١/ ٤٧٣) ط: حقانيه پشاور.

* بدائع الصنائع، كتاب الطلاق، فصل: وأما الطلاق البائن فنوعان ... إلخ. (٣/ ١٨٧) ط: سعيد.

(١) إن الإجماع على منع إطلاق التخيير أي بأن يختار ويتشهى مهما أراد من الأقوال . (شرح عقود رسم المفتي ، (ص: ٤٢) ط: قديمى كتب خانه كراچى).

* ارتحل إل مذهب الشافعي يعزر سراجية . (قوله : ارتحل إلى مذهب الشفعي يعزر) أي إذا كان ارتحاله لالغرض محمود شرعًا ، لما في التاتارخانية : حكي أن رجلا من أصحاب أبي حنيفة خطب إلي رجل من أصحاب الحديث ابنته في عهد أبي بكر الجوزجاني فأبى إلاَّ أن يترك مذهبه فيقرأ خلف الإمام ، ويرفع يديه عند الانحطاط ونحو ذلك فأجابه فزوّجه ، فقال الشيخ بعد ماسئل عن هٰذه وأطرق رأسه : النكاح جائز ولكن أخاف عليه أن يذهب إيمانه وقت النزع ؛ لأنّه استخف بمذهبه الّذي هو حق عنده وترك لأجل جيفة منتنة ، ولو أنّ رجلا برئ من مذهبه باجتهاد وضح له كان محمودا مأجورا. أمّا انتقال غيره من غير دليل بل لما يرغب من عرض الدنيا وشهوتها فهو المذموم الآثم المستوجب للتأديب والتعزير لارتكابه المنكر في الدين واستخفافه بدينه ومذهبه اهـ ملخصًا. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحدود، باب التعزير، مطلب فيما إذا ارتحل إلى غيرمذهبه ، (٤/ ٨٠ ط: سعيد).

=

ساری زندگی زناکاری میں مبتلا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو عالم نما جاہلوں کی تقلید سے نجات نصیب فرمائے، آمین۔

الجواب صحیح
ولی حسن

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ
(۲۳/صفر ۱۳۸۳ھ)

عورت طلاقِ مغلظہ کی مدعیہ اور شوہر منکر ہو تو شرعاً کیا حکم ہوگا؟

سوال: زید وہندہ کا باہمی نکاح ہوا، اور آپس میں ایک ساتھ رہتے رہے، زید نے ہندہ کو ایک طلاق دے دی، اور پھر رجوع کر لیا، اس طلاق کا علم ہندہ کو ایک عرصہ کے بعد ہوا تو ہندہ نے اپنے والد جان محمد کو یہ بات بتلادی، جان محمد نے زید سے دریافت کیا کہ تو نے میری لڑکی ہندہ کو کس قصور کی بناپر طلاق دی؟ زید نے انکار کیا اور کہا کہ: میں نے ہندہ کو طلاق نہیں دی۔ جان محمد کا بیان ہے کہ اس نے کہا کہ: میں نے ہندہ کو اگر طلاق دی ہو تو میری طرف سے اب طلاق مغلظہ ہووے، زید نے یہ الفاظ کہنے سے انکار کیا ہے۔

ہندہ کو یقین ہے کہ زید نے یہ الفاظ (کہ اگر میں نے طلاق دی ہو تو اب طلاق مغلظہ ہووے) کہے ہیں، اور اب کذب بیانی کرتا ہے، کیا ہندہ کے لیے زید کے گھر آباد ہونا دیانۃً جائز ہے؟ **بیّنوا توجروا!**

مستفتی: جان محمد

جواب: جان محمد وغیرہ کو چاہیے کہ وہ اپنے اس معاملے میں کسی کو حکم بنائیں اور گواہ پیش کریں، اگر گواہ نہ ہوں تو مرد پر قسم آئے گی، مرد نے جب قسم اٹھالی تو قضاءً عورت اس کی بیوی ہے،[1]

---

* ليس للعامي أن يتحوّل من مذهب إلى مذهب ويستوي فيه الحنفي والشافعي، وقيل لمن انتقل إلى مذهب الشافعي ليزوّج له أخاف أن يموت مسلوب الإيمان لإهانته بالدين بجيفة قذرة. (قره عين الاخيار لتكملة رد المحتار على الدر المختار، كتاب الشهادات، باب القبول وعدمه، (٧/ ٥٦٥) ط: دار الفكر).

(١) عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جدّه أنّ النّبي صلى الله عليه وسلم قال: البيّنة على المدّعي واليمين على المدعىٰ عليه. رواه الترمذي (مشكاة المصابيح، كتاب الإمارة والقضاء، باب الأقضية والشهادات، الفصل الثاني، (ص: ٣٢٧) ط: قديمى كتب خانه كراچى).
=

لیکن عورت کو اگر یہ یقیناً معلوم ہے کہ مرد نے اسے طلاق مغلظہ دے دی ہے، اور عورت اس پر قادر ہے کہ مرد کے گھر آباد نہ ہو، وہاں سے بھاگ جائے، کہیں اور آباد ہو تو اس کو دیانۃً اجازت ہے کہ وہ وہاں نہ رہے، اور اس مرد سے الگ ہو جائے، لیکن اگر عورت اس پر قادر نہیں کہ مرد کو روک سکے تو ایسی صورت میں عورت پر گناہ نہ ہوگا، البتہ مرد گناہ گار ہوگا۔ در مختار میں ہے:

"(سمعت من زوجها أنه طلقها ولاتقدر على منعه من نفسها)... وقال الأوزجندي: ترفع الأمر للقاضي، فإن حلف ولابينة فالإثم عليه". وفي رد المحتار: (قوله: فالإثم عليه) أي وحده، وينبغي تقييده بما إذا لم تقدر على الإفتداء أو الهرب."[1]

(لیکن صورت مسئولہ میں چونکہ عورت کو مرد کے طلاق دینے کا یقینی علم نہیں ہے، صرف یہ کہنے کا یقینی علم ہے کہ: "اگر میں نے طلاق دی ہو تو اب مغلظہ ہو" اور مرد طلاق دینے سے انکار کرتا ہے، گواہ موجود نہیں، اور مرد حلف اٹھالے تو عورت کو دیانۃً بھی مرد سے دوری اختیار کرنے کی اجازت نہیں ہے۔)[2]

---

* السنن الكبرٰى للبيهقي، باب البينة على المدّعي واليمين على المدعٰى عليه، رقم الحديث : ٢١٧٣٣ ، (١٠/ ٢٥٢) ط: مجلس دائرة المعارف النظامية ، حيدر آباد هند.
* سنن ابن ماجه، باب البينة على المدّعي واليمين على المدعٰى عليه، رقم الحديث : ٢٣٢١، (٢/ ٧٧٨) ط: دار الفكر بيروت.

(١) الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب الرجعة، (٣/ ٤٢٠، ٤٢١) ط: سعيد.
* سمعت بطلاق زوجها إياها ثلاثاً ولاتقدر على منعه إلا بقتله ... ذكر الأوزجندي: أنها ترجع الأمر إلى القاضي، فإن لم يكن لها بينة تحلفه، فإن حلف فالإثم عليه. (البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة، (٣/ ٥٨) ط: سعيد).
* حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الطلاق، باب الرجعة، (٢/ ١٧٨) ط: رشيديه.

(٢) (وجاء في رواية البيهقي بإسناد حسن أو صحيح زيادة عن ابن عباس مرفوعًا لكن البينة على المدعي واليمين على من أنكر)، قال النووي: هذا الحديث قاعدة شريفة كلية من قواعد أحكام الشرع، ففيه أنه لايقبل قول الإنسان فيما يدعيه بمجرد دعواه، بل يحتاج إلى بينة أو تصديق المدعى عليه، فإن طلب يمين المدعى عليه فله ذلك، وقدبيّن صلى الله عليه وسلم الحكمة في

نوٹ: بین القوسین عبارت اصل رجسٹر میں لکھ کر پھر قلم زد کی گئی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح	الجواب صحیح	کتبہ
محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ	ولی حسن	محمد حبیب اللہ مختار دہلوی عفا اللہ عنہ

(۱۴/جمادی الاولیٰ/۱۳۸۶ھ)

زوجۂ متعنت کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دینِ متین بجواب حادثۂ مندرجہ ذیل کہ:

مسماۃ بخت بی بی دختر نواب خان ساکن احمد ال کو اس کے خاوند مسمی محمد خان ولد خان محمد نے عرصہ نو سال سے تعنتاً غیر آباد کیا ہوا تھا، اس عرصہ میں مسمی محمد خان نے مسماۃ مذکورہ کو کسی قسم کے حقوق زوجیت نہیں دیے، ہر طرح سے محروم رکھا، بلکہ بجائے استدعا آبادی کے اس مطلوبہ کو راستے میں پکڑ کر اس کے اپنے کپڑے بھی اتار دیے، اس اثنا میں مسماۃ مذکورہ کے والد مسمی نواب خان نے شہر کے معززین کو مسمی محمد خان کے گھر بھیجا کہ میری لڑکی کو آباد کرو، انہوں نے بجائے آبادی کے اپنی تمام اشیائے جہیز واپس کر دیں، اور آبادی سے انکار کر دیا۔

اس کے بعد مسماۃ مذکورہ نے اتنی طویل مدت میں آبادی کا انتظار کرنے کے بعد وقت کی نزاکت ملحوظ رکھتے ہوئے اپنی ضرورتِ زندگی کو شریعتِ غراء کے مطابق رہ کر پورا کرنے کے اپنے تقاضائے عمر کو ملحوظ رکھتے ہوئے حکومت میں فسخِ نکاح کا دعویٰ کیا، فاضل جج نے بعد تحقیق مسماۃ مذکورہ کو حق بجانب

کونه لایعطی بمجرد دعواه، أنه لو أعطي بمجردها لادعى قوم دماء قوم وأموالهم واستبیح، ولایتمکن المدعی علیه من صون ماله ودمه. (مرقاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح، کتاب الإمارة والقضاء، باب الأقضیة والشهادات، الفصل الأول، (۷/ ۲۵۰) ط: مکتبه إمدادیه ملتان).

* عون المعبود شرح سنن أبي داود، کتاب الیمین، (۱۰/ ۳۵) ط: دار الکتب العلمیة بیروت.
* شرح المشکاة للطیبي الکاشف عن حقائق السنن، باب الأقضیة والشهادات، (۸/ ۲۶۰۹) ط: مکتبه نزار مصطفٰی الباز مکّة المکرّمة.

سمجھتے ہوئے فسخ کا حکم صادر فرمایا، محمد خان نے اپیل کی، حکومت عالیہ نے بھی مسماۃ مذکورہ کو مطلوبہ ہی قرار دے کر فسخِ نکاح کا حکم بحال رکھا۔

بعد میں مسمی محمد خان نے دعویٰ باور کردیا، جس کو فاضل جج نے اپنی تحقیق کے بعد عدمِ رجوع عن التعنت اور تزویرِ محض سمجھتے ہوئے خارج کردیا۔

بعد ازاں ایک عالم باعمل فقیہ کے پاس یہ مقدمہ مطلوبہ کی جانب سے پیش ہوا، انہوں نے اس فیصلہ کو صحیح سمجھتے ہوئے کہ ایک مختارِ فسوخ مسلمان حاکم کا فیصلہ بعد تحقیق صحیح صادر ہوا ہے، لہٰذا اس پر عمل شرعاً درست ہے، بنابریں علماءِ علاقہ جو کہ باوقار اور مسلم علاقہ ہیں، ان کی اکثریت جوازِ فیصلہ پر ہے، اور ایک طائفہ قلیلہ شاذہ یہ کہتا ہے کہ: فیصلہ درست نہیں ہے؛ کیوں کہ مسمی محمد خان کا بارِ دعویٰ رجوع عن التعنت ہے۔

مگر رجوع عن التعنت پر نہ حکومت میں سے کسی نے دلیل کا اعتبار کیا ہے، اور نہ ہی کوئی شرعی دلیل قابلِ اعتبار ہے جو کہ علماء کے ہاں قابلِ غور ہوتی۔

فسخ بہا علیہ مسماۃ مذکورہ اپنا نکاح ثانی کرچکی ہے۔ کیا بحالات مذکورہ نکاح ثانی درست ہے کہ نہیں؟ ہر صورت میں مدلل تحریر فرما کر ممنون فرماویں۔ **بینوا توجروا**

جواب: استفتا اور اس کے ساتھ منسلکہ فیصلۂ عدالت کیمبل پور دیکھا، فیصلۂ عدالت میں بعض اسقام شرعی ہیں، لیکن فاضل جج نے جس نکتہ پر نکاح کو فسخ کیا ہے، وہ عدمِ ادائے حقوقِ زوجیت ہے، اور یہ نکتہ ایسا ہے جس پر اس زمانہ میں فسخِ نکاح کا فتویٰ دیا جاتا ہے، ''حیلۂ ناجزہ'' میں اس کی تفصیل موجود ہے[1] اور کتب حنفیہ میں سے ''**منح الغفار**'' میں اس کی روایت فقہی موجود ہے۔

علاوہ ازیں کتبِ فقہ میں دلائل کے ضمن میں یہ بات بار بار ہمیں ملتی ہے کہ نکاح چند مقاصد کے لیے ہوتا ہے، اور یہ مقاصد مثمرہ اس وقت ہوتے ہیں جب زوج کی طرف سے **إمساك بالمعروف** ہو،

---

(۱) الحيلة الناجزة للحليلة العاجزة، حكم زوجة متعنت، (ص:۷۳) ط: دارالاشاعت كراچی.

اور جب زوج کی طرف سے امساک نہ ہو تو اس پر تسریح باحسان ضروری ہوتا ہے، اور زوج جب تسریح باحسان نہ کر سکے تو قاضی کو اس کی ولایت کے پیشِ نظر شریعت نے حکم دیا ہے کہ وہ نکاح فسخ کر دے؛ لہٰذا جج کا فسخ کیا ہوا نکاح فسخ ہو گیا۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

احقر ولی حسن عفي عنه
مدرسہ عربیہ اسلامیہ، جامع مسجد نیو ٹاؤن کراچی
(۲/رجب، ۱۳۷۷ھ)

اصل مذہبِ حنفی میں تفریق کی صورت مشکل ہے، لیکن بقیہ ائمہ ثلاثہ کے مذاہب میں نفقہ سے عاجز ہونے کی صورت میں یا اس قسم کی وجوہ کی بنا پر تفریق ہو سکتی ہے، اور فصلِ مجتہد فیہ میں قضاءِ قاضی کی وجہ سے بھی گنجائش نکلے گی، خود حنفیہ نے بھی اس قسم کے مشکلات میں یہ تدبیر بتلائی ہے کہ حنفی قاضی غیر حنفی کو اپنا نائب مقرر کرے، جس کے مذہب میں تفریق ہو، تاکہ تفریق کرادے، ان وجوہ کی بنا پر تفریق مذکور درست ہو گی۔(۲) واللہ اعلم بالصواب

کتبہ
محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ

---

(۱) لأنّ الله تعالىٰ أوجب على الزوج الإمساك بالمعروف أو التسريح بالإحسان بقوله تعالىٰ عزّوجلّ {فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ} ومعلوم أن استيفاء النكاح عليها مع كونها محرومة الحظ من الزوج ليس من الإمساك بالمعروف في شيئ فتعين عليه التسريح بالإحسان فإن سرح بنفسه والا، ناب القاضي منابه في التسريح. (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل : ومنها خلو الزوج ... ، (۲/ ۳۲۳) ط: سعيد).

* (قوله: من القاضي إن أبي طلاقها) أي إن أبى الزوج ؛ لأنّه وجب عليه التسريح بالإحسان حين عجز عن الإمساك بالمعروف فإذا امتنع كان ظالمًا فناب عنه وأضيف فعله إليه. (رد المحتار على الدر المختار، كتاب الطلاق، باب العنين وغيره، (۳/ ٤۹۸) ط: سعيد).

* الهداية على فتح القدير، كتاب الطلاق، باب العنين وغيره، (٤/ ۱۲۸، ۱۲۹) ط: رشيديه.

(۲) تفصیل کے لیے "الحيلة الناجزة"، میں حکم زوجۂ متعنت، (ص: 73) ملاحظہ کریں۔

زوجۂ متعنت کے لیے فسخِ نکاح کی صورت

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام ایسی عورت کے بارے میں جس کا اپنے خاوند کے ساتھ چند ایسے امور میں جھگڑا ہوا ہے، جو اس کے خاوند سے صادر ہوئے ہیں، اور اس کے متعلق چند ایسے اقوال کہے ہیں، جن میں سے بعض اقوال بنیتِ طلاق، طلاق بن سکتے ہیں، اور وہ عورت خاوند کو شرعی ثالث کی طرف دعوت دیتی ہے، اور خاوند شرعی ثالث کو مانتا نہیں، بلکہ اس نے ایک اور عورت کے ساتھ نکاح کر لیا ہے، اور وہ اپنے والد کے گھر معلقہ ہو کر بیٹھ گئی ہے، اور اس کا خاوند نہ اس کو خرچ دیتا ہے اور نہ طلاق دیتا ہے، اور نہ شرعی ثالث تسلیم کرتا ہے۔

کیا اس صورت میں عورت خلع کا مطالبہ کرے تو جائز ہوگا؟ اور کیا خاوند پر خلع واجب ہو جاوے گا؟ اور ایسی صورت میں عورت سے مال لے کر طلاق دینا اور شرعی ثالث نہ ماننا یا معلق بٹھا دینا اور خلع بھی نہ کرنا اور نہ اس کو خرچ دینا اور اس حال پر چھوڑ دینا خاوند کے لیے جائز ہے؟ کیا ایسی صورت میں عورت اگر قانونی عدالت کی طرف رجوع کر کے اپنی گلو خلاصی کروالے یا کسی نیک عالم سے فسخِ نکاح کا فتویٰ حاصل کر لے تو شرعاً جائز ہوگا؟ **بینوا توجروا!** مستفتی: ایک سائل

جواب: آپ نے تو ایک ہی سانس میں چند سوالات کر ڈالے، مختصراً آپ کے سوالات کا حاصل یہ ہے کہ شوہر حقوقِ زوجیت ادا نہیں کرتا، اور نہ طلاق دیتا ہے، لہٰذا عورت کو کیا کرنا چاہیے؟

اس سلسلہ میں صحیح طریقِ کار یہ ہے کہ عورت قانونی چارہ جوئی کرے، اور شرعاً اس کو قانونی چارہ جوئی کا اختیار ہے، کسی ایسی عدالت مجاز میں جس کا حاکم مسلمان ہو، دعوائے تفریق بوجہ تکلیفِ نان ونفقہ و دیگر حقوقِ زوجیت دائر کرے، حاکم بعد تحقیقاتِ شرعیہ اگر شوہر حقوقِ زوجیت ادا کرنے سے انکار کرے، نکاح فسخ کر دے اور تاریخِ فسخ سے عدت تین حیض گزار کر نکاح ثانی کر لے۔[1]

---

(۱) تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے: **الحیلة الناجزة للحلیلة العاجزة**، حکم زوجۂ متعنت، (ص: 73) ط: دار الاشاعت کراچی۔

اس کے علاوہ دوسری صورت یہ ہے کہ شوہر کو راضی کر کے خلع کر لیا جائے، خود شوہر کو بھی سوچنا چاہیے کہ عورت کو نہ طلاق دینا اور نہ حقوق زوجیت ادا کرنا شدید ترین ظلم ہے، اور اللہ تعالیٰ کے یہاں اس پر شدید مواخذہ ہو سکتا ہے، قرآن حکیم میں صراحت کے ساتھ اس کی ممانعت کی گئی کہ عورت کو اس حالت میں رکھا جائے۔(۱) اس کے علاوہ قرآن حکیم نے ایک دوسری ہدایت کی ہے کہ اگر میاں بیوی اللہ کی قائم کردہ حدود کو قائم نہ رکھ سکیں، اور نکاح کے مقاصد پورے نہ کر سکیں تو اس نکاح کو ختم کر دیا جائے، اور عورت کو آزاد کر دیا جائے۔(۲)

پھر شوہر کو یہ بھی سوچنا چاہیے کہ ہم نے اپنی پوری زندگی سے اسلام کو خارج کر رکھا ہے، ہماری سیاسی، تجارتی، مجلسی زندگی اسلام سے عاری ہو چکی ہے، اب صرف عبادات اور نکاح، طلاق کے مسائل رہ گئے ہیں، ان میں بھی اگر اسلام سے انحراف کیا گیا، اور احکامِ الٰہی اپنے پر جاری نہیں کیے گئے تو کس منہ سے ہم دعویٰ اسلام کر سکیں گے، اور اللہ تعالیٰ کے سامنے کیا عذر کریں گے!!

کسی عالم سے فسخِ نکاح کا فتویٰ حاصل کر کے نکاح فسخ نہیں ہو سکے گا، جب تک عدالت سے نکاح فسخ نہ کرایا جائے۔(۳) غالباً آپ کے بقیہ سوالات کے جوابات بھی تحریر بالا میں آگئے ہیں۔

---

(۱) قال الله تعالى: {وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا وَمَن يَفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ الله هُزُوًا...الآية} [البقرة:٢٣١].

(۲) قال الله تعالى: {فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ الله فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ ... الآية} [البقرة:٢٢٩].

(۳) إن الفتوٰى درجتها درجة الرأي والاجتهاد، فيلزم الجاهل العمل بالفتوٰى فيما يلزم صاحب الرأي والاجتهاد العمل برأيه واجتهاده فيه ، وليست الفتوٰى بمنزله القضاء؛ لأنّ القضاء له أركان منها الحاكم، وقد صرّح الفقهاء بحصره في الوالي والقاضي والمحكم، فلايجوز للجاهل العمل بالفتوٰى فيما لايجوز لصاحب الرأي العمل برأيه بدون القضاء فافهم. (الحيلة الناجزة، تفريق بين الزوجين بحكم الحاكم ، (ص: ٣٠) ط: دار الإشاعت كراچی).

=

واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

محمد یوسف بنوری

کتبہ

احقر ولی حسن عفی عنہ

مدرسہ عربیہ اسلامیہ جامع مسجد نیوٹاؤن کراچی/۵

(۲۸/ربیع الثانی ۱۳۷۷ھ)

* وظاهره أنّها مخيرة في الرفع لأحد الثلاثة ، والنقل أنّها إن أرادت الرفع ، و وجدت الثلاثة وجب القاضي فإن رفعت لغيره حرم عليها وصحّ وإن رفعت لجماعة المسلمين مع وجود القاضي بطل فإن لم يوجد قاض فتخير فيهما فإن رفعت لجماعة المسلمين مع وجودهما فالظاهر الصحة. (الشرح الكبير للشيخ الدردير، باب اللعان ومايتعلق به، فصل لذكر المقصود وأقسامه، (٢/ ٤٧٩) ط: دار الفكر).

* (أجل سنة) لاشتمالها على الفصول الأربعة، ولا عبرة بتأجيل غير قاضي البلدة (قوله: ولا عبرة بتأجيل غير قاضي البلدة)؛ لأنّ هذا مقدّمة أمر لايكون إلاَّ عند القاضي وهو الفرقة فكذا مقدمته، ولوالوالجية ، فلايعتبر تأجيل المرأة ولا تأجيل غيرها، بحر عن الخانية ، ولا يعتبر تأجيل غير الحاكم كائنا من كان، فتح، وظاهره ولو محكما تأمل. (الدر المختار مع رد المحتار ، كتاب الطلاق ، باب العنين ، (٣/ ٤٩٧) ط: سعيد).

غیر مسلم ملک میں مقیم مسلمان عورت کا خاوند متعنت ہو تو جدائی کی کیا صورت ہو گی؟

سوال: از جمعیت علماءِ برطانیہ

مزاج گرامی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام، واضح رہے کہ علمائے برطانیہ کے سامنے ایک مقدمہ درپیش ہے، اور یہ واقعہ ۱۹۶۹ء سے بھی پہلے کا ہے، کہ ایک معلقہ عورت نے علمائے برطانیہ کی خدمت میں ایک درخواست پیش کی، کہ

میرا خاوند نہ مجھے طلاق دیتا ہے، اور نہ مجھے بیوی بنا کر رکھنے پر راضی ہے، اب میں کیا کروں؟ اسلام میں کیا ایسی کوئی گنجائش ہے کہ میں اس تکلیف دہ حالت سے چھٹکارا پاؤں؟ تو اس عورت کو ایک عالم نے مشورہ دیا کہ تم پاکستان کے مفتی اعظم مفتی محمد شفیع صاحب کراچی کو اپنا حال لکھو، چناں چہ عورت مذکورہ نے مندرجۂ ذیل عریضہ مفتی صاحب کو لکھا کہ:

''میرا خاوند محمد یوسف مجھ سے عرصہ چھ سال سے الگ ہے، وہ پاکستان میں رہتا ہے، اور میں انگلستان میں، وہ مجھے پاکستان سے انگلستان لایا، پھر یہاں وہ میرے ساتھ جھگڑتا رہا، اور مجھے ساتھ رہتے ہوئے بھی تنہائی کی زندگی بسر کرنی پڑتی تھی، بعدازاں محمد یوسف جنوری ۱۹۶۷ء کو پاکستان چلا گیا، اور مجھ سے کہا کہ میں چھ ہفتے کے بعد واپس انگلستان آجاؤں گا، وقت مقررہ گزرنے پر میں نے کئی خطوط لکھے، حتی کہ پاکستانی ہائی کمشنر کی طرف سے بھی کئی خطوط لکھے، مگر آج تک نہ اس نے مجھے جواب دیا، اور نہ خرچہ بھیجا، میرے سات بچے ہیں، ہم سب کس مپرسی کی حالت میں زندگی گزار رہے ہیں، ۱۹۶۹ء تک وہ (خاوند) آسکتا تھا، مگر اب نہیں آسکتا قانوناً، یہاں کے معاشی نظام میں حکومتِ برطانیہ میری اور میرے بچوں کی مالی امداد کے لیے میرے معلقہ ہونے کو کافی نہیں سمجھتی، مطلقہ ہونے کا مطالبہ کرتی ہے۔ پس طلاق یا مفارقت کے بغیر میرے لیے اپنے بچوں کی پرورش کی کوئی صورت نہیں ہے، ان کا مستقبل تاریک نظر آرہا ہے، میرے حال پر رحم فرما کر مجھے اس خودکشی کی حالت سے نجات دلائیں، تاکہ مفارقت کا فیصلہ دکھا کر اس حکومت سے اپنے معاشی حقوق حاصل کر سکوں۔''

فقط سائلہ: بادشاہ بیگم، برمنگھم/۱۸

اس کے بعد مفتی شفیع صاحب نے مندرجۂ ذیل جواب دیا:

جواب: اگر آپ کا شوہر نہ آپ کو بلانے پر راضی ہے، اور نہ خرچہ دیتا ہے، اور آپ پاکستان آکر مسلمان حاکم کی عدالت سے رجوع کر کے فیصلہ کرانے سے بھی عاجز ہیں، تو اپنا مقدمہ مسلمانوں کی ایک جماعت کے سامنے پیش کریں، اس جماعت کے ارکان دین دار متقی ہوں، دینی بصیرت اور علم رکھتے ہوں، اور دینی تقاضوں کو سمجھتے ہوں، ایک دوان میں مستند عالم بھی ہوں، یہ حضرات صورتِ حال کی تحقیق کریں، اور بذاتِ خود آپ کے شوہر کو مطلع کریں، اگر شوہر کسی بات پر آمادہ نہ ہو یا جواب ہی نہ دے تو یہ جماعت عورت پر طلاق واقع کر دے، اس کے بعد عدت گزار کر دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے، جو جماعت آپ کا فیصلہ کرے، اس کو ہماری تحریر پیش کریں، اور ان حضرات کو چاہیے کہ اس سلسلے کی تمام قیود اور شروط کتاب ''**الحيلة الناجزة**'' سے معلوم کر کے فیصلہ کرے، اور ارکانِ جماعت کم از کم تین ہوں۔(۱)

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ (۱۳۸۹/۱۰/۹ھ)

چناں چہ علمائے برطانیہ نے اس تحریر کے مطابق تحقیق کر کے محمد یوسف کے ساتھ خط و کتابت کی، اس کی طرف سے جوابات آئے، تمام بیانات اور سوالات اور جوابات کا ریکارڈ محفوظ کر کے جب فیصلہ کے لیے ایک تاریخ مقرر کر دی، میں بھی برمنگھم چلا گیا، عورت سے میں نے ہی سوالات کیے، معلوم ہوا کہ محمد یوسف نے پاکستان میں دوسری شادی کر لی ہے، چناں چہ مفارقت کے فیصلے پر تمام حاضرین متفق ہوئے، مگر عین اس وقت ایک عالم نے یہ نکتہ اٹھایا کہ علماء کی اس جماعت کو (جس میں معززین شہر بھی تھے) اس ملک دار الحرب میں قضا کا منصب حاصل نہیں ہے، حتی کہ مفتی محمد شفیع صاحب بھی صرف فتوی دیتے ہیں، قضا نہیں کرتے، کیوں کہ قضا امیر کی طرف سے سپرد کی جاتی ہے، اور امیر یہاں ہے نہیں، یا عوام الیکشن کر کے کسی پارٹی کو یا جماعت کو قضا کا منصب دیتے ہیں، اور جمعیت علمائے برطانیہ

(1) تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے ''الحیلۃ الناجزۃ'' متعلق جماعت مسلمین (ص: 40) اور ''حکم زوجہ متعنت'' (ص: 73) ط: دار الاشاعت کراچی۔

کو یہاں کے عوام نے الیکشن کے ذریعہ ووٹ دے کر قضا کا منصب نہیں دیا ہے، لہٰذا جمعیت علمائے برطانیہ قضا کا حق ہی نہیں رکھتی، پھر اس عالم نے بھی اور ہم سب نے اس پر اتفاق کر لیا کہ آں جناب یعنی (حضرت مولانا محمد یوسف بنوری) اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کراچی کو یہ حالات بھیجے جائیں اور ان سے دریافت کیا جائے کہ آیا اس ملک میں:

۱– جمعیت علمائے برطانیہ کسی دینی مقدمہ یا کسی دینی مسئلہ کے متعلق قضا کا حق رکھتی ہے یا نہیں؟

۲ – اور اگر کسی مسئلہ کے متعلق فتویٰ دے دیں تو اس فتویٰ پر عمل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

[نوٹ:۱] اس معترض عالم صاحب نے یہ بھی کہا کہ مولانا محمد میاں صاحب ناظم جمعیت علمائے ہند نے اپنی تصنیف میں یہ لکھا ہے کہ جمعیت علماء صرف حکومتِ وقت کے مقرر کردہ مسلمان حاکم کے فیصلہ کی توثیق کر سکتی ہے۔ (ہند میں)

[نوٹ:۲] جمعیت علمائے برطانیہ اس کوشش میں ہے کہ برٹش حکومت سے مسلمانوں کے مذہبی حقوق (یعنی پرسنل لاء) منوالیں، تو اگر ہمیں حق ہی نہیں تو پھر یہ کوشش بھی ختم کی جائے گی۔

امید ہے کہ جواب جلد مرحمت فرمائیں گے، مقدمہ کی کارروائی آں جناب کے جواب تک ملتوی ہے، تمام حاضرین کو السلام علیکم! فقط

مستفتی: عبدالباقی عفااللہ عنہ

(لندن، جمعیت علمائے برطانیہ ۱۷/رجب/۱۳۹۳ھ)

جواب: معلقہ عورت جب کہ برطانیہ میں شدید مشکلات میں مبتلا ہے، اس کا شوہر نہ تو اس کو طلاق دیتا ہے، اور نہ آباد کرتا ہے، اور نہ اپنی منکوحہ بیوی اور بچوں کی کفالت کرتا ہے، اور نہ اس عورت کے پاس کرایہ ہے کہ یہ پاکستان آکر یہاں سے کسی مسلم عدالت سے نکاح فسخ کرا سکے، ساتھ ہی یہ بھی واضح ہے کہ برطانوی عدالت سے ججوں کے غیر مسلم ہونے کی وجہ سے نکاح فسخ نہیں کرایا جا سکتا تو اس عورت کے لیے دو ہی راستے ہیں:

الف: برطانوی حکومت میں درخواست دے کر کسی مسلمان کو اس مقصد کے لیے عارضی جج

مقرر کرالیاجائے، اور وہ جج شرعی قواعد وضوابط پر عمل کرتے ہوئے نکاح فسخ کردے، فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ کافر کی طرف سے بھی تقلّدِ قضاجائز ہے، اور ایسے شخص کے فیصلے شرعاً معتبر ہوں گے۔ درمختار میں ہے:

"(ويجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر) ولو كافراً. ذكره مسكين وغيره."(۱)

اس صورت پر عمل کرنے سے کمیٹی میں شریک شخص مذکور کے اعتراضات ختم ہوجائیں گے۔

ب: دوسرا راستہ وہی ہے جو حضرت مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ نے تجویز فرمایا ہے، اس پر شخصِ مذکور نے جو اعتراض کیے ہیں، وہ صحیح نہیں ہیں، کیوں کہ فقہاء کرام نے ایسے بلاد میں جہاں غیر مسلم حکمران ہوں، جماعتِ مسلمین کو اختیار دیا ہے کہ وہ کسی شخص کو جمعہ اور عید کے لیے امام مقرر کردے، اسی طرح جماعت مسلمین کو بعض صورتوں میں قاضی مقرر کرنے کا اختیار دیا ہے، ابن الہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

"وإذا لم يكن سلطان ولا من يجوز التقلد منه كما هو في بعض بلاد المسلمين غلب عليهم الكفار كالقرطبة في بلاد المغرب الآن وبلنسية وبلاد الحبشة، وأقروا المسلمين عندهم على مال يؤخذ منهم يجب عليهم

---

(۱) رد المحتار على الدر المختار، كتاب القضاء، مطلب السلطان أن يقضي بين الخصمين، (٥/ ٣٦٨) ط: سعيد.

* (قوله: ويجوز تقليد القضاء من السلطان العادل والجائر ومن أهل البغي) ... وأطلق في الجائر فشمل المسلم والكافر كما ذكره مسكين معزياً إلى الأصل. (البحر الرائق، كتاب القضاء، فصل في التقليد، (٦/ ٢٧٤) ط: سعيد).

* الفتاوى الهندية، كتاب أدب القاضي، الباب الأول في تفسير معنى الأدب والقضاء وأقسامه ... إلخ، (٣/ ٣٠٧) ط: رشيدية كوئته.

=

أن يتفقوا على واحد منهم يجعلونه والياً، فيولي قاضياً أو يكون هوالذي يقضي بينهم، وكذا ينصبوا لهم إماماً يصلي بهم الجمعة."[1]

کتاب الجہاد میں جامع الفصولین سے یہ عبارت نقل کی ہے:

"وأما في بلاد عليها ولاة كفار فيجوز للمسلمين إقامة الجمع والأعياد، ويصير القاضي قاضياً بتراضي المسلمين."[2]

علاوہ ازیں مالکیہ کے یہاں فسخِ نکاح کے اختیارات جماعتِ عادلہ مسلمہ کو دیتے ہیں، حاشیہ حطاب میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ فقط واللہ أعلم

الجواب صواب	کتبہ
محمد یوسف بنوری	ولی حسن (۱۰/شعبان، ۱۳۹۳ھ)
	دارالافتاء مدرسہ عربیہ اسلامیہ، کراچی

موجودہ عدالتوں کی تنسیخِ نکاح کا حکم

سوال: آج کل عدالت میں تنسیخِ نکاح کے فیصلے آتے رہتے ہیں، عموماً دیکھا گیا ہے فقہی قواعد کا خیال خاص نہیں رکھا جاتا، ان عدالتوں کے فسخ کا کیا حکم ہے؟ یا قضاءِ قاضی کے درجہ میں ان فیصلوں کا اعتبار کرنا چاہیے یا نہ؟

---

(١) فتح القدير، كتاب أدب القاضي، (٦/ ٣٦٥) ط:رشيديه.

(٢) رد المحتار على الدر المختار، كتاب الجهاد، باب المستأمن، مطلب فيما تصير به دار الإسلام دارحرب، وبالعكس، (٤/ ١٧٥) ط: سعيد.

* وفي مفتاح السعادة عن مجمع الفتاوىٰ غلب على المسلمين ولاة الكفار يجوز للمسلمين إقامة الجمع والأعياد ويصير القاضي قاضيًا بتراضي المسلمين ويجب عليهم أن يلتمسوا وإليا مسلمًا اهـ. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الجمعة، (٢/ ١٢٠) ط: مكتبه غوثية كراچی).

=

جواب: جاہل قاضی کا فیصلہ معتبر ہوگا، اگر عالم اس کو مسئلہ بتادے، یا خود معلوم کرلے، یا اتفاقاً اس کو شرعی مسئلہ معلوم ہو۔(۱)

فسخ نکاح کی صورت میں ضروری ہے کہ مذاہب اربعہ سے خروج نہ ہو، اور اگر فصل مجتہد فیہ ہے، یا ہمارے یہاں فتویٰ ضرورۃً دیا گیا ہو تو فتویٰ نافذ ہوگا، ورنہ مشکل ہے۔(۲) محمد یوسف بنوری [۱۳۷۸ھ]

---

(۱) فأما تقليد الجاهل فصحيح عندنا) ويحكم بفتوى غيره ... قلنا: يمكنه القضاء بفتوى غيره (ومقصود القضاء وهو إيصال الحق إلى مستحقه) ورفع الظلم (يحصل به) فاشتراطه ضائع، والمراد بالعلم ليس مايقطع بصوابه، بل مايظنه المجتهد، فإنه لاقطع في مسائل الفقه، وإذا قضى بقول مجتهد فيه فقدقضى بذلك العلم، وهو المطلوب. (فتح القدير، كتاب أدب القاضي، (٦/ ٣٥٩، ٣٦٠) ط: رشيديه).

(۲) ممالاينفذ القضاء به ما إذا قضٰى بشيئ مخالف للإجماع، وهو ظاهر، وما خالف الأئمة الأربعة مخالف للإجماع، وإن كان فيه خلاف لغيرهم، فقد صرّح في التحرير: أنّ الإجماع انعقد على عدم العمل بمذهب مخالف للأربعة لانضباط مذاهبهم وانتشارها وكثرة أتباعهم . (الأشباه والنظائر لابن نجيم، (ص: ٩٢) الفن الأوّل: القواعد الكلية، النوع الثاني من القواعد ، (ص ٩٢) ط: دار الكتب العلمية بيروت).

* قال في غرر الأذكار : ثم اعلم أن مشايخنا استحسنوا أن ينصب القاضي الحنفي نائبًا ممن مذهبه التفريق بينهما إذا كان الزوج حاضرًا وأبى عن الطلاق ؛ لأنّ دفع الحاجة الدائمة لايتيسر بالإستدانة ، إذ الظاهر أنّها لاتجد من يقرضها وغنى الزوج مآلا أمر متوهم ، فالتفريق ضروري إذا طلبته وإن كان غائبًا لايفرق ؛ لأنّ عجزه غير معلوم حال غيبته، وإن قضٰى بالتفريق لاينفذ قضاؤه ؛ لأنّه ليس في مجتهد فيه لأن العجز لم يثبت اهـ. ونقل في البحر اختلاف المشائخ، وأن الصحيح كما في الذخيره عدم النفاذ؛ لظهور مجازفة الشهود كما في العمادية والفتح . وذكر في قضاء الأشباه في المسائل الّتي لاينفذ فيها قضاء القاضي: أنّ منها التفريق للعجز عن الإنفاق غائبًا على الصحيح لاحاضرًا اهـ. الحاصل: أنّ التفريق بالعجز عن النفقة جائز عند الشافعي حال حضرة الزوج، وكذا حال غيبته مطلقًا أو مالم تشهد بينة بإعسار الآن كما علمت مما نقلناه عن التحفة، والحالة الأولىٰ جعلها مشايخنا حكما مجتهدًا فيه فينفذ فيه القضاء دون الثانية. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الطلاق، باب النفقة، (٣/ ٥٩٠) ط: سعيد).

=

فسخِ نکاح کی ایک صورت

سوال: کیافرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ:

ایک شخص اپنی بیوی سے چند اختلافات کی بناپر ناراض ہو کر کہیں دور چلا گیا، وہاں تین چار سال تک رہ پڑا ہے، سسرال نے اس کو واپس آنے کا کہا کہ یا تو واپس آجاؤ، یا اپنی بیوی کو طلاق دے دو، اب وہ کہتا ہے کہ نہ تو بیوی کو گھر کروں گا اور نہ اس کو طلاق دوں گا۔

اب شرعی رو سے کیا مجسٹریٹ کو فسخِ نکاح کا حق حاصل ہے یا نہ؟ بصورتِ ثانی جب کہ اسے فسخِ نکاح کا حق حاصل نہیں، اگر اس نے فسخ نکاح کر کے دوسرے سے نکاح کروادیا تو کیا دوسرا نکاح جائز ہے یا نہ؟ شرعی رو سے حکم عنایت فرمائیں۔ **بینوا توجروا!** مستفتی: ایک سائل

جواب: صورت مسئولہ میں عورت کو کسی ایسے مسلمان حاکم کی عدالت میں جو تفریق و فسخ کے مقدمات سننے کا مجاز ہو، دعویٰ تفریق بوجہ عدمِ ادائے حقوقِ زوجیت دائر کر کے اپنا عقد فسخ کرانا چاہیے، عدالت کو چاہیے کہ قوانینِ شرعیہ کے مطابق نکاح فسخ کردے، عورت تاریخِ فسخ سے عدت (تین حیض) گزار کر دوسرا عقد کر سکتی ہے۔[1] واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح	کتبہ
محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ	احقر ولی حسن عفی عنہ

مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن کراچی/۵ [رجب ۱۳۷۷ھ]

---

* وفي عمدة الفتاوىٰ : القاضي إذا قضٰى بقول مرجوع عنه جاز، وكذا لو قضٰى في فصل مجتهد فيه اهـ . وكذا في السراجية، وفي مآل الفتاوىٰ: قضٰى بخلاف مذهبه وهو مختلف فيه، قال أبوحنيفة: ينفذ، وقال أبو يوسف: لاينفذ اهـ. فقد تحرر أنّ القاضي المقلد إذا قضٰى بمذهب غيره فإنّه ينفذ، وكذا إذا قضٰى برواية ضعيفة أو بقول ضعيف لإطلاق قولهم أنّ القول الضعيف يتقوّى بقضاء القاضي. (البحر الرائق، كتاب القضاء، (٧/ ٩) ط: سعيد).

(1) الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ، حکم زوجۂ متعنت، (ص: 73) ط: دار الاشاعت کراچی۔

زوجۂ مفقود کے لیے فسخِ نکاح کی صورت

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

اگر زوج غائب اور لاپتہ ہو گیا ہے تو عورت کو کتنی مدت تک رکھا جائے؟ جب کہ اس دور میں جدید مواصلات کے ذرائع سے تمام دنیا کے اندر اطلاعات ایک منٹ میں پہنچائی جاسکتی ہیں تو آخر اس دور میں اسے کتنی مدت رکھا جائے؟ شرعی رو سے حکم عنایت فرمائیں۔ **بینوا توجروا!**

جواب: اس صورت میں عورت کا حکم شرعی یہ ہے کہ عدالت میں دعویٰ تفریق بوجہ مفقود الخبری شوہر دائر کرے، حاکم بعد تحقیقات ایک سال کی مدت انتظار کے لیے مقرر کردے، اگر اس عرصہ میں زوج غائب نہ آئے تو نکاح فسخ کردے، تاریخِ فسخ سے عدت گزار کر دوسرا نکاح کرلے۔[1]

ایک سال کی مدت مقرر کرنا شرعاً ضروری ہے، ذرائع رسل ورسائل کا وسیع ہونا اس شرط کے خلاف نہیں ہے، اور نہ ذرائع کی وسعت اس امر کو لازم ہے کہ گم شدہ شوہر کا پتہ معلوم ہو جائے کہ وہ زندہ ہے کہ نہیں، آج بھی ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص کے متعلق معلوم کرنے کے لیے کہ وہ زندہ ہے یا نہیں، تمام ذرائع استعمال کر لیے جاتے ہیں، اور فیصلہ کر لیا جاتا ہے، لیکن بعد میں فیصلہ غلط ہوتا ہے۔

غرض یہ کہ ایک سال کی مدت اس مصلحت کے لیے ہے کہ امکانی حد تک شوہر کے متعلق کسی نتیجہ پر پہنچا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح — **کتبہ**

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ — احقر ولی حسن عفی عنہ

مدرسہ عربیہ اسلامیہ، نیوٹاؤن کراچی/۵ [رجب ۱۳۷۷ھ]

---

(1) الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ، حکم زوجۂ مفقود، ''فائدہ'' کے ذیل میں، (ص: 71) ط: دار الاشاعت کراچی۔

* لو أفتى به في موضع الضرورة لابأس به على ما أظن. (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب المفقود، مطلب في الإفتاء بمذهب مالك في زوجة المفقود، (٤/ ٢٩٥) ط: سعيد.

اپنی مطلقہ بیوی سے نکاح کرنے والے شخص سے رقم لینا

سوال: بخدمت جناب مفتی صاحب مدظلہ العالی

السلام علیکم کے بعد گزارش ہے:

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین بیچ اس مسئلہ کے کہ: اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو اپنے والدین کی اجازت پر طلاق دے دی، اور اس میں بیوی کا کوئی قصور نہیں ہے، پھر وہ شخص یہ شرط رکھتا ہے کہ اگر کوئی دوسرا شخص اس عورت کے ساتھ نکاح کرے تو وہ مجھے ۴۰۰ روپیہ یا ۱۰۰۰ روپیہ دے، تب اس کے ساتھ نکاح کرے۔ کیا اس خاوند کے لیے یہ رقم لینا جائز ہے یا نہیں؟

دلائل کے ساتھ جواب ارسال فرمائیں! والسلام مستفتی: احقر محمد احمد الرحمن بقلم خود

جواب: طلاق دینے کے بعد شوہر کا بیوی مطلقہ سے کوئی علاقہ باقی نہیں رہتا، اور عورت اپنی رغبت ورضا سے کہیں بھی شادی کرے تو شوہر کو شرعاً روکنے کا کوئی اختیار حاصل نہیں ہے، اور نہ ہی رقم لینے کا حق حاصل ہے۔

قرآن وحدیث وفقہاءِ امت کا یہی فیصلہ ہے، کوئی دقیق مسئلہ نہیں، جس کے لیے دلائل کی ضرورت ہو۔[1] والسلام محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ (۱۸/رجب/۱۳۸۵ھ)

---

(۱) {وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَن يَنكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُم بِالْمَعْرُوفِ} [البقرة: ۲۳۲].

* أيامها عشرة فوقت اغتسالها ليس من الحيض، وبنفس الانقطاع في الحيضة الثالثة تبطل الرجعة ... ويجوز لها أن تتزوج بآخر إن كان قدطلقها. (الفتاوى الهندية، كتاب الطلاق، الباب الثالث عشر في العدة، (۱/ ۵۲۸) ط: رشيديه).

* أخبرها عدل أو غير عدل فأتاها بكتاب من زوجها بطلاق ولاتدري أنه كتابه أولا، إلا أن أكبر رأيها أنه حق فلابأس بالتزوج.اهـ (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الطلاق، باب العدة، مطلب في المنعى إليها زوجها، (۳/ ۵۲۹) ط: سعيد).

عنین کی بیوی پر بھی خلوت کے بعد عدت لازم ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس بارے میں کہ ایک آدمی نے نکاح کیا، دوسرے دن پتہ چل گیا کہ آدمی نامرد ہے، پھر ایک ماہ کے بعد اس نے عورت کو طلاق دے دی، ابھی عدت نہیں گزری، عورت شادی کرنا چاہتی ہے، عورت مرد کے پاس رہ چکی ہے۔ فقط

مستفتی: عاشق علی ولد کرم علی، منگھو پیر روڈ، کراچی

جواب: اس صورت میں عدت عورت پر واجب ہے، عدت گزرنے کے بعد نکاح ہوگا، عدت گزرنے کے بغیر نکاح جائز نہیں ہوگا، مرد اگر نامرد ہو، لیکن عورت اس کے پاس رہ چکی ہو تب بھی عورت پر عدت واجب ہے۔ ہدایہ میں ہے:

وإذا خلا المجبوب بامرأته ثم طلقها فلها كمال المهر، وعليها العدة في جميع هذه المسائل.(۱)

عدت تین ایام ماہواری ہے، تین ایام ماہواری گزرنے کے بعد نکاح جائز ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح احقر ولی حسن عفی عنہ

محمد یوسف بنوری مدرسہ عربیہ اسلامیہ [۱۶/رجب ۱۳۷۷ھ]

---

(۱) الهداية، كتاب النكاح، باب المهر، (۱/ ۳۲٦) ط: مكتبه شركت علمية، ملتان.

* (قوله:فرق الحاكم) وهو طلاق بائن كفرقة العنين، بحر عن الخانية. ولها كمال المهر، وعليها العدة إن خلابها عنده. (رد المحتار على الدر المختار، كتاب الطلاق، باب العنين وغيره، (۳/ ٤۹٥) ط: سعيد).
* ولنا إجماع الصحابة رضي الله عنهم فإنه روي عن عمر رضي الله عنه أنه قضى في العنين أنه يؤجل سنة فإن قدرعليها وإلا أخذته منه الصداق كاملاً وفرّق بينهما وعليها العدة. (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل: ومنها خلو الزوج عن عيب الجب والعنة، (۲/ ۳۲۲) ط: سعيد).
* والفرقة تطليقة بائنة، كذا في الكافي، ولها المهر كاملاً وعليها العدة بالإجماع إن كان الزوج قد خلا بها. (الفتاوى الهندية، كتاب الطلاق، الباب الثاني عشر في العنين، (۱/ ٥۲٤) ط: رشيديه).

اپنے زانی دیور سے نکاح کرنے کے لیے مزنیہ عورت پر عدت لازم ہے یا نہیں؟

سوال: ایک خاتون کا شوہر عرصہ سات سال سے باہر رہا، نہ کوئی خرچہ دیا اور نہ ہی اطلاع وغیرہ دی، اور نہ کچھ پتہ تھا کہ کہاں ہے، اس شوہر سے اس خاتون کے چار بچے ہیں، خاتون مجبور ہو کر اپنے خالہ زاد دیور سے گھر کا خرچہ چلاتی رہی، دیور سے دو بچے ایک ساتھ پیدا ہوئے، اس وقت بچوں کی عمر تین ماہ کی ہے۔ اب ایک ہفتہ ہوا کہ عورت کو اس کے اصل شوہر نے طلاق دے دی، اب یہ خاتون اپنے دیور سے نکاح کرنا چاہتی ہے، تو کیا عدت گزارنا ضروری ہے یا نہیں؟ اور کتنی عدت ہو گی؟

جواب: جس وقت شوہر نے طلاق دے دی، اس وقت سے عدت تین حیض گزارنی ضروری ہے،[1] عدت کے بعد اپنے دیور سے نکاح کر سکتی ہے، سابق اولاد ناجائز ہے، اس کے لیے توبہ

---

(١) إذا طلّق الرجل امرأته طلاقاً بائناً أو رجعياً أو ثلاثاً أو وقعت الفرقة بينهما بغير طلاق، وهي حرّة ممن تحيض فعدتها ثلاثة أقراء سواء كانت الحرّة مسلمة أو كتابية، كذا في السراج الوهاج. (الفتاوى الهندية، كتاب الطلاق، الباب الثالث عشر في العدة، (١/ ٥٢٦) ط: حقانيه پشاور).

* (عدة الحرة للطلاق أو الفسخ ثلاثة أقراء) أي حيض. (البحرالرائق، كتاب الطلاق، باب العدة، (٤/ ١٢٨) ط: سعيد).

* (وهي في) حقّ (حرّة) ولو كتابية تحت مسلم (تحيض لطلاق) ولورجعياً (أوفسخ بجميع أسبابه) ومنه الفرقة بتقبيل ابن الزوج، نهر. (بعد الدخول حقيقة أو حكماً ثلاث حيض كوامل). (رد المحتار على الدر المختار، كتاب الطلاق، باب العدة، (٣/ ٥٠٤، ٥٠٥) ط:سعيد).

=

بہت ضروری ہے۔[1] واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح	کتبہ
ولی حسن	محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ (یکم صفر/۱۳۸۶ھ)

معتدہ کے لیے اجنبی یا محرم کو دیکھنے کا حکم

سوال: فضيلة العلامة مولانا الجليل الشيخ محمديوسف البنوري حفظه لله! السلام عليكم ورحمة الله وبركاته!

وردتنا المسألة التالية من أحد المسلمين في سيلان، فنرجو التفضل بالإجابة عليها وننشر الإجابة في العرب؛ ليعمّ فائدتها.

هل يباح للمعتدة النظر إلى أي مسلم كان أومسلمة أو إلى المحرمين فقط، أي: المحارم؟

والسلام على فضيلتكم ورحمة الله

المخلص: عبدالمنعم العدوي (١٠/ صفرالخير، ١٣٩٠هـ)

---

(١) عن عمروبن شعيب عن أبيه عن جده قال: قام رجل فقال: يارسول لله! إن فلاناً ابني عاهرت بأمه في الجاهلية، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لادعوة في الإسلام، ذهب أمر الجاهلية، الولد للفراش وللعاهر الحجر. رواه أبوداود. (مشكاة المصابيح، كتاب النكاح، باب اللعان، (ص: ٢٨٧، ٢٨٨) ط: قديمى كراچى).

* فالوطء فيه زنا لايثبت به النسب. (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الطلاق، باب العدة، فصل في ثبوت النسب، قبيل باب الحضانة، (٣/ ٥٥٥) ط: سعيد).
* الفتاوى الهندية، كتاب الطلاق، الباب الخامس عشر في ثبوت النسب (١/ ٥٤٠) ط: رشيدية.

جواب: حضرة الأستاذ السيد عبدالمنعم العدوي المحترم وفقه الله لكل خير، تحية وسلاماً!

تشرفت بكتابكم الكريم الحاوي أسئلة فقهية، فأقول إجابة عنها مع اعتذاري بعدم اتساع وقتي للتفصيل وعدم انتهازالفرصة والتأخير لأجل حصول الفرصة لم يكن من المصلحة. فأقول مكتفياً بالإجمال:

السؤال في غاية الإجمال لم يتضح منه منشأ السؤال ولا وجهة النظر، ومع هذا فأقول: المعتدة في نفس النظر إلى أحدٍ، حكمها مثل الغير المعتدة من النساء، ولا فرق شرعاً في النظر إلى أحدٍ بين المعتدة وغير المعتدة، فالنظر إلى الأجانب حرام عند فقهاء المذاهب،(١) وجائز إلى المحارم، سواءً كان

---

(١) وعن بريدة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لعلي: ياعلي! لاتتبع النظرة النظرة، فإن لك الأولى وليست لك الآخرة. رواه أحمد والترمذي وأبوداود والدارمي. (مشكاة المصابيح، كتاب النكاح، باب النظر إلى المخطوبة وبيان العورات، (ص:٢٦٩) ط: قديمى كراچى).

* والنظر إلى الأجنبية مع ما فيه من خوف الفتنة لايجوز إلا لضرورة. (المحيط البرهاني، كتاب الشهادة، الفصل الأول في حل تحمل الشهادة وحلّ أدائها والامتناع عن ذلك، (١٣ / ١٢٤) ط: إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچى).

* (ويحرم أن ينظر الرجل) الأجنبي (إلى شيء من) المرأة (الأجنبية حرّة كانت أو أمة) ولافرق في الشيء المذكور بين الوجه والكفين أو غيرها كالشعر ولو منفصلاً منها. (فيض الإلٰه المالك السيد عمر البركات في الفقه المالكى، كتاب النكاح، (٢/ ١٥٤) ط: مطبعة مصطفي محمد).

* فلايجوز له النظر إلى الأجنبية قصداً، وهو صحيح وهو المذهب. (الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف على مذهب الإمام أحمد بن حنبل، باب النكاح، (٨/ ٢٣) ط: دار إحياء التراث العربي بيروت).

* فلا يجوز للأجنبي أن ينظر إلى الأجنبية ولا للأجنبية أن تنظر إلى الأجنبي لقوله تعالى: {قُلْ

محارماً بالتأبيد، مثل: الأب، والأخ، وابن الزوج من امرأة أخرى وغيرهم، أو محارماً بالمصاهرة بالزواج. ولو كان النظر لأجل أن تختار أحداً لزوجيتها، فالأولى الاحتراز عنه في العدة في ما أعلم،[1] وليس عندي تفصيل المذاهب. والسلام عليكم ورحمة الله وبركاته!

مخلصكم: محمد يوسف البنوري عفا الله عنه (٢٠/ ٤/ ١٩٧٠هـ)

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق لکھ کر دے دیں، علماء، اہلِ حدیث غیر مقلدین سے جواب ملا، لیکن ان میں بھی اختلاف ہے، ایک کہتا ہے کہ ایک طلاقِ رجعی واقع ہوئی، دوسرا اس کی تائید میں یوں لکھتا ہے کہ تین طلاق دینے سے طلاق واقع ہی نہیں ہوتی۔ دونوں قرآن و حدیث سے دلیل پیش کرتے ہیں۔ کیا شریعتِ محمدیہ اور علماءِ امت کا یہی فیصلہ ہے؟ اور دونوں میں کون سا سچا ہے؟ **بیّنوا توجروا!**

جواب: تین طلاق خواہ ایک مجلس میں ہوں یا متفرق مجالس میں ہوں، تقریراً ہوں یا تحریراً، واقع ہو جاتی ہیں، علماءِ امت اور ائمہ اربعہ امام ابی حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، جمہور صحابہ وتابعین، بلکہ ابنِ حزم ظاہری کا ایک قول بھی ہے کہ تینوں واقع ہو جاتی ہیں، عورت مغلظہ ہو گئی، اس کے

لِلْمُؤمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَلِكَ أَزْكَى لَهُمْ إِنَّ اللهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ، وَقُلْ لِلْمُؤمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ} [النور: ٣٠ - ٣١]. (المهذب في فقه الإمام الشافعي، كتاب النكاح، مدخل (٢/ ٤٢٥) ط: دار الكتب العلمية بيروت).

(١) (ومن محرمه) هي من لايحل له نكاحها أبداً بنسب أو سبب ولوبزنا (إلى الرأس والوجه والصدر والساق والعضد إن أمن شهوته) وشهوتها أيضاً ... وإلا لا، لا إلى الظهر والبطن) خلافاً للشافعي (والفخذ) وأصله قوله تعالى: { ولايبدين زينتهنّ الا لبعولتهن... الآية}. (ردالمحتار على الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، (٦/ ٣٦٧) ط: سعيد).

=

بعد بلا حلالہ رجوع کرنا زنا ہوگا، اور اس کے بعد اولاد ولد الحرام ہوگی۔[1]

قرآن و حدیث سے جو اس کے خلاف فیصلہ نقل کرنے والے ہیں وہ غلطی پر ہیں، اس مسئلے میں بہت سی کتابیں لکھی گئیں اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ قرآن و حدیث سے ان کی دلیل ان کی ناسمجھی اور نافہمی پر مبنی ہے، عوام کے لیے ان کی تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں۔

اگر صاحبِ واقعہ کا مسلک دین کو ائمہ اربعہ کے مذاہب کی روشنی میں سمجھنا ہے اور اس کا اتباع ہے، اور پہلے سے ان کا متبع چلا آتا ہے، صرف اپنی وقتی ضرورت کی وجہ سے غیر مقلدین وھابیہ کا مسلک اختیار کرتا ہے تو یہ بہت بڑا گناہ ہے،[2] اس کو آخرت کے وبال اور اللہ تعالیٰ کے غضب سے ڈرنا چاہیے، ساری زندگی زناکاری میں مبتلا ہوگا، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو عالم نما جاہلوں کی تقلید سے نجات نصیب فرمائے، آمین!

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

ولی حسن [۲۳ صفر ۱۳۸۳ھ]

---

(۱) فتاویٰ شامی میں ہے: "وذهب جمهور الصحابة والتابعين ومن بعدهم من أئمة المسلمين إلى أنه يقع ثلاث." (كتاب الطلاق، ج:۳، ص:۲۳۳، ط: سعيد).

* شرح النووی علی الصحیح لمسلم میں ہے: "وقد اختلف العلماء فيمن قال لامرأته أنت طالق ثلاثا فقال الشافعي ومالك وأبو حنيفة وأحمد وجماهير العلماء من السلف والخلف يقع الثلاث". (كتاب الطلاق، باب طلاق الثلاث، ج:۱۰، ص:۷۰، ط: دار إحياء التراث العربي).

(۲) فتاوی شامی میں ہے: "ارتحل إلى مذهب الشافعي يعزر، سراجية."

"مطلب فيما إذا ارتحل إلى غير مذهبه (قوله: ارتحل إلى مذهب الشافعي يعزر) أي إذا كان ارتحاله لا لغرض محمود شرعًا، لما في التتارخانية: حكي أن رجلاً من أصحاب أبي حنيفة خطب إلى رجل من أصحاب الحديث ابنته في عهد أبي بكر الجوزجاني فأبى إلا أن يترك مذهبه فيقرأ خلف الإمام، ويرفع يديه عند الانحطاط ونحو ذلك فأجابه فزوجه، فقال الشيخ بعدما سئل عن هذه وأطرق رأسه: النكاح جائز ولكن أخاف عليه أن يذهب إيمانه وقت النزع؛ لأنه استخف بمذهبه الذي هو حق عنده وتركه لأجل جيفة منتنة، ولو أن رجلاً برئ من مذهبه باجتهاد وضح له كان محمودًا مأجورًا". (كتاب الحدود، باب التعزير، مطلب فيما إذا ارتحل إلى غير مذهبه، ٤/ ٨٠، ط: سعيد).

كتاب الأيمان والنذور

ایمان ونذور کا بیان

قسم اٹھائی کہ تنخواہ نہیں لے گا، پھر مجبور ہو تو تنخواہ لے اور کفارہ ادا کرے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کے امام نے قسم کھائی کہ میں تنخواہ نہیں لوں گا۔ اب صورت حال یہ ہے کہ امام محتاج ہے، اور اس کا اور کوئی ذریعۂ معاش نہیں، کیا یہ جائز ہے کہ امام کفارۂ یمین پر مامور ہو، اور تنخواہ لے کر قسم کا کفارہ ادا کرے؟

جواب: جب امام محتاج ہے، اور کوئی ذریعہ معاش نہیں ہے تو مشاہرہ لے لیا کرے، اور یمین کا کفارہ تین روزے رکھ لے اگر فقیر ہے، ورنہ دس مساکین کو دونوں وقت کھانا کھلادے، اور توبہ بھی کرے، اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں! (۱)

محمد یوسف بنوری

---

(۱) فإن لم يقدر على أحد هذه الأشياء الثلاثة صام ثلاثة أيام متتابعات، وهذه كفارة المعسر، والأولى كفارة المؤسر ... وهذا إذا لم يكن في ملكه عين المنصوص عليه، أما إذا كان في ملكه عين المنصوص عليه وهو أن يكون في ملكه عبد أو كسوة أو إطعام عشرة لايجوز أن يصوم سواء كان عليه دين أو لم يكن، وأما إذا لم يكن في ملكه عين المنصوص عليه فحينئذٍ يعتبر اليسار والإعسار، كذا في السراج الوهاج. (الفتاوى الهندية، كتاب الأيمان، الفصل الثاني في الكفارة، (٢/ ٦١، ٦٢) ط: حقانيه پشاور).

* (وإن عجز عنها) كلها (وقت الأداء) عندنا ... (صام ثلاثة أيام ولاء). (رد المحتار على الدر المختار، كتاب الأيمان، مطلب كفارة إليمين، (٣/ ٧٢٧) ط: سعيد).

* (قوله: وإن عجز عن أحدها صام ثلاثة أيام متتابعة) أي إن لم يقدر على الإعتاق والإطعام والكسوة كفّر بالصوم؛ لقوله تعالى: { فمن لم يجد فصيام ثلاثة ايام ...} وأشار بالعجز إلى أنه لو كان عنده واحد من الأصناف الثلاثة لايجوز له الصوم وإن كان محتاجاً إليه. (البحر الرائق، كتاب الأيمان، مبحث الكفارة، (٤/ ٢٩٠) ط: سعيد).

کتاب الجهاد والسیر

جہاد کا بیان

جہاد کی نیت سے جو گھوڑا پالا اسے استعمال اور فروخت کرنے کا حکم

سوال: جہاد کے گھوڑے کو اپنے کام میں لا سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اس کی نسل کو فروخت کر سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: جہاد کی نیت سے جو گھوڑا پالا جاتا ہے، وہ مالک کی ملک سے خارج نہیں ہوتا، اس لیے اس کو فروخت کر سکتا ہے، اور اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔[1]

محمد یوسف بنوری [۱۳۷۸ھ]

---

(١) قال محمد في الفرس: إذا جعله الرجل حبيساً في سبيل الله فصار بحال لايستطاع أن يركبه أحد أنه يباع ويصير ثمنه لصاحبه أو ورثته. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد، (٥/ ٨٤٧) ط: إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی).

* البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد، (٥/ ٢٥١) ط: سعيد.
* المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد، [رقم: ١١٣٥٢] (٩/ ١٢٩) ط: إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی.

کتاب الوقف

وقف کا بیان

پرانے قبرستان کو منہدم کرکے اس پر عمارت بنانے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ کراچی کے روزنامہ ''اخبار جنگ'' مؤرخہ ۱۵ فروری میں میرالی پیر کے قبرستان جولیاری کراچی کے علاقے میں واقع ہے، کے متعلق صفحہ: ۲ پر یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ محکمہ اوقاف کے حکم سے تمام قبروں کو مسمار کرکے عالی شان عمارتیں بنائی جارہی ہیں، اخبار کے کہنے کے مطابق یہ قبرستان ڈیڑھ سو سال پرانا ہے، اور سترہ سال پہلے تک بھی اس میں تدفین کا سلسلہ جاری تھا۔

سوال یہ ہے کہ قبرستان کی زمین وقف ہوتی ہے، جسے نہ فروخت کیا جاسکتا ہے نہ وہ کسی کی ملکیت میں آسکتی ہے۔ خبر سے معلوم ہوتا ہے قبرستان عام لوگوں کے استعمال کے لیے ''وقف'' تھا، کسی فردِ واحد کی ملکیت میں نہیں تھا، ایسے میں اس پر تعمیر کرنا، قبروں کو منہدم کرنا اور اس پر عمارتیں بناکر فروخت کرنا کیا شرعاً جائز ہے؟ معلوم ہوا ہے بعض قبروں سے مردوں کی ہڈیاں بھی نکلی ہیں، اس سلسلے میں شرعی احکام بیان فرماکر ممنون فرماویں!

مستفتی: سید اختر علی، کراچی

جواب: جو جائیداد وقف ہوجاتی ہے، وہ ''واقف'' کی ملکیت سے نکل جاتی ہے، اور واقف کے علاوہ بھی کسی اور شخص کی ملکیت میں نہیں آتی، بلکہ اس کا مالک صرف اللہ پاک ہے، اللہ پاک کے سوا کوئی اس کا مالک نہیں ہوتا۔ چنانچہ ''در مختار'' میں لکھا ہے:

(وعندهما هو حبسها على) حكم (ملك الله تعالى وصرف منفعتها على من أحب).

وفي رد المحتار تحت (قوله:على حكم ملك الله تعالى):

قدر لفظ الحكم ليفيد أن المراد أنه لم يبق على ملك الواقف ولا انتقل إلى ملك غيره، بل صار على حكم ملك الله تعالى الذي لا ملك فيه لأحد سواه.(۱)

فقہاء کرام نے اسی مسلک کو مفتی بہ قرار دیا ہے، کیوں کہ احادیث وآثار اسی مسلک کی مؤید ہیں، اور اسی پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام اور ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ کا عمل ہے۔ کما في ردالمحتار:

(قوله: وعليه الفتوى) أي: على قولهما يلزمه. قال في الفتح: والحق ترجح قول عامة العلماء بلزومه، لأن الأحاديث والآثار متظافرة على ذلك، واستمرّ عمل الصحابة والتابعين ومن بعدهم على ذلك.(۲)

رہا یہ مسئلہ کہ جائیداد وقف کیسے ہوتی ہے؟ تو اس سلسلہ میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا مسلک یہ

---

(۱) الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الوقف، (٤/ ٣٣٨، ٣٣٩) ط: سعيد.

* وعندهما حبس العين على حكم ملك الله تعالى على وجه تعود منفعته إلى العباد فيلزم ولايباع ولايوهب ولايورث، كذا في الهداية. وفي العيون واليتيمة: أن الفتوى على قولهما، كذا في شرح الشيخ أبي المكارم للنقاية. (الفتاوى الهندية، كتاب الوقف، الباب الأول في تعريفه وركنه وسببه ...، تعريف الوقف، (٢/ ٣٥٠) ط:حقانيه پشاور).

* فتح القدير، كتاب الوقف، (٥/ ٤١٩، ٤٢٠) ط: رشيديه.

(۲) الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الوقف، (٤/ ٣٣٩) ط: سعيد.

* وعندهما حبس العين على حكم ملك الله تعالى على وجه تعود منفعته إلى العباد فيلزم ولايباع ولايوهب ولايورث، كذا في الهداية. وفي العيون واليتيمة أن الفتوى على قولهما، كذا في شرح الشيخ أبي المكارم للنقاية. (الفتاوى الهندية، كتاب الوقف، الباب الأول في تعريفه وركنه وسببه ...، تعريف الوقف، (٢/ ٣٥٠) ط:حقانيه پشاور).

* فتح القدير، كتاب الوقف، (٥/ ٤٢٢) ط: رشيديه.

=

ہے، نفسِ بیان اور قول سے وقف ثابت ہو جاتا ہے، اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک قول کے بعد جب وہ کام اس میں شروع ہو جائے جس کے لیے "وقف" (کیا ہے) ہوا ہے۔ چناں چہ ہدایہ میں ہے، جس جگہ مہمان سرائے، مسافر خانہ، اور مقابر وغیرہ کا بیان کیا ہے، وہاں لکھا ہے:

وعندأبي يوسف يزول ملكه بالقول، وعند محمد إذا استقى الناس من السقاية، وسكنوا الخان والرباط ودفنوا في المقبرة زال الملك.(۱)

یعنی امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک یہ مذکورہ چیزیں بیان کر دینے سے "وقف" ہو جاتی ہیں، اور ملک سے نکل جاتی ہیں، اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک جب مسافر خانوں میں رہنے لگیں، اور قبرستان میں دفن کرنے لگیں تو ملک جاتی رہتی ہے اور "وقف" ثابت ہو جاتا ہے۔

بہر حال اگر قبرستان میں مردوں کی تدفین شروع ہو گئی ہے تو صاحبین رحمہما اللہ کے مسلک کے مطابق بالاتفاق وہ "وقف" ہو جاتا ہے، اور صاحبین کے مسلک پر فتویٰ دیا گیا ہے، اور امت کا اجماع بھی اسی پر ہے۔ چناں چہ عالمگیری میں لکھا ہے:

ذكر في المبسوط أن الفتوى على قولهما في المسائل، وعليه إجماع الأمة، كذا في المضمرات.(۲)

تو جب یہ ثابت ہوا کہ عام قبرستان وقف ہو جاتا ہے تو اس میں متولی وغیرہ کو اس قسم کا تصرف کرنا

---

(۱) الهداية، كتاب الوقف، فصل، (۲/ ٦٢٢، ٦٢٣) ط: رحمانيه لاهور.

* الفتاوى الهندية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر والخانات...، (۲/ ٤٦٥) ط: رشيديه.

* البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، (٥/ ٢٥٣) ط: سعيد.

(۲) الفتاوى الهندية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر والخانات والحياض ... إلخ (۲/ ٤٦٥) ط: رشيديه.

* البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد (٥/ ٢٥٣) ط: سعيد.

* الهداية، كتاب الوقف، فصل (۲/ ٦٢٢، ٦٢٣) ط: رحمانيه لاهور.

=

جس سے اس کی حیثیت وقف متأثر ہوتی ہو، مثلاً: اس کو فروخت کرنا اور عمارت بنانا وغیرہ ناجائز ہیں۔

چناں چہ "ھدایۃ" میں لکھا ہے:

وإذا صح الوقف لم يجز بيعه، ولا تمليكه.(۱)

یعنی جب "وقف" درست ہو چکا، اب اس کو فروخت کرنا اور کسی کی ملک بنانا جائز نہیں ہے۔

صورت مسئولہ میں یہ قبرستان جو عام لوگوں کے لیے وقف ہے، اور اس میں قبروں کے نشانات اب تک موجود ہیں، اور سترہ سال قبل تک اس میں مردے مدفون ہوتے رہے ہیں، اور مردے ریزہ ریزہ ہو کر مٹی نہیں بنے، بلکہ قبروں سے مردوں کی ہڈیاں نکلی ہیں تو ان حالات میں محکمہ اوقاف نے اسقبرستان میں عمارات کا جو منصوبہ بنایا ہے اور شاپنگ سنٹر قائم کرنے کا جو فیصلہ کیا ہے، شریعت کے نقطۂ نگاہ سے یہ ناجائز ہے۔

اولاً: تو اس بناپر کہ "وقف قبرستان" کی حیثیت اس سے متأثر ہوتی ہے، اور محکمۂ اوقاف کو اس قسم کے تصرف کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے:

سئل القاضي الإمام شمس الأئمة محمود الأوزجندي ... عن المقبرة في القرى إذا اندرست ولم يبق فيها أثر الموتى لا العظم ولاغيره، هل يجوز زرعها واستغلالها؟ قال: لا، ولها حكم المقبرة.كذا في المحيط.(۲)

---

(۱) الهداية، كتاب الوقف، (۲/ ٦١٩) ط: رحمانيه لاهور.

* فإذا تمّ ولزم لايملك ولايملّك ولايعار ولايرهن. (رد المحتار على الدر المختار، كتاب الوقف، (٤/ ٣٥١، ٣٥٢) ط: سعيد).

* ولايباع ولايوهب ولايورث، كذا في الهداية. (الفتاوى الهندية، كتاب الوقف، الباب الأول في تعريفه وركنه...الخ، (۲/ ٣٥٠) ط: حقانيه پشاور).

(۲) الفتاوى الهندية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر والخانات... إلخ (۲/ ٤٧٠) ط: رشيديه.

* المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الثاني والعشرون في المسائل التي تعود إلى الرباطات والمقابر والخانات... إلخ (٩/ ١٤٥) ط: إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی.

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اگر قبرستان میں قبروں کے نشانات مٹ چکے ہوں، اور مردوں کے آثار ختم ہو گئے ہوں، یہاں تک کہ ان کی ہڈیاں بھی باقی نہ رہی ہوں، تب بھی اس میں زرع وغیرہ کا تصرف ناجائز ہے۔

ثانیاً: اس میں قبروں کا پائے مال کرنا لازم آتا ہے، اور شریعت نے قبروں پر چلنے اور بیٹھنے کو ممنوع قرار دیا ہے۔ چناں چہ عالمگیری میں بعد ذکرِ صعود بر قبور لکھا ہے:

قال شمس الأئمة الحلواني: يكره. وقال ابن مسعود: لأن أطأ على جمر أحب إلي من أن أطأ على قبر. قال العلاء الترجماني: يأثم بوطئ القبور ...[1]

وقال صلى الله عليه وسلم: لاتجلسوا على القبور، ولاتصلوا إليها. رواه مسلم.[2]

وفي نصاب الاحتساب: كره أبوحنيفة وطئ القبور والجلوس عليه.[3]

محکمۂ اوقاف تو اس بات کا پابند اور ذمہ دار ہے کہ وہ موقوفہ جائیدادوں کی حفاظت اور دیکھ بھال کرے، لیکن افسوس کہ وہ اپنی ذمہ داری کو محسوس نہیں کرتا، محض اپنی ناجائز آمدنی بڑھانے کے لیے اس کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ موقوفہ جائیداد کی وقف کی حیثیت کو ختم کر کے عمارت وغیرہ بنائے، مسلمانوں کے

---

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية، الباب السادس عشر في زيارة القبور (٥/ ٣٥١) ط: مكتبه حقانيه پشاور.

(۲) مشكاة المصابيح، كتاب الجنائز، باب دفن الميت، الفصل الاول، (ص:١٤٨) ط: قديمى.

(۳) (فتاوىٰ سعدية، ص:١٤٣).

* قال في الفتح: ويكره الجلوس على القبر ووطؤه، وحينئذٍ فمايصنعه من دفنت حول أقاربه خلق من وطء تلك القبور إلى أن يصل إلى قبر قريبه مكروه، ويكره النوم عند القبر وقضاء الحاجة بل أولى. (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، قبيل مطلب في وضع الجريد ونحو الآس على القبور، (٢/ ٢٤٥) ط: سعيد).

* البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته، (٢/ ١٩٤) ط: سعيد.

اس قدیم قبرستان کے ساتھ اس ناروا سلوک اور خلاف شرع منصوبے پر عمل درآمد سے فوراً روک دے، اور قبرستان کی حیثیت کو برقرار رکھے۔ واللہ تعالیٰ أعلم

الجواب صحیح	کتبہ
محمد یوسف البنوری	بندہ احمد الرحمن غفرلہ

(۱۸/صفر/۱۳۹۶ھ)

غیر مسلموں کی متروکہ جائیداد پر مسجد بنانے اور مدت تک نماز ادا کرنے کے بعد انتظامیہ کو اسے ختم کرنے کا حق نہیں ہے، نیز مسجد کا سامانِ وقف ضبط کرنا اور اسے دوسرے مصارف میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مندرجہ ذیل مسئلہ میں کہ:

ناظم آباد کراچی بلاک نمبر: ۱ کے سب بلاک ''اے''، ''جی'' اور ''کے'' میں کوئی مسجد نہ ہونے کی وجہ سے اہلِ محلہ کو نماز باجماعت ادا کرنا ممکن نہ تھا، حسنِ اتفاق سے سب بلاک ''کے'' میں جو ان مذکورہ بالا پلاٹوں میں واقع ہے، اور بیچ میں ہے، ایک ایسا خالی پلاٹ موجود ہے، جو اہلِ محلہ کے رفاہِ عام کے لیے مخصوص ہے، لہٰذا ایک مسجد کی اشد ضرورت محسوس کرتے ہوئے مذکورہ بالا بلاکوں کے ہم سب ساکنان نے باتفاق رائے اس خالی پلاٹ کے ایک حصے میں تقریباً چودہ پندرہ سال ہوئے بتدریج ایک مسجد تعمیر کرلی، جس میں باقاعدہ نمازِ پنج گانہ اور نمازِ جمعہ کئی سال تک پابندی کے ساتھ ہوتی رہی، ماہِ رمضان المبارک میں نمازِ تراویح ہوتی، اور ختمِ کلام پاک ہوتا رہا، مسجد کے علاوہ اس پلاٹ کا بقیہ حصہ پارک کے لیے چھوڑا ہوا ہے، تعمیرِ مسجد سے قبل اور بعد میں بھی متعلقہ حکام سے اہلِ محلہ اجازت نامہ حاصل کرنے کی مسلسل کوشش کرتے رہے، لیکن حکام کے وعدوں کے باوجود اجازت نہ ملی، بلکہ بتاریخ ۳۱ جولائی ۱۹۶۶ء ۶ بجے شام کو جب کہ کچہری بند ہوچکی تھی، تاکہ حکم امتناعی حاصل کرنے کا اہلِ محلہ کو موقع ہی نہ مل سکے، ڈپٹی کمشنر کے حکم سے کے ایم سی نے پولیس کو ہمراہ لاکر اپنے عملہ اور مزدوروں کے ذریعے مسجد کے اینگل آئرن، دریوں کی جائے نمازیں، چٹائیاں، قرآن مجید کی جلدیں، رحل، ٹوپیاں وغیرہ لے

جاکر گولیمار کے تھانے میں یا کہیں لے جاکر رکھ دیا، کچھ پتہ نہیں کہ اس سامان کا کیا حشر ہوا، اور مسجد کے چبوترے کو چاروں طرف سے توڑ ڈالا۔

حکومت اور کارپوریشن کی اس جابرانہ، غیر شرعی حرکت اور وحشیانہ تشدد کے باوجود باقی ماندہ چبوترہ پر حسبِ دستور نمازِ پنج گانہ، نمازِ جمعہ اور تراویح مسلسل پابندی کے ساتھ ہوتی رہی، لیکن پھر دوبارہ یکم اور دو جولائی ۱۹۶۷ء کی درمیانی شب میں تقریباً دو بجے تھرڈ سول جج کراچی کے حکم امتناعی کے باوجود چوروں کی طرح کے ڈی اے اور کے ایم سی نے اپنے عملے کے ساتھ کثیر تعداد میں مسلح پولیس اور صدھا صد کی تعداد میں مزدوروں ٹریکٹروں اور بل ڈوزر وغیرہ لاکر فجر سے قبل مسجد کے پورے چبوترے کو بالکل مسمار کردیا، پورے پلاٹ کے گرد سیمنٹ کے ڈھلے ستونوں کو نصب کرکے خاردار تار لگاکر گھیر دیا اور بورڈ لگادیا، جس میں یہ لکھا تھا: ''یہ پلاٹ کے ایم سی کے پارک کے لیے زیرِ تعمیر ہے۔'' مسلح پولیس پلاٹ کے قریب بٹھادی گئی، جس کو یہ ہدایت کی گئی تھی کہ اگر کوئی شخص نماز پڑھنے کے لیے پلاٹ میں آئے تو اس کو گرفتار کیا جائے، مسجد کا کل سامان یعنی قرآن مجید کی جلدیں، رحل، دریاں، بڑی جائے نمازیں، چٹائیاں، ٹوپیاں، پانی کی ٹنکی، ڈرم، پائپ اور چبوترے کے ہزاروں بلاک کے ایم سی کا عملہ پھر دوبارہ اٹھاکر لے گیا، یہ سب سامان کئی ہزار روپے کا تھا۔

غرض متذکرہ حالات وواقعات کے پیشِ نظر مندرجۂ ذیل سوالات کے جوابات کے درکار ہیں کہ:

۱ – غیر مسلموں کی متروکہ جائیداد پر مسجد تعمیر کی جانے اور اس میں مدت تک نماز ادا کیے جانے کے بعد اس کو حکومت ختم کرسکتی ہے؟

۲– اگر حکومت اس کو ختم کردیتی ہے تو وہ جگہ مسجد رہے گی یا اس کو دوسری جگہ منتقل کیا جاسکتا ہے؟

۳– کیا مسجد کے سامان کو حکومت غصب کرکے رکھ سکتی ہے یا اور کسی مصارف میں صرف کرسکتی ہے؟ فقط

مستفتی: سید محمد یحییٰ پیرزادہ، سیکرٹری انجمن تحفظِ اسلام، ناظم آباد کراچی

جواب: ۱، ۲– یہ مسجد بالکل شرعی حیثیت رکھتی ہے، گورنمنٹ یا اس کا کوئی ادارہ اس کو ناجائز قرار دے کر منہدم کردینے کا حق ہرگز نہیں رکھتا، نیز اگر حکومت اس کو ختم بھی کردیتی ہے

تو بھی وہ جگہ من تحت الثریٰ إلی عنان السماء مسجد ہی رہے گی۔ کما في الشامي، ج: ۱[1]

۳- اور حکومت کو کوئی اختیار نہیں کہ مسجد کے سامان کو ضبط کرلے، اور اس کو دوسرے مصارف میں صرف کرے۔[2] (اختصار از جوابات مشتمل بر ۴ ورق)

المفتقر إلی الله السید حامد جلالي (۸/ذی قعدہ ۱۳۹۱ھ)

الجواب صحیح	الجواب حق
محمد انصار الرحمن	سید نور الاسلام قادری
المرکز الاسلامی (مہر)	(مہر)
الجواب صحیح	**الجواب صحیح مدلل**
سید مسعود علی قادری (۸/۱/۱۳۹۲ھ)	محمد ظفر اللہ
مفتی دار العلوم امجدیہ	
مہر دار الافتاء	

(۱) لأنه مسجد إلی عنان السماء. وفي رد المحتار: (قوله: إلی عنان السماء) بفتح العين، وكذا إلی تحت الثری، كما في البيري عن الإسبيجابي. (ردالمحتار علی الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، مطلب في أحكام المسجد، (۱/ ٦٥٦) ط: سعيد).

* تبيين الحقائق، شرح كنز الدقائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، ومايكره فيها، فصل، (۱/ ٤١٩) ط: سعيد .
* النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، فصل فيما يكره خارج الصلاة، (۱/ ۲۸۸) ط: دار الكتب العلمية بيروت الطبعة الأولیٰ ۱٤۲۲هـ .

(۲) وفي الإسعاف: وليس لمتولي المسجد أن يحمل سراج المسجد إلی بيته. (البحرالرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، (٥/ ۲٥۰) ط: سعيد).

* الفتاوی الهندية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد ومايتعلق به، الفصل الثاني في الوقف علی المسجد...، مطلب: الوقف علی عمارته ومصالحه سواء علی الأصح. (۲/ ٤٦۲) ط: رشيديه).
* فتح القدير، كتاب الوقف، فصل اختصّ المسجد بأحكام، (٥/ ٤٤٦) ط: رشيديه. =

جواب صحیح ہے، حکومت کو کوئی حق نہیں ہے کہ اس مسجد کو منہدم کرکے اس کا سامان غصب کرے، مسجد بن چکی ہے، اب یہ قیامت تک مسجد ہی رہے گی،(۱) مسلمانوں کو شرعاً حق حاصل ہے کہ ضرورت کے وقت اس قسم کے خالی پلاٹوں پر مساجد تعمیر کرلیں۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: ولی حسن ٹونکی غفراللہ لہ (۸/ محرم الحرام ۱۳۹۲ھ)

مفتی مدرسہ عربیہ اسلامیہ، نیوٹاؤن کراچی

الجواب صحیح	الجواب صحیح
محمد یوسف بنوری عفااللہ عنہ	احمد الرحمن غفرلہ

(۱) وقال أبويوسف: هو مسجد أبداً إلى قيام الساعة لايعود ميراثاً، ولايجوز نقله ونقل ماله إلى مسجد آخر سواء كانوا يصلون فيه أولا، وهو الفتوى، كذا في الحاوي القدسي. وفي المجتبى: وأكثر المشايخ على قول أبي يوسف، ورجح في فتح القدير قول أبي يوسف بأنه الأوجه. (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، (٥/ ٢٥١) ط: سعيد).

* النهر الفائق شرح كنز الدقائق، كتاب الوقف، فصل: ومن بنٰى مسجدًا لم يزل ملكه... إلخ، (٣/ ٣٣٠) : دار الكتب العلمية.
* الفتاوىٰ الهندية، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر في المسجد ومايتعلق به، الفصل الأوّل فيما يصير به مسجدًا أو في أحكامه وأحكام ما فيه، (٢/ ٤٥٨) ط: رشيديه).

(۲) طريق للعامة هي واسع فبنٰى فيه أهل المحلة مسجدًا للعامة ولايضر ذلك بالطريق قالوا: لابأس به وهٰكذا روي عن أبي حنيفة و محمد رحمهما الله تعالىٰ؛ لأنّ الطريق للسملمين والمسجد لهم أيضًا. (الفتاوىٰ الخانية على هامش الفتاوىٰ الهندية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجدًا ... إلخ، (٣/ ٢٩٢) ط: رشيديه).

* البحرالرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، (٥/ ٢٥٥) ط: سعيد.
* تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، كتاب الوقف، فصل من بنٰى مسجدًا لم يزل ملكه عنه... إلخ، (٣/ ٣٣١) ط: المطبعة الكبرٰى الأميرية القاهرة.

خائن شخص مسجد کمیٹی کے صدر یا منتظم ہونے کا اہل ہے یا نہیں؟

سوال: کیافرماتے ہیں علمائے دین، شرعِ متین مندرجہ ذیل حالات کے سلسلے میں کہ:

زید عرصہ تین چار سال کے درمیانی وقفہ میں ایک مسجد کے صدر کی حیثیت سے بذات خود بلا کسی معاون کے کام کرتے رہے، نہ ہی ان کے ہمراہ کوئی سیکرٹری تھا نہ کوئی خزانچی، بلکہ ان تمام عہدوں پر خود ہی کام کرتے رہے، اس دورانی عرصہ میں اکثر لوگوں نے متعدد مرتبہ ان کی روش پر احتجاج کیا، لیکن ان اجتماعی کوششوں کا انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا، بلکہ اس کے جواب میں ہمیشہ دست و گریباں ہوتے رہے۔

اب صورت یہ ہے عرصہ دس ماہ سے جو منتظمہ کمیٹی کام کر رہی ہے، اور جو مسجد کا کام بدستور دیانت داری سے انجام دے رہی ہے، اس کا اور اہلِ محلہ کا اصرار یہ ہے کہ صدر موصوف عرصہ تین، چار سال کا حساب (جو اندازے کے مطابق ایک کثیر رقم کی حیثیت اختیار کر چکا ہے، بجائے اس کے کہ وہ ذاتی ملکیت تصور کریں، اس کو اللہ کے گھر کی امانت تصور کرتے ہوئے) واپس کر دیں، لیکن وہ اس سلسلہ میں حیل و حجت اور متضاد بیانات سے کام لے رہے ہیں، حتی کہ مار پیٹ پر آمادہ ہو جاتے ہیں، اور حساب دینے سے صاف انکار کرتے ہیں۔

کیا صاحب موصوف ایسی صورت میں جب کہ ان کا کردار سراسر مشکوک ہے، آئندہ اس مسجد یا کسی بھی مسجد کے صدر یا منتظم ہونے کے حق دار ہیں؟

شرع کی رو سے ایسا شخص جو مسلسل حساب دینے سے گریز کرے، کسی سزا یا جزا کا مستحق ہے؟

جواب: اگر واقعاتِ مندرجہ استفتا صحیح ہیں، اور اس میں کسی ذاتی عداوت و عناد کو دخل نہیں ہے تو صدرِ مذکور اس قابل نہیں کہ اس کو مسجد کا صدر رکھا جائے، کیوں کہ کسی خائن کو مسجد کی تولیت دے دینا جائز نہیں۔ في الشامي:

(قوله: وينزع وجوباً) مقتضاه إثم القاضي بتركه، والإثم بتولية الخائن،

ولا شك فيه- بحر-[1]

اس روایت کا حاصل یہ ہے کہ نا قابل کو معزول نہ کرنے اور خائن کے متولی رکھنے سے بلا شک قاضی گناہ گار ہو گا، اب عامہ مسلمین قاضی کے حکم میں ہیں۔

ہاں اگر وہ متولی اب اپنے حالات کو درست کر لیں اور مسجد کے حسابات کو ٹھیک ٹھیک پیش کر دیں تو متولی رہ سکتے ہیں۔

وأنه إذا أخرجه وتاب وأناب أعاده.[2]

الجواب صواب

محمد یوسف البنوری

احقر ولی حسن عفي عنه

مدرسہ عربیہ اسلامیہ، کراچی/۵۲

۵/شوال ۱۳۷۷ھ

(۱) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الوقف، مطلب: يأثم بتولية الخائن، (٤/ ٣٨٠) ط: سعيد.

* البحر الرائق، كتاب الوقف، (٥/ ٢٤٥) ط: سعيد.

* مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، كتاب الوقف، فصل، (٢/ ٦٠٢) ط: دار الكتب العلمية، بيروت.

(۲) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الوقف، مطلب: يأثم بتولية الخائن، (٤/ ٣٨٠) ط: سعيد.

* البحر الرائق، كتاب الوقف، (٥/ ٢٤٥) ط: سعيد.

کتاب الکفالة

کفالت کا بیان

تحریری یا زبانی ضمانت قبول کیے بغیر غیر خریدار سے رقم کا مطالبہ کرنا

(**نوٹ:** یہ سوال جواب صرف اس لیے شامل کیا جارہا ہے کہ آنے والے سوال وجواب کا اس سے تعلق ہے اور اس سوال جواب کے ذکر کیے بغیر اس کا سمجھنا مشکل ہے۔)

سوال: مسمی نور حبیب نے موٹر رکشہ غلام داد پر ماہوار تین صد قسط پر فروخت کیا، چند ماہ قسط ادا کرتا رہا، پھر آپس میں ان کا جھگڑا ہو گیا، اس پر میں مسمّٰی حکمت خان نے دونوں کو سمجھایا کہ لڑنے جھگڑنے کی ضرورت نہیں، اور میں نے گاڑی ٹرانسفر غلام داد کو دے دیا، مگر میں نے ذمہ داری نہیں لی۔ چند روز کے بعد میں نے نور حبیب کو کہا کہ: ایک رسید لکھ دو، اس نے رسید لکھ دی، اس دوران غلام داد بھاگ گیا۔ کیا ایسی صورت میں جب کہ حکمت خان نے تحریری یا زبانی ذمہ داری نہیں اٹھائی، نور حبیب کو اس سے رقم کے مطالبے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

جواب: صورت مسئولہ میں جب کہ مسمّٰی حکمت خان نے ذمہ داری نہیں لی، تحریری اور زبانی ضمانت قبول نہیں کی تو غلام داد کے بھاگنے کے بعد نور حبیب کو حکمت خان سے رقم کے مطالبے کا حق حاصل نہیں ہے، نور حبیب صرف خریدار غلام داد سے اپنی رقم کا مطالبہ کر سکتا ہے۔[1] واللہ تعالیٰ اعلم

احمد الرحمن غفرلہ (۲۹/ربیع الاول/۱۳۸۳ھ)

---

(١) (هي) لغة: الضمّ ... وشرعاً (ضمّ ذمة) الكفيل (إلى ذمة) الأصيل (في المطالبة مطلقاً) بنفس أو بدين أو عين... إلخ (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الكفالة، (٥/ ٢٨١) ط:سعيد.

* الفتاوى الهندية، كتاب الكفالة، الباب الأول في تعريف الكفالة وركنها وشرائطها، (٣/ ٢٥٢) ط: رشيديه.
* الكفالة: ضمّ لغة، والتزام المطالبة بماعلى الأصيل شرعاً. (بدائع الصنائع، كتاب الكفالة، (٦/ ٢) ط: سعيد).
* وفي جامع الفصولين: قال: دينك الذي على فلان أنا أدفعه إليك، أنا أسلمه إليك، أنا أقبضه لايصير كفيلاً مالم يتكلّم بلفظ يدلّ على الإلتزام، كقوله: كفلت، ضمنت. (البحر الرائق، كتاب الكفالة، (٦/ ٢١٨) ط: سعيد).

نفس وثیقہ لکھنے سے کفالت سے بری نہیں ہوگا

سوال: پہلے مسئلہ میں اگر حکمت خان نے ذمہ داری لی ہو، اور پھر وثیقہ لکھوایا ہو، اب فرار مشتری غلام داد کے بعد حکمت خان اگر کہے کہ: وثیقہ لکھنے کی وجہ سے میں بری الذمہ ہو چکا، اور نور حبیب کو مجھ سے مطالبہ کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ کیا حکمت خان کی بات درست ہے کہ وثیقہ لکھنے کے بعد وہ ذمہ دار نہیں رہا، یا وہ بدستور ذمہ دار ہے؟ اور نور حبیب اس سے مطالبہ کر سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: اگر مستفتی کی یہ بات درست ہے کہ حکمت خان نے رکشہ کی رقم کی ادائیگی کی ذمہ داری قبول کی تھی، اور اس کے بعد وثیقہ لکھا، اور وثیقہ لکھتے وقت اس نے سابق ذمہ داری سے سبکدوشی ظاہر نہیں کی تو اب غلام داد کے بھاگنے کے بعد حکمت خان کا یہ کہنا درست نہیں کہ وثیقہ لکھنے سے میں بری الذمہ ہو چکا ہوں، نفسِ وثیقہ لکھنے سے اس کی سابق قبول کردہ ذمہ داری ختم نہیں ہوئی۔[1]

لہٰذا صورت مسئولہ میں غلام داد کی عدم موجودگی میں نور حبیب کو شرعاً یہ حق حاصل ہے کہ اپنی باقی ماندہ رقم حکمت خان سے وصول کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

احمد الرحمن غفرلہ

(۲۹/ ربیع الاول ۱۳۸۳ھ)

جب کفیل نے باوجود وثیقہ لکھوانے کے اپنی کفالت سے براءت ظاہر نہیں کی تو اس کی کفالت باقی رہے گی؛ اس لیے سابق کفیل بری الذمہ نہیں ہو سکتا۔ محمد یوسف بنوری

---

(١) الكفيل بالمال، فإنما يخرج عن الكفالة بأحد أمرين: أحدهما: أداء المال إلى الطالب أو ماهو في معنى الأداء... والثاني: الإبراء وماهو في معناه، فإذا أبرأ الطالب الكفيل أو الأصيل خرج عن الكفالة. (بدائع الصنائع، كتاب الكفالة، بيان مايخرج به الكفيل عن الكفالة، (٦/ ١١) ط: سعيد).

* تنتهي الكفالة بانتقاض الدين المكفول به بأي طريق من طرق انقضاء الدين ، كالأداء والإبراء والمقاصة وغير ذلك. ... وأمّا الكفالة في العين فتنتهي بتعليم العين المكفولة . وأمّا الكفالة في البدن فتنتهي بإحضار المكفول ببدنه أو موته . (الموسوعة الفقهية الكويتية ، الكفالة ، انتهاء الكفالة ، (٣٤/ ٣١٩) ط: مطابع دار الصفوة).

کتاب الإمارة والقضاء والسياسة

موجودہ جماعتوں میں سے کون سی جماعت افضل وحق ہے؟

سوال: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جناب بعد سلام مسنون خدمت عالیہ میں یہ عرض ہے کہ ہمارے اطراف میں چند مسائل کے مابین لوگوں کے درمیان بات چھڑ گئی ہے، جس کا ثالث آپ حضرات کو منتخب کیا گیا ہے کہ آپ حضرات جو فیصلہ عنایت کریں گے اس پر ہم سب کا متحد ہونا اور اس پر عمل کرنا ہم سب پر ضروری ہے؛ اس لیے بذریعہ خط مسئلہ ذیل میں آپ کا فیصلہ چاہتا ہوں، بنا بریں قوی امید وتوقع کامل ہے کہ آپ حضرات ازراہِ کرم ہمارے ان مسائل کا صحیح فیصلہ عنایت فرما کر ہم کو حوادث وفتن سے باز رکھ کر خوش وممنون فرمائیں۔ فقط والسلام

فی الحال سیاسی جماعتوں میں سے کون سی جماعت پکڑنا افضل وحق ہے؟

مستفتی: مولوی سراج الدین غفرلہ، ساکن بانی گرام خان باڑی، پوسٹ بانی گرام ضلع سلہٹ، شرقی پاکستان (۲۷/۴/۱۳۹۰ھ)

جواب: بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

صالحین علماء سے مشورہ کریں اور استخارہ کریں۔[1] والسلام محمد یوسف بنوری (۵/جمادی الاولی/۱۳۹۰ھ)

---

(۱) { وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ} [آل عمران: ۱۵۹].

* {وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ} [الشوری: ۳۸].
* يدل على جلالة موقع المشورة لذكرها مع الإيمان وإقامة الصلاة، ويدلّ على أنا مأمورون بها. (أحكام القرآن للجصاص، [الشوری:۳۸] (۳/ ۵۱۰) ط: دارالكتب العلمية بيروت).
* عن جابر قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعلّمنا الاستخارة في الأمور كما يعلّمنا السورة من القرآن، يقول: إذا همّ أحدكم بالأمر فليركع ركعتين من غير الفريضة ...الخ (مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب التطوع، الفصل الأول، (ص:۱۱۶) ط: قديمی كراچی).

مسلم حکومت کی اسمبلی میں غیر مسلم کی نمائندگی کا حکم

سوال: مکرمی السلام علیکم

ازروئے شرع شریف حسبِ ذیل سوال کا جواب مرحمت فرمائیں

کیا مسلم حکومت میں کسی غیر مسلم کو حقِ نمائندگی حاصل ہے کہ نہیں؟

مستفتی: خادم قمر الزماں خان

جواب: مروجہ اسمبلی کا طریقہ اسلامی دورِ حکومت میں رائج نہ تھا، اسلام کے قوانین کے پیشِ نظر مسلمان حاکم یا قاضی کو صرف اسلامی قوانین کی تنفیذ کا حق ہے، نہ تشریع کا،(۱) اسلامی حکومت کے اہلِ شوریٰ صرف مسلمان ہی ہو سکتے ہیں، موجودہ مجلسِ نیابی کی حیثیت اربابِ حل وعقد کی مجلسِ

---

(۱) والمسلمون لابدّ لهم من إمامهم يقوم بتنفيذ أحكامهم وإقامة حدودهم وسدّ ثغورهم وتجهيز جيوشهم وأخذ صدقاتهم... وفي الحاشية: قوله: من إمام: الإمام الحقّ هو الذي استجمع الشرائط الخمسة للإمامة من الإسلام والحرية والعقل والبلوغ والعدالة، وصار إماماً ببيعة جماعة من المسلمين وهم رضوا بإمامته، وهو يريد إعلاء كلمة الإسلام ومعونة المسلمين ويؤمن به دمائهم وأموالهم وفروجهم، ويأخذ العشر والخراج على الوجه المشروع ويعطي العلماء والخطباء والقضاة والمفتيين والمدرسين والمتعلمين والحافظين وغير ذلك من بيت المال، ويكون عدلاً مأموناً مشفقاً على المسلمين، ومن لم يكن كذلك فهو ليس بإمام حقّ. (شرح العقائد النسفية للتفتازاني، مبحث الإمامة، (ص:۱۸۵) ط: مكتبه رحمانيه لاهور).

* رد المحتار على الدر المختار ، كتاب الصلاة ، باب الإمامة ، مطلب : شروط الإمامة الكبرٰى ، (۱/ ٥٤٨) ط: سعيد .

* حاشية كشف الأستار على الدر المختار، كتاب الصلاة ، باب الإمامة، (۱/ ۸۲) ط: سعيد .

=

شوریٰ کی ہے، ظاہر ہے کہ غیر مسلم نمائندہ نہیں ہو سکتا ہے۔[1] واللہ اعلم

الجواب صحیح — محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ

ولی حسن عفي عنہ — [رجب ۱۳۷۷ھ]

مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی/۵

کیا صدرِ پاکستان کو خلیفۃ المسلمین کہا جا سکتا ہے؟

سوال: کیا صدرِ پاکستان کو خلیفۃ المسلمین کہا جا سکتا ہے؟

مستفتی: حافظ تصدیق حسین خان، کیمپ نمبر: ۲، نواب شاہ

---

(۱) {وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ} . [آل عمران: ۱۵۹]

* {وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ}. [الشورٰی : ۳۸].

* وقال ابن خويز منداد : واجب على الولاة مشاورة العلماء فيما لايعلمون، وفيما أشكل عليهم من أمور الدين، و وجوه الجيش فيما يتعلق بالحرب، ووجوه النّاس فيما يتعلق بالمصالح، ووجوه الكتاب والوزراء والعمال فيما يتعلق بمصالح البلاد وعمارتها. ... قال البخاري: وكانت الأئمة بعد النّبي صلى الله عليه وسلم يستشيرون الأمناء من أهل العلم في الأمور المباحة ليأخذوا بأسهلها . وقال سفيان الثوري : ليكن أهل مشورتک أهل التقوٰى والأمانة ، ومن يخش الله تعالىٰ . (تفسير القرطبی، سورة آل عمران : ۱۵۹ ، (٤/ ۲۵۰، ۲۵۱) ط: دار الكتب المصرية القاهرة).

* والّذين استجابوا لربّهم أي أجابوه إلىٰ مادعاهم إليه من طاعته وأقاموا الصلاة وأمرهم شورٰى مصدر كالفتيا بمعنى التشاور أي يتشاورون بينهم فيما يبدو لهم ولا يعجلون، ولا شك ان المؤمن إذا استشار مؤمنا يشير بما هو خير له في الدارين يأمره بالمعروف وينهاه عن المنكر، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: المستشار مؤتمن . رواه مسلم عن أبي هريرة . (التفسير المظهري ، سورة الشورٰى : ۳۸ ، (۸/ ۳۲۸) ط: رشيديه).

* أحكام القرآن للجصاص ، سورة الشورٰى : ۳۸ ، (۳/ ۵۱۰) ط: دار الكتب العلمية .

=

جواب: جب تک اسلامی محاکم شرعیہ قائم نہ ہوں، کسی ملک کے سربراہ کو خلیفۃ المسلمین یا امیر المؤمنین کہنا شرعاً درست نہیں۔[1]

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ (۳/رجب ۱۳۷۸ھ)

(۱) والمسلمون لابدّ لهم من إمام يقوم بتنفيذ أحكامهم وإقامة حدودهم ... إلخ (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب: شروط الإمامة الكبرى، (۱/ ٥٤٨) ط: سعيد).

* وفي الإحضار إلى مكان الإمام حرج عظيم فلولم يجز الاستخلاف لتعلطت الحدود، وهذا لايجوز؛ ولهذا كان عليه الصلاة والسلام يجعل إلى الخلفاء تنفيذ الأحكام وإقامة الحدود. (بدائع الصنائع، كتاب الحدود، فصل في شرائط جواز إقامة الحدود، (۷/ ٥٨) ط: سعيد).
* شرح العقائد النسفية للتفتازانی، مبحث الإمامة (ص: ۱۸٥) ط: مكتبه رحمانيه.

کتاب الدعوی

دعوے کا بیان

طویل مدت کے بعد دعویٰ معتبر ہونے کی ایک صورت

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ:

چار بھائی ہیں، اور جائیدادِ متروکہ کو اس طریقے سے تقسیم کریں کہ آدھ کرکے آدھ دو بھائی لے لیں، اور آدھ اور دو بھائی لے لیں، پھر اس میں دو بھائی آپس میں تقسیم کرکے آدھ ایک لے لے، اور آدھ دوسرا۔ ایک فوت ہو کر اس کی بیوہ رہ گئی ہے، اور ایک لڑکا نابالغ، بیوی نے اس نابالغ لڑکے کی زمین کا کچھ حصہ اس بھائی مقسوم شدہ کی زمین کے کچھ حصہ سے بدل دیا، جب بیوی فوت ہوگئی، اور لڑکا بالغ ہوا پندرہ سال گزرے، اور پندرہ سال تک اس میں وہ کاشت کاری وغیرہ کرتا رہا، یعنی پورا قابض تھا، اور جب بالغ ہوا اس وقت یہ معلوم تھا کہ میری والدہ نے تبادلہ کیا ہے، لیکن اس نے دعویٰ نہیں کیا، اور اس پر راضی تھا، بعد میں جب وہ زمین آباد ہوئی تو لوگوں نے کہا کہ والدہ کا تبادلہ نہیں ہوسکتا ہے، لہٰذا تم دعویٰ کرو۔

کیا تصرف کے بعد دعویٰ صحیح ہے یا نہیں؟ اتنی مدت تک جب پورا قابض رہا، اس کا دعویٰ صحیح کیسے ہوسکتا ہے؟ جواب بحوالہ کتب عنایت فرماویں!

مستفتی: عزیز الرحمن

جواب: نابالغ کی زمین کی بیع کا اختیار ماں وغیرہ (حتی کہ اولیاء) کو نہیں ہے، لہٰذا یہ بیع باطل

ہو گی،[1] موقوف وہ عقد ہوتا ہے جس کا بالفعل کوئی مجیز ہو اور یہاں یہ شرط نہیں،[2] لہٰذا بیع باطل ہو گی۔

بلوغ کے بعد اگر وہ لڑکا از سرِ نو بیع کرتا تو بیع صحیح ہوتی،[3] تصرف کرنے یا اجازت دینے سے بھی صحیح نہیں ہو گی، لہٰذا لڑکے کو دعویٰ کرنے کا حق ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح احقر ولی حسن عفي عنه

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ، کراچی

(۲۷/شوال ۱۳۷۷ھ)

---

(۱) وقيد بالأب؛ لأن الأم وسائر الأقارب ليس لهم بيع شيء اتفاقا؛ لأنهم لا ولاية لهم أصلا في التصرف حالة الصغر ولا في الحفظ بعد الكبر. (البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب النفقة (٤/ ٢١٣) ط: سعيد).

* قال في السابع والعشرين من جامع الفصولين: ولو لم يكن أحد منهم، فلوصي الأم الحفظ، وبيع المنقول من الحفظ، وليس له بيع عقاره ... إلخ (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب المأذون، تصرف الصبي ومن له الولاية عليه وترتيبها، (٦/ ١٧٥) ط: سعيد).

* الجواب: نابالغ کی عقار کی بیع کا چوں کہ اولیاء کو بھی اختیار نہیں، لہذا یہ بیع باطل ہو گی۔ (امداد الفتاوی، کتاب البیوع، نابالغ کی جائیداد کے بیچنے کا عدم جواز، (27/3) ط: مکتبہ دار العلوم کراچی)۔

(۲) (كلّ تصرّف صدر منه) تمليكاً كان كبيع وتزويج، أو إسقاطاً كطلاق وإعتاق (وله مجيز) أي لهذا التصرف (حال وقوعه انعقد موقوفاً). (رد المحتار على الدر المختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، فصل في الفضولي، (٥/ ١٠٦، ١٠٧) ط: سعيد).

* فتح القدير، كتاب البيوع، فصل في بيع الفضولي، (٦/ ١٩٠) ط: رشيديه.

* امداد الفتاوی، کتاب البیوع، نابالغ کی جائیداد کے بیچنے کا عدم جواز، (27/3) ط: مکتبہ دار العلوم کراچی۔

(۳) فشرائط العاقد اثنان: العقل والعدد، فلاينعقد بيع مجنون وصبي لايعقل، ولاوكيل من الجانبين ... ولايشترط فيه البلوغ ولا الحرية. (رد المحتار على الدر المختار، كتاب البيوع، مطلب: شرائط البيع أنواع أربعة، (٤/ ٥٠٤) ط: سعيد).

* وأما شرائط الانعقاد فأنواع، منها في العاقد وهو أن يكون عاقلاً مميزاً، كذا في الكافي والنهاية، فيصح بيع الصبي والمعتوه اللذين يعقلان البيع وأثره. (الفتاوى الهندية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع وركنه وشرطه ... إلخ (٣/ ٢) ط: رشيديه).

* البحر الرائق، كتاب البيوع، (٥/ ٢٥٨) ط: سعيد.

=

غلط اور ناحق الزام کی صورت میں مدعیٰ علیہ کے مالی نقصان کی ذمہ داری مدعی پر ہوگی

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین مسئلہ ذیل میں:

ایک شخص نے دوسرے پر غلط الزام لگا کر مقدمہ دائر کر دیا، جس کی وجہ سے مدعیٰ علیہ کو تین ماہ جیل میں رہنا پڑا، اور مقدمہ پر کافی مالی نقصان بھی ہوا۔ کیا اس مظلوم کو اس ظالم سے مقدمہ میں لگا ہوا اپنا روپیہ لینے کا حق ہے یا نہیں؟

مستفتی: اسماعیل زے

جواب: زید نے عمرو پر غلط الزام لگایا ہے، اور اس کو قید کروایا ہے، یہ بڑا ظلم ہے، جب تک عمرو زید کو معاف نہیں کرے گا تو اللہ تعالیٰ بھی زید کو معاف نہیں کرے گا، جو کچھ رقم اس ظلم وعدوان کی بنا پر عمرو نے خرچ کی ہے، یہ سب رقم زید کے ذمہ واجب الادا ہے، اور جو قید کی سزا دی گئی اس کو اگر مظلوم عمرو معاف نہ کردے تو آخرت میں زید سے مواخذہ ہوگا، اگر عمرو اس کے بدلے کچھ رقم لے کر زید کو معاف کردے تو بھی زید اس کو غنیمت سمجھے، تاکہ آخرت کے وبال سے بچ جائے۔[1]

---

(١) عن سهل بن معاذ بن أنس الجهني عن أبيه رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: من حمى مؤمناً من منافق يعيبه بعث الله تبارك وتعالى ملكاً يحمي لحمه يوم القيامة من نار جهنم، ومن بغى مؤمناً يريد به شينه حبسه الله تعالى على جسر جهنم حتى يخرج مما قال. (مسند الإمام أحمد بن حنبل، حديث معاذ بن أنس الجهني، [رقم الحديث: ١٥٢٢٢] (٤/ ٤٦٧) ط: دار إحياء التراث العربي، بيروت).

* سنن أبي داود، كتاب الأدب، باب الرجل يذبّ عن عرض أخيه، (٢/ ٣٢١) ط: امداديه ملتان.

* عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من كانت له مظلمة لأخيه من عرضه أو شيئ فليتحلله منه اليوم قبل أن لايكون دينار ولا درهم، إن كان له عمل صالح أخذ منه =

نیز جو تنخواہ کی رقم اس زمانہ میں اس کو نہیں ملی، وہ بھی از روئے شرع شریف زید کے ذمہ واجب ہے، یہ سب حقوق العباد ہیں، جب تک مظلوم عمرو راضی نہ ہو قیامت کی گرفت سے زید ظالم بچ نہیں سکتا، اگر زید نے دنیا میں اس کے حقوق ادا نہیں کیے، اور عمرو نے معاف بھی نہیں کیا تو عمرو کو زید کے حسنات دیے جائیں گے، اگر وہ حقوق پورے نہ ہوئے تو پھر عمرو کے سیئات وگناہ زید پر ڈالے جائیں گے، اللہ تعالیٰ پناہ میں رکھے، اس لیے جلد سے جلد زید کو چاہیے کہ عمرو کے مطالبات پورے کرکے اپنے آپ کو فارغ الذمہ کردے، ورنہ آخرت میں اس کو کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔[1] واللہ سبحانہ أعلم

محمد یوسف بنوری

(۹/ محرم ۱۳۸۳ھ)

بقدر مظلمة، وإن لم تكن له حسنات أخذ من سيئآت صاحبه فحمل عليه . (صحيح البخاري، كتاب المظالم والقصاص، باب من كانت له مظلمته عند الرجل... إلخ ، (۱/ ۳۳۱) ط: قديمی كتب خانه كراچی).

(۱) عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من كانت له مظلمة لأخيه من عرضه أو شيء فليستحلله منه اليوم قبل أن لايكون دينار ولادرهم، إن كان له عمل صالح أخذ منه بقدر مظلمته، وإن لم يكن له حسنات أخذ من سيئات صاحبه فحمل عليه. رواه البخاري. (مشكاة المصابيح، كتاب الآداب، باب الظلم، (ص:٤٣٥) ط: قديمی كراچی).

* عن أبي هريرة قال: قال رسول لله صلى الله عليه وسلم: رحم الله عبداً كانت لأخيه عنده مظلمة في عرض أو مال فجاءه فاستحلّه قبل أن يوخذ، وليس ثمّ دينار ولا درهم، فإن كانت له حسنات أخذ من حسناته، وإن لم تكن له حسنات حملوا عليه من سيأتهم. هذا حديث حسن صحيح. (جامع الترمذي، أبواب صفة القيامة، باب ماجاء في شأن الحساب والقصاص، (۲/ ٦٧) ط: قديمی كراچی).

* عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم: قال: أتدرون ما المفلس؟ قالوا: المفلس فينا من لادرهم له ولامتاع، فقال: إن المفلس من أمتي من يأتي يوم القيامة بصلاة وصيام وزكاة ويأتي قد شتم هذا وقذف هذا وأكل مال هذا وسفک دم هذا وضرب هذا، فيعطى هذا من حسناته وهذا من حسناته، فإن فنيت حسناته قبل أن يقضى ماعليه أخذ خطاياهم فطرحت عليه ثم طرح في النار. (صحيح مسلم، كتاب البر والصلة والأدب، باب تحريم الظلم، (۲/ ۳۲۰) ط: قديمی كراچی).

كتاب الهبة

ہبہ کا بیان

مریض کی عیادت کرنے والوں کا اپنے لائے ہوئے پھل، تحائف وغیرہ کا معاوضہ مریض سے لینے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں کہ:

زید ہسپتال میں زیرِ علاج ہے، اس کی حال پرسی کے لیے جو لوگ اپنے جیب کے خرچ سے بس یا ٹیکسی میں بیٹھ کر آتے ہیں، یا اس کے لیے پھل وغیرہ حسبِ دستور لا کر کھلاتے یا کبھی چائے منگا کر پلاتے ہیں تو کیا بقانونِ شرع مذکورہ اخراجات زید سے وصول کیے جا سکتے ہیں؟ جب کہ زید نے نہ کسی کو کہا ہو کہ میری عیادت کے لیے آؤ، یا پھل وچائے وغیرہ لا کر پلاؤ، بلکہ یہ سب کچھ اپنی مرضی سے کیا گیا ہو جیسے عام لوگ کرتے ہیں؟ مستفتی: محمد الیاس

جواب: عیادت کرنے والا مریض کے لیے جو کچھ لے جاتا ہے وہ شرعاً ہدیہ ہوگا، مریض سے وصول کرنے کا حق نہیں رکھتا۔[1]

محمد یوسف بنوری [جمادی الاولی ۱۳۸۳ھ]

---

(١) ولو قال منحتك هذا الطعام أو هذه الدراهم أو هذه الدنانير، وكل مالايمكن الانتفاع به مع بقاء عينه يكون هبة. (الفتاوى الهندية، كتاب الهبة، الباب الأول في تفسير الهبة وركنها وشرائطها ... إلخ (٤/ ٣٧٦) ط: رشيديه).

* في الهامش: رجل قال لرجل: قد متعتك بهذا الثوب أو هذه الدراهم فقبضها فهي هبة. (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الهبة، [فروع] (٥/ ٦٨٩) ط: سعيد).
* البحر الرائق، كتاب الهبة، (٧/ ٢٨٥) ط: سعيد.

کسی کے گھر پھل وغیرہ بطور ہدیہ لے جاکر اس کا معاوضہ وصول کرنے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں کہ:

کوئی رشتہ دار کبھی کبھی تعطیل کے دن جب اپنے دوسرے رشتہ دار کے گھر جاتا ہے تو اس کے بچوں کے لیے جو پھل وغیرہ آٹھ دس آنے یا روپیہ کا لے کر جاتا ہے، جس طرح کہ عام طور پر لوگ ایسا کرتے ہیں، خالی ہاتھ نہیں جاتے تو کیا بحکم شرع یہ رشتہ دار سے اس پھل وغیرہ کی قیمت بھی وصول کر سکتا ہے؟

مستفتی: محمد الیاس

جواب: جی نہیں۔(۱)

محمد یوسف بنوری

[جمادی الاولی ۱۳۸۳ھ]

دوسرے کی طرف سے تبرعاً نفلی صدقہ کرکے اس کا معاوضہ لینے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں کہ:

بحالتِ بیماری اگر زید کا کوئی رشتہ دار زید کی جانب سے صدقہ دے تاکہ خدا زید کو صحت بخشے، بعد میں زید اس کو صدقے کا معاوضہ دیتا ہے، لیکن رشتہ دار لینے سے انکار کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ: میں نے تبرعاً تیری طرف سے صدقہ دیا ہے، اس لیے میں اس کی قیمت تجھ سے نہیں لوں گا، بعد میں اگر زید سے وہ لینا چاہے تو کیا عند الشرع وہ زید سے صدقہ کی قیمت وصول کر سکتا ہے یا کہ نہیں؟

مستفتی: محمد الیاس

جواب: مریض کی طرف سے صدقہ دینا اگر مریض کے امر سے نہیں تو مطالبہ نہیں

---

(۱) سبق تخریجه في المسألة السابقة.

=

کر سکتا ہے، پھر خصوصاً جب اس نے دینا چاہا نہیں لیا، انکار کر دیا، اب دوبارہ مطالبہ کا حق نہیں رکھتا۔[1]

محمد یوسف بنوری

[جمادی الاولی ۱۳۸۳ھ]

بحالتِ صحت بعض اولاد کو جائیداد دینے اور بعض کو محروم رکھنے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ:

سائل بوڑھا آدمی ہے جس کے پانچ لڑکے اور چھ لڑکیاں ہیں، تمام شادی شدہ اور بااولاد ہیں، صرف ایک لڑکی کی شادی نہیں ہوئی، میری تمام جائیداد خود پیدا کردہ ہے، میری اولاد نافرمان ہے، کیا میں اس لڑکے کو جو کہ میرا نافرمان ہے، اپنی جائیداد سے محروم کر سکتا ہوں یا نہیں؟ خواہ ایک لڑکا ہو یا تمام نافرمان ہوں۔

مستفتی: حاجی عبد القادر خان، ضلع رحیم یار خان

(۱۴/رجب ۱۳۷۷ھ)

جواب: آپ اختیار رکھتے ہیں کہ اپنی زندگی میں بحالت صحت کل جائیداد بعض اولاد کو ہبہ کر دیں اور لڑکے نافرمان کو کچھ نہ دیں، لڑکے کو اس صورت میں حقِ دعویٰ کچھ نہیں پہنچتا، اور چوں کہ

---

(۱) ولو تصدق عن غيره بغير أمره، فإن تصدق بمال نفسه جازت الصدقة عن نفسه، ولاتجوز عن غيره وإن أجازه ورضي به. (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، فصل: وأما شرائط الركن، (۲/ ٤١) ط: سعيد).

* لو أدى زكاة غيره بغير أمره فبلغه فأجاز لم يجز ؛ لأنها وجدت نفاذاً على المتصدق ؛ لأنها ملكه ولم يصر نائباً عن غيره فنفذت عليه. (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الزكاة، (۲/ ۲٦۹) ط: سعيد).

* البحر الرائق، كتاب الزكاة، (۲/ ۲۱۰) ط: سعيد.

آپ بوجہ شرعی: نافرمانی، ایذاء رسانی وفسق وفجور وظلم وغیرہ کے لڑکے کو ناحق کر رہے ہیں؛ اس لیے ان شاءاللہ گناہ بھی نہیں ہوگا۔

رجل وهب في صحته كل المال للولد جاز في القضاء ، ويكون آثماً في ما صنع، كذا في فتاوى قاضي خان. وإن كان في ولده فاسق لاينبغي أن يعطيه أكثر من قوته كيلا يصير معيناً في المعصية، كذا في خزانة المفتين. ولوكان ولده فاسقاً وأراد أن يصرف ماله إلى وجوه الخير ويحرمه عن الميراث هذا خير من تركه. كذا في الخلاصة.(١)

الجواب صحيح

محمد یوسف بنوری

احقر ولی حسن عفي عنه

مدرسہ عربیہ اسلامیہ، نیوٹاؤن کراچی/۵

۲۹/رجب ۱۳۷۷ھ

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الهبة، الباب السادس في الهبة للصغير، (٤/ ٣٩١) ط: رشيديه.

* خلاصة الفتاوى، كتاب الهبة، الجنس الثاني، نوع منه، (٤/ ٤٠٠) ط: رشيديه.

* البحر الرائق، كتاب الهبة، فروع، (٧/ ٢٨٨) ط: سعيد.

كتاب الوديعة

ودیعت کا بیان

بغیر تقصیر کے امانت ضائع ہو جائے تو امین سے امانت کے مطالبے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں کہ:

زید کے پاس تقسیمِ ہند سے قبل کسی کی امانت تھی، لیکن تقسیم کے وقت صرف وہ ہی جان بچا کر پاکستان آیا، امانت مع اپنے تمام بساط کے لوٹ مار میں ہلاک ہو گئی، تو کیا از روئے شرع صاحبِ امانت زید سے امانت حاصل کر سکتا ہے یا نہیں؟

مستفتی: محمد الیاس

جواب: امانت کی حفاظت میں جب اس نے تقصیر نہیں کی، اور سارے املاک ضائع و ہلاک ہو گئے، صاحبِ امانت امانت کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔[1]

محمد یوسف بنوری [جمادی الاولی ۱۳۸۳ھ]

---

(١) (فلاتضمن بالهلاك) ... (مطلقاً) سواء أمكن التحرز أم لا، هلك معه شيء أم لا ؛ لحديث الدارقطني: ليس على المستودع غير المغلّ ضمان. (رد المحتار على الدر المختار، كتاب الإيداع، (٥/ ٦٦٤) ط: سعيد).

* البحر الرائق، كتاب الوديعة، (٧/ ٢٧٣، ٢٧٤) ط: سعيد.

* ومنها: أنه إذا ضاعت في يد المودع بغير صنعه لايضمن لماروي عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال: ليس على المستعير غير المغلّ الضمان، ولاعلى المستودع غير المغلّ الضمان. ولأن يده يد المالك فالهلاك في يده كالهلاك في يد المالك. (بدائع الصنائع، كتاب الوديعة، فصل: وأما بيان حكم العقد، (٦/ ٢١١) ط: سعيد).

كتاب الإجارة

اجارہ کا بیان

پیشگی کرایہ لینے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دینِ متین حسبِ ذیل مسائل میں:

۱ – کیا مالکِ مکان کرایہ دار سے پیشگی کرایہ لے سکتا ہے؟

۲– ایک آدمی زمین مستاجری پر دے کر مدّتِ معیّنہ مستاجری کی ساری رقم یک مشت یا دو مشتوں میں اختتامِ مدت سے قبل لے سکتا ہے یا نہیں؟

موافقِ شرع فتویٰ صادر فرما کر ممنون فرماویں۔

جواب: دونوں صورتوں میں کرایۂ مکان یا کرایۂ زمین پیشگی لیا جاسکتا ہے، خواہ وہ ایک قسط میں لیا جائے یا متعدد اقساط میں، اور یہ مسئلہ اتنا واضح ہے کہ اس پر کسی جزئیہ کے لکھنے کی ضرورت نہیں، اصولِ فقہ میں یہ طے کر دیا گیا ہے کہ عقدِ اجارہ علتِ اسمی اور معنوی ہے، علت حکمی نہیں؛ لہٰذا اجرت کو پیشگی ادا کیا جاسکتا ہے۔ تمام کتبِ اصول میں ہے:

وكذلك عقد الإجارة علة اسماً ومعنىً لاحكماً، ولذا صحّ تعجيل الأجرة.[1]

---

(١) وكذلك عقد الإجارة علة اسماً ومعناً لاحكماً ؛ لماعرف في موضعه، ولذلك صحّ تعجيل الأجرة. (أصول البزدوي، باب تقسيم العلّة، (ص:٣١٤) ط: نور محمد كراچی).

* كشف الأسرار على أصول فخر الإسلام، باب تقسيم العلّة، العلّة اسماً ومعنىً لاحكماً، (٤/ ١٩٠) ط: الصدف پبلشرز كراچی.

* التقرير والتحبير لتحرير ابن الهمام، الباب الخامس في القياس، فصل في العلّة، (٣/ ١٦٣) ط: مطبعة الكبرى الأميرية، مصر.

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

احقر ولی حسن عفي عنہ

مدرسہ عربیہ اسلامیہ، جامع مسجد نیوٹاؤن کراچی/۵

۲۰/ربیع الثانی ۱۳۷۷ھ

جواب صحیح ہے

محمد یوسف بنوری

جانور کو آدھے حصے پر پالنے کے لیے دینا

سوال: یہ عرض کرنا ہے کہ مشترک جانور رکھنے کا کیا حکم ہے؟ مثلاً: ایک شخص کی گائے یا گھوڑا ہے یا مرغی ہے، دوسرے شخص کو دیتا ہے کہ تو اس کی پرورش کر، یہ تیرے اور میرے درمیان نصف نصف ہوگی (یا ثلث یا ربع وغیرہ)، کوئی حصہ متعین کر لیتے ہیں، وہ جانور خود یا اس کی نسل بھی، اس طرح وہ مشترک تصور کرتے ہیں، عموماً کچھ افزائشِ نسل کے بعد آپس میں حصہ متعینہ کے مطابق چکاوا کر لیتے ہیں۔ آیا یہ (سرے سے اشتراک منافع میں ہو یا نسل میں) صحیح ہے یا نہیں؟

جواب: مشترک جانور کی جو صورت سوال میں [مذکور ہے] فقہی قواعد کی رو سے نہ وہ مضاربہ ہے، زیادہ سے زیادہ وہ شخص اجرِ مثل کا مستحق ہے، اور اجرِ مثل کے عوض نصف ماخرج نہیں دیا جاسکتا ہے؛ کیوں کہ اس صورت میں اجرِ مثل میں جہالت بھی ہے اور غرر بھی ہے؛ اس لیے جواز کی صورت فقہ کی رو سے سمجھ میں نہیں آتی۔[1]

محمد یوسف بنوری [۱۳۷۸ھ]

---

(۱) دفع بقرته إلى رجل على أن يعلفها ومايكون من اللبن والسمن بينهما أنصافاً، فالإجارة فاسدة، وعلى صاحب البقرة للرجل أجر قيامه وقيمة علفه إن أعلفها من علف وهو ملكه. (الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى الهندية، كتاب الإجارات، النوع الثالث في الدوابّ، (٥/ ٣٧) ط: حقانيه پشاور).

* الفتاوى الخانية على هامش الفتاوى الهندية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، (٢/ ٣٣٠) ط: حقانيه پشاور.
* الفتاوى الهندية، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر في بيان مايجوز... إلخ (٤/ ٤٤٥) ط: حقانيه پشاور.

=

کرایہ داری ختم ہونے کے بعد پیشگی رقم واپس کرنا ضروری ہوگا/ نائی کو دکان کرایہ پر دینا

سوال: کیافرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں کہ:

مالکِ دکان نے ایک شخص سے دکان کرایہ پر دینے کا معاہدہ کرلیا، اور جو کچھ معاوضہ حق دینے کا ہوتا ہے، وہ معاوضہ بھی وصول کرلیا، اور تین چار ماہ تک اصل کرایہ دکان بھی وصول کرتا رہا، لیکن تین چار ماہ کے بعد دکان کرایہ پر دینے سے انکار کردیا، اور کہتا ہے کہ: چوں کہ یہ دکان کرایہ پر لینے والا باربر (نائی) ہے، اور یہ پیشہ صحیح نہیں ہے، ڈاڑھی مونڈتا ہے؛ اس لیے دکان خالی کروارہا ہوں۔

کیا اس صورت میں مستأجر شرعاً مجبور ہے کہ دکان واپس کردے؟ اور کیا مالکِ دکان اس پیشے سے گناہ گار ہوتا ہے، اور شرعاً اجارہ کو فسخ کرنے کا حق دار ہے؟ **بیّنوا توجروا۔**

جواب: اس کا علم ہونے کے باوجود کہ مستاجِر یہ پیشہ کررہا ہے، شرعاً مالکِ مکان ودکان گناہ گار نہیں، گناہ کا مرتکب مستأجر (کرایہ دار) ہے،[1] لیکن اگر مالک نہیں دینا چاہتا ہے تو شرعاً اسے دینے پر

---

* پس حنفیہ کے قواعد پر تو یہ عقد ناجائز ہے، کما نقل في السؤال عن العالمگیریة، لیکن بنا بر نقلِ بعضِ اصحاب امام احمد کے نزدیک اس میں جواز کی گنجائش ہے، پس تحرز احوط ہے اور جہاں ابتلا شدید ہو تو توسع کیا جاسکتا ہے۔ (امداد الفتاوی، کتاب الاجارة، زیرِ عنوان: دفع بقر بر نصفِ نما، (343/3) ط: دار العلوم کراچی)۔

(١) وإذا استأجر الذمي من المسلم دارا يسكنها فلابأس بذلك، وإن شرب فيها الخمر أو عبد فيها الصليب، أو أدخل فيها الخنازير ولم يلحق المسلم في ذلك بأس ؛ لأن المسلم لايؤاجرها لذلك، إنما آجرها للسكنى. (الفتاوى الهندية، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر في بيان مايجوز من الإجارة، الفصل الرابع في فساد الإجارة إذا كان ...، (٤/ ٤٥٠) ط: حقانيه پشاور).

* (و) جاز (إجارة بيت بسواد الكوفة) ... (ليتخذ بيت نار أو كنيسة أو بيعة أو يباع فيه الخمر). وفي الرد: (قوله: وجاز إجارة بيت...) ... ؛لأن الإجارة على منفعة البيت؛ ولهذا يجب الأجر بمجرد التسليم ولامعصية فيه، وإنما المعصية بفعل المستأجر وهو مختار فينقطع نسبته منه. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، (٦/ ٣٩٢) ط: سعيد).

=

مجبور بھی نہیں کیا جاسکتا ہے، البتہ اس صورت میں جو رقم پیشگی لے چکا ہے، اس کو واپس کرنا ہوگا۔[1]

واللہ اعلم

کتبہ: محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ

(١) ثم الأجرة لو معجّلة طالبه بها، وله حبس الدار لاستيفائها ... وإن نقضت الإجارة بعد ما قبض المؤجر الأجر حطّ من الأجرة قدر المستوفي من المنفعة، ورد الباقي إلى المستأجر. (الفتاوى الهندية، كتاب الإجارة، الباب الثاني في بيان أنه متى تجب الأجرة ...، (٤/ ٤١٣) ط: حقانيه پشاور).

* لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي. (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الحدود، باب التعزير، مطلب في التعزير بالمال، (٤/ ٦١) ط: سعيد).

کتاب الشفعة

شفعہ کا بیان

ایک شریک مکان میں سے اپنا حصہ کسی دوسرے کو ہبہ کردے تو دوسرے شریک کو شفعہ کا حق ہے یا نہیں؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اور مفتیانِ شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ میں:

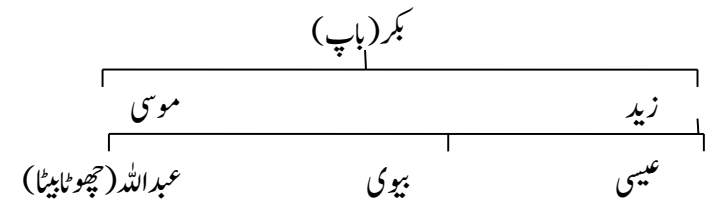

زید اور موسیٰ دو بھائیوں نے مل کر ایک مکان خریدا، کچھ عرصہ کے بعد دونوں بھائیوں میں رنجش پیدا ہوگئی، اس رنجش کی بنا پر زید نے اپنے چھوٹے بیٹے عبداللہ کے مشورہ سے اپنے بڑے بیٹے عیسیٰ کو مختار نامہ لکھ کردے دیا، اور اس سے کہا کہ: میرے بھائی موسیٰ کے ساتھ فلاں مشترکہ مکان میں میرا جو نصف حصہ ہے، وہ تم اپنی ماں ہندہ کے نام منتقل کردو، چناں چہ عیسیٰ نے اپنے باپ اور چھوٹے بھائی کی مرضی سے اس مشترک مکان کا نصف اپنی ماں کے نام منتقل کردیا، اور انتقالِ تصدیق بھی ہوگیا۔

اب موسیٰ اپنے بھائی کے اس تصرف پر ناراض ہے، اور چاہتا ہے کہ شفعہ کے ذریعہ مکان کا وہ حصہ واپس لے لے، جو اس کے بھائی نے اپنے بیٹے کے ذریعے اپنی بیوی کو منتقل کردیا ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا شریعت اسلامیہ کی رو سے مذکورہ صورت میں موسیٰ کو شفعہ کا حق پہنچتا ہے؟ اور کیا وہ شفعہ کے ذریعے اپنے بھائی کی بیوی سے مکان کا نصف لے سکتا ہے؟ بینوا توجروا

مستفتی: ایک بندۂ خدا

جواب: زید کا اپنی بیوی ہندہ کے نام نصف مکان منتقل کرنا شرعاً ہبہ ہے، البتہ ہبہ اس وقت صحیح ہوتا ہے جب کہ واہب، دارِ موہوبہ کو تقسیم کرکے اور اپنا حصہ جدا کرکے موہوب لہ کے حوالہ کرے۔[1]

ظاہرِ استفتا سے معلوم ہوتا ہے کہ زید نے مکان مشترکہ کا نصف حصہ مشاعاً قبل از تقسیم اپنی بیوی کے نام ہبہ کیا ہے، جو شرعاً صحیح نہیں۔ لہٰذا نصف حصہ مکان مشترکہ زید ہی کی ملکیت میں باقی رہا، اس لیے شفعہ کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، اور اگر یہ صورت سمجھی جائے کہ زید نے مکان مشترکہ میں اپنا حصہ جدا کرکے اپنی بیوی کے نام ہبہ کیا ہے، تب بھی موسیٰ کو حق شفعہ حاصل نہیں، کیوں کہ ہبہ کی صورت میں حق شفعہ ثابت نہیں ہوتا۔ ہدایہ میں ہے:

ولا شفعة في هبة[2]

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صواب

احقر ولی حسن عفي عنه

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ

دار الافتاء مدرسہ عربیہ اسلامیہ، نیوٹاؤن کراچی

(۱۵/ شعبان ۱۳۸۱ھ)

---

(١) هبة المشاع فيما يحتمل القسمة لاتجوز سواء كانت من شريكه أو من غير شريكه. (الفتاوى الهندية، كتاب الهبة، الباب الثاني فيمايجوز من الهبة ومالايجوز، (٤/ ٣٧٨) ط: حقانيه پشاور)

* (لا) تتمّ بالقبض (فيمايقسم ولو) وهبه (لشريكه) أو لأجنبي لعدم تصور القبض الكامل، كما في عامة الكتب. (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الهبة، (٥/ ٦٩٢) ط: سعيد).

* الفتاوى الخانية على هامش الهندية، كتاب الهبة، فصل في هبة المشاع، (٣/ ٢٦٧) ط: حقانيه پشاور.

(٢) الهداية، كتاب الشفعة، باب ماتجب فيه الشفعة ومالايجب، (٤/ ٤٠٤) ط: شركت علميه ملتان.

* ولاشفعة فيما يملك بغير بدل أو ببدل ليس بمال نحو الميراث والهبة والنكاح والإجارة... إلخ (الفتاوى الخانية على هامش الفتاوى الهندية، كتاب الشفعة، (٣/ ٥٣٥) ط: حقانيه پشاور.

* الفتاوى الهندية، كتاب الشفعة، الباب الأول في تفسيرها وشرطها...، (٥/ ١٦٠) ط: حقانيه پشاور.

كتاب الحظر والإباحة

جائز وناجائز کا بیان

اعضاءِ انسانی کی پیوند کاری کا حکم

سوال: دو مریض ہیں جن میں سے ایک مریض کی قوت باہ یعنی مردانہ طاقت بالکل ختم ہوچکی ہے، اور یہ مریض شادی شدہ ہے، دوسرے مریض کی مردانہ طاقت توٹھیک ہے، لیکن کسی دوسرے مرض میں مبتلا ہے، یہ دونوں کسی قابل اور لائق سِول سرجن کے زیرِ علاج ہیں، قدرت کو ایسا منظور ہوا کہ وہ مریض جس کی مردانہ طاقت ٹھیک تھی، مرچکا۔

اب سِوِل سرجن نے اس مردہ سے ذَکر کاٹ کر اس دوسرے مریض کو لگالیا، جس کی مردانہ قوت ختم ہوچکی تھی، اور اس کا ذکر کاٹ کر مردہ کو لگادیا، اب یہ مریض جس کی قوت باہ ختم ہوچکی تھی، ٹھیک ہوگیا، اور مردانہ طاقت بحال ہوگئی، اور اس دوسرے ذَکر لگانے سے اس کی اولاد بھی پیدا ہونے لگی، اور بیوی کی ضرورت بھی پوری کرنے کے قابل ہوگیا۔

کیا شریعت میں یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟ اگر سول سرجن ایسا عمل نہ کرے تو یہ قوت باہ کی بیماری میں مبتلا مریض ٹھیک نہیں ہوسکتا، اور اس کی زندگی مفت میں تباہ ہوجائے گی، اگر یہ صورت شریعت میں جائز نہیں ہے تو کیا مذکورہ مریض شادی شدہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے، کیوں کہ وہ بیوی کی خواہش پوری نہیں کرسکتا؟ والسلام

مستفتی: فقیر غلام مرسلین، محلہ فقیر والا، تحصیل لکی مروت، ضلع بنوں

جواب:

١ - ولأبي حنيفة أن الأطراف يسلك بها مسلك الأموال، فيجري فيها البذل بخلاف الأنفس، فإنه لو قال: اقطع يدي، فقطعه لايجب

الضمان. وهذا إعمال للبذل إلا أنه لايباح لعدم الفائدة، وهذا البذل مفيد لاندفاع الخصومة به، فصار كقطع اليد للآكلة وقلع السن للوجع.(١)

٢- جواز شق بطن الميتة لإخراج الولد إذا كانت ترجى حياته، وقد أمر به أبوحنيفة، فعاش الولد، كما في الملتقط.(٢)

٣- وإن اضطر ولم يجد شيئاً فهل يجوز له أن يقطع شيئاً من بدنه ويأكله فيه وجهان. قال أبوإسحاق: يجوز؛ لأنه إحياء نفس بعضو، فجاز كما يجوز أن يقطع عضواً، إذا وقعت فيه الآكلة لإحياء نفسه... الخ(٣)

٤- يجوز للعليل شرب الدم والبول وأكل الميتة للتداوي إذا أخبره طبيب أن شفاءه فيه، ولم يجد من المباح مايقوم مقامه، وإن قال الطبيب: يتعجل شفاءك، فيه وجهان.(٤)

٥ - إذا سال الدم من أنف إنسان ولاينقطع حتى يخشى عليه الموت، وقد علم أنه لو كتب فاتحة الكتاب أوالإخلاص بذلك الدم على جبهته ينقطع، فلايرخص له فيه، وقيل: يرخص كما رخص في شرب الخمر للعطشان وأكل الميتة في المخمصة، وهو الفتوى.(٥)

---

(١) الهداية، كتاب الدعوى، باب اليمين، (٣/ ٢٠٦) ط: شركت علميه ملتان.

(٢) الأشباه والنظائر مع شرحه للعلامة الحموي، الفن الأول في القواعد الكلية، النوع الأول، القاعدة الخامسة: الضرر يزال، (١/ ٢٥٩، ٢٦٠) ط: إدارة القرآن كراچی.

(٣) المجموع شرح المهذب للعلامة النووي، كتاب الأطعمة، مباحث حكم المضطر، (٩/ ٤١) ط: إدارة الطباعة المنيرية، مصر.

(٤) الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر في التداوي والمعالجات، (٥/ ٣٥٥) ط: حقانيه پشاور.

(٥) رد المحتار على الدر المختار، كتاب الطهارة، باب المياه، مطلب في التداوي بالمحرم، (١/ ٢١٠) ط: سعيد.

=

٦ – وسبب الإباحة الحاجة إلى حفظ النفس عن الهلاك؛ لكون هذه المصلحة أعظم من مصلحة اجتناب النجاسات والصيانة عن تناول المستخبثات.[١]

وقال الشافعي: يأكل لحم ابن آدم ... والصحيح عندي أن لا يأكل الآدمي، إلا إذا تحقّق أن ذلك ينجيه ويحيه.[٢]

٨– الضرورات تبيح المحظورات، ومن ثمّ جاز أكل الميتة عند المخمصة، وإساغة اللقمة بالخمر، والتلفظ بكلمة الكفر، للإكراه، وكذا إتلاف مال الغير.[٣]

٩ – قوله: الثانية ما أبيح للضرورة ... الخ في فتح القدير: ههنا خمس مراتب: ضرورة، وحاجة، ومنفعة، وزينة، وفضول. فالضرورة: بلوغه حدًّا إن لم يتناول الممنوع هلك أوقارب، وهذا يبيح تناول الحرام. والحاجة: كالجائع الذي لو لم يجد ما يأكله لم يهلك غير أنه يكون في جهدومشقة، وهذا لايبيح الحرام ويبيح الفطرفي الصوم.

والمنفعة: كالذي يشتهي خبز البرّ ولحم الغنم والطعام والدسم، والزينة:

---

(١) المغني لابن قدامة الحنبلي، كتاب الصيد والذبائح، فصل: تباح أكل المحرمات عند الاضطرار إليها، (١١/ ٧٦) ط: دارالفكر بيروت.

(٢) أحكام القرآن لابن العربي، [البقرة:١٧٣] المسألة الرابعة عشر، (١/ ٥٨) ط: دار إحياء الكتب العربية، عيسى البابي الحلبي، مصر.

(٣) الأشباه والنظائر مع شرحه للعلامة الحموي، الفن الأول في القواعد الكلية، النوع الأول: ... القاعدة الخامسة: الضرر يزال، (١/ ٢٥١، ٢٥٢) ط: إدارة القرآن كراچی.

=

كالمشتهي بحلوى وسكر، والفضول: التوسع بأكل الحرام والشبهة.[1]

١٠- لو كان أحدهما أعظم ضرراً من الآخر فإنّ الأشد يزال بالأخفّ.[2]

١١- قاعدة رابعة: وهي ما إذا تعارض مفسدتان روعي أعظمهما ضرراً بارتكاب أخفهما.[3]

مندرجہ بالا جزئیات وکلیات سے حسبِ ذیل نتائج برآمد ہوئے:

١ - انتہائی شدید ضرورت کے وقت جب کہ اور کوئی علاج کار گر نہ ہو، اور مریض کے ہلاک ہونے یا اس کے کسی عضو کے تلف ہونے کا خطرہ ہو، انسانی خون مریض کے جسم میں داخل کیا جاسکتا ہے، تاکہ اس کی جان یا عضو کو تلف سے بچایا جاسکے، مریض یا مرئضہ کے جسم میں خون داخل ہونے سے محرمیت وغیرہ کے احکام جاری نہ ہوں گے، کیوں کہ شریعت نے اس کو نسب، مصاہرت، رضاعت (جب کہ وہ مدت رضاعت میں ہو) کے ساتھ خاص کیا ہے، لہٰذا مذکورہ اسباب ثلاثہ منصوصہ سے تجاوز نہیں کیا جائے گا۔

٢ - شریعت نے اعضاءِ انسان کو مال کی طرح قرار دیا ہے، اس لیے اس میں بذل ہو سکتا ہے، جب کہ وہ کسی اہم فائدے اور ضرورت پر مشتمل ہو، اس لیے ان میں ضرورت شدیدہ اور اضطرار کے

---

(١) شرح الحموي على الأشباه والنظائر، الفن الأول في القواعد الكلية، النوع الأول، القاعدة الخامسة: الضرر يزال، (١/ ٢٥١، ٢٥٢) ط: إدارة القرآن كراچی.

(٢) الأشباه والنظائر مع شرحه للعلامة الحموي، الفن الأول في القواعد الكلية، النوع الأول، القاعدة الخامسة: الضرر يزال، تنبيه آخر، (١/ ٢٥٨) ط: إدارة القرآن كراچی.

(٣) الأشباه والنظائر مع شرحه للعلامة الحموي، الفن الأول في القواعد الكلية، النوع الأول، القاعدة الخامسة: الضرر يزال، الرابعة، (١/ ٢٦١) ط: إدارة القرآن كراچی.

وقت جب کہ کسی کا عضو تلف سے بچانا ہو، اباحت کی گنجائش ہے۔

۳- کوئی شخص اگر مرنے سے قبل اپنے کسی عضو کو کسی کے لیے مباح کر جائے تو چوں کہ یہ بذل فائدے پر مشتمل ہے، اس لیے جائز ہوگا، اس کے مرتے ہی وہ عضو نکال کر کسی دوسرے شخص کے عضو کو بچانے کے لیے استعمال کیا جائے۔

٤- ضرورت کی تفصیل جیسا کہ شارح حموی نے ذکر کی ہے، پیشِ نظر رکھی جائے، اس کو فیشن نہ بنایا جائے، کیوں کہ انسانی کرامت کو شریعت نے بڑی اہمیت دی ہے۔

الغرض ضرورتِ شدیدہ کے وقت یعنی جب کہ نفس یا عضو کے تلف ہونے کا خطرہ ہو، نقلِ دم اور عضوی پیوندکاری کی اجازت معلوم ہوتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: ولی حسن (۲۱/ربیع الاول/۱۳۸۵ھ)

مذہبِ حنفی کے علاوہ بقیہ مذاہب میں جواز کی صورتیں ہیں، جیسے فاضل مفتی کے نقول سے معلوم ہوا۔ بہر حال میرے نزدیک صورت مسئولہ میں پوری گنجائش فتوی دینے کی نکل آتی ہے۔

محمد یوسف بنوری (۲۱/ربیع الاول/۱۳۸۵ھ)

(اہم نوٹ از حضرت مفتی ولی حسن صاحب رحمہ اللہ بقلمہ)

حضرت مفتی شفیع صاحب قدس سرہ العزیز اور دوسرے مفتیانِ عظام نے اس فتویٰ پر تفصیلی نقد کیا، اور اعضاء کی پیوندکاری پر رسالہ لکھا، اس لیے حضرت بنوری قدس اللہ سرہ العزیز اور راقم نے اس فتوی سے رجوع کر لیا، چناں چہ مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ کی کتاب پر راقم اور حضرت بنوری کے دستخط ثبت ہیں۔

ولی حسن (۸/ربیع الثانی ۱۴۰۶ھ)

اعضاءِ انسانی کی پیوند کاری کا حکم اور بوقتِ ضرورت خون منتقل کرنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں کہ اعضاءِ انسان کی پیوند کاری علاج کے سلسلے میں جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ بعض علماء خون کا استعمال جائز قرار دیتے ہیں۔

مستفتی: محمد ارشد (۱۵/شعبان/۱۳۹۳ھ)

جواب: صورت مسئولہ میں انسانی جسم اور اس کے اعضاء بجمیع أجزائہ مکرم اور محترم ہیں، قابلِ انتقال نہیں، لائقِ ابتذال نہیں، ضرورت اور انتہائی مجبوری کے وقت خون کے استعمال کو علماء نے جائز کہا ہے، خون اور دوسرے اعضاء میں فرق ہے، بہر حال اعضاء انسان کا استعمال حالت اضطرار میں بھی جائز نہیں ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔[1]

---

(۱) والآدمي محترم بعد موته على ما كان عليه في حياته . فكما يحرم التداوي بشيئ من الآدمي الحيّ إكرامًا له، فكذلك لايجوز التّداوي بعظم الميّت . قال صلى الله عليه وسلم : كسر عظم الميّت ككسر عظم الحي . (شرح السير الكبير لمحمد بن الحسن الشيباني ، باب دواء الجراحة، [رقم الباب : ٢٤] ، (١/ ١٢٨) ط: معهد المخطوطات بجامعة الدول العربية).

* الانتفاع بأجزاء الآدمي لم يجز، قيل: للنّجاسة وقيل: للكرامة، هو الصحيح، كذا في جواهر الأخلاطيّ . (الفتاوىٰ الهندية ، كتاب الكراهية ، الباب الثامن عشر في التداوي والمعالجات، (٥/ ٣٥٤) ط: حقانيه پشاور).

* ومنها: أن يكون مالاً متقوّمًا فلاتجوز هبة مإليس بمالٍ أصلاً كالحرّ والميتة والدّم وصيد الحرم والخنزير وغير ذٰلك ولا هبة ما ليس مطلق كأمّ الولد والمدبّر المطلق والمكاتب ولا هبة ما ليس بمال متقوّم كالخمر ، كذا في البدائع . (الفتاوىٰ الهندية ، كتاب الهبة ، (٤/ ٣٧٤) ط: رشيديه).

* مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:

(1) انسان کے اعضاء واجزاء انسان کی اپنی ملکیت نہیں ہیں، جن میں وہ مالکانہ تصرفات کر سکے، اسی لیے ایک انسان اپنی جان یا اپنے اعضاء وجوارح کو نہ بیچ سکتا ہے نہ کسی کو ہدیہ اور ہبہ کے طور پر دے سکتا ہے، اور نہ ان چیزوں کو اپنے اختیار سے ہلاک وضائع کر سکتا ہے۔ شریعتِ اسلامیہ کے اصول میں تو خود کشی کرنا اور اپنی جان یا اعضاء رضاکارانہ طور پر بقیمت کسی کو دیدینا قطعی طور

پر حرام ہی ہے، جس پر قرآن وسنت کی نصوصِ صریحہ موجود ہیں، تقریباً دنیا کے ہر مذہب وملت اور عام حکومتوں کے قوانین میں ان کی گنجائش نہیں، اس لیے کسی زندہ انسان کا کوئی عضو کاٹ کر دوسرے انسان میں لگا دینا اس کی رضامندی سے بھی جائز نہیں... شریعتِ اسلام نے صرف زندہ انسان کے کارآمد اعضاء ہی کا نہیں بلکہ قطع شدہ بے کار اعضاء واجزاء کا استعمال بھی حرام قرار دیا ہے، اور مردہ انسان کے کسی عضو کی قطع و برید کو بھی ناجائز کہا ہے، اور اس معاملہ میں کسی کی اجازت اور رضامندی سے بھی اس کے اعضاء واجزاء کے استعمال کی اجازت نہیں دی، اور اس میں مسلم وکافر سب کا حکم یکساں ہے، کیونکہ یہ انسانیت کا حق ہے جو سب میں برابر ہے، تکریمِ انسانی کو شریعتِ اسلام نے وہ مقام عطا کیا ہے کہ کسی وقت کسی حال کسی کو انسان کے اعضاء واجزاء حاصل کرنے کی طمع ودامن گیری نہ ہو، اور اس طرح یہ مخدومِ کائنات اور اس کے اعضاء عام استعمال کی چیزوں سے بالاتر ہیں جن کو کاٹ چھانٹ کر یا کوٹ پیس کر غذاؤں اور دواؤں اور دوسرے مفادات میں استعمال کیا جاتا ہے، اس پر ائمہ اربعہ اور پوری امت کے فقہاء متفق ہیں، اور نہ صرف شریعتِ اسلام بلکہ شرائع سابقہ اور تقریباً ہر مذہب و ملت میں یہی قانون ہے۔ (انسانی اعضاء کی پیوند کاری: (ص:۳۶) ط: مصدقہ مجلس تحقیقِ مسائل حاضرہ)۔

* البتہ خون کی منتقلی کا حکم اس سے مختلف ہے، اس لیے کہ خون اور انسانی اعضاء میں فرق ہے، خون انسانی اجزاء میں سے ضرور ہے، لیکن اعضاء میں سے ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ انسان جب مر جاتا ہے اس کے تمام اعضاء پہلے جس طرح موجود ہوتے ہیں، مرنے کے بعد بھی تمام اعضاء موجود ہوتے ہیں، بخلاف خون کے، کیونکہ خون جزء مستحکم نہ ہونے کی وجہ سے پانی بن جاتا ہے، اس کا نام ونشان باقی نہیں رہتا۔ (انسانی اعضاء کی پیوند کاری، مولانا مفتی عبد السلام چاٹگامی، (ص:۱۴۶)۔

* (ولم يبح الإرضاع بعد موته)؛ لأنّه جزء آدمي والانتفاع به لغير ضرورة حرام على الصحيح شرح الوهبانية. وفي البحر: لايجوز التّداوي بالمحرّم في ظاهر المذهب، أصله بول المأكول كما مرّ.

(۱) (قوله : وفي البحر) عبارته : وعلى هٰذا أي الفرع المذكور لايجوز الانتفاع به للتّداوي . قال في الفتح : و أهل الطّبّ يثبتون للبن البنت أي الّذي نزل بسبب بنت مرضعة نفعًا لوجع العين . واختلف المشايخ فيه، قيل: لايجوز ، وقيل: يجوز إذا علم أنّه يزول به الرّمد ، ولا يخفٰى أنّ حقيقة العلم متعذّرة ، فالمراد إذا غلب على الظنّ وإلاّ فهو معنى المنع اهـ . ولايخفٰى أنّ التّداوي بالمحرم لايجوز في ظاهر المذهب ، أصله بول مايؤكل لحمه فإنّه لايشرب أصلاً اهـ . (قوله : بالمحرم) أي المحرّم استعماله طاهرًا كان أو نجسًا ح (قوله : كما مرّ) أي قبيل فصل البئر حيثُ قال : فرعٌ اختلف في التّداوي بالمحرم . وظاهر المذهب المنعُ يرخّص إذا علم فيه الشفاء ولم يعلم دوائً آخر كما خُصّ الخمر للعطشان وعليه الفتوٰى اهـ . (الدر المختار مع رد المحتا ر، كتاب النكاح ، باب الرضاع ، (۳/ ۲۱۱) ط: سعيد).

* فتح القدير ، كتاب الرضاع ، (۳/ ۳۱۰ ، ۳۱۱) ط: رشيديه .

* البحرالرائق ، كتاب الرضاع ، (۳/ ۲۲۳) ط: سعيد .

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	الجواب صحیح	کتبہ
محمد یوسف بنوری عفااللہ عنہ	احمد الرحمن غفرلہ	محمد عبدالسلام عفااللہ عنہ
		(۱۳۹۳/۸/۱۹ھ)

غیر مسلم ممالک میں غیر مسلموں کی فیکٹری میں تیار شدہ پنیر (Cheese) کے استعمال کا حکم

سوال: بگرامی خدمت جناب مولانا مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ بخیر وعافیت ہوں گے، حضرت والا کی ذات وصفات سے قوی امید ہے کہ مندرجہ ذیل استفتا کا مدلل جواب مرحمت فرما کر جمعیت العلماء نٹاول کو ممنون فرمائیں گے، تاکہ جمعیت اس فتویٰ کو نفع عامۃ المسلمین کے لیے شائع کردے۔

۱- جس طرح اس ملک میں اکثر کھانے پینے کی چیزیں غیر مسلم عیسائی اور یہودیوں کی فیکٹریوں میں بنتی ہیں، مسلمان ان کو خرید کر کھاتے پیتے ہیں، اس طرح پنیر جس کو انگریزی زبان میں چیز (Cheese) کہتے ہیں، اپنے تمام تر اقسام کے ساتھ انہی غیر مسلموں کی فیکٹریوں میں بنتا ہے، اور مسلمان انہیں خرید کر کھاتے ہیں۔ اب کچھ دنوں سے ایک سوال پیدا ہوا کہ پنیر کے بنانے میں رینٹ (انفحۃ) استعمال کیا جاتا ہے، جو نوزائیدہ گائے کے بچے کے شکم سے جمے ہوئے دودھ کی شکل میں نکالا جاتا ہے، اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ بچھڑے کو دودھ پلا کر اس کو ذبح کیا جاتا ہے، اس کے بعد پیٹ چاک کر کے وہ دودھ جو دہی کی شکل میں جم جاتا ہے، نکال لیا جاتا ہے، تو سوال یہ ہے کہ غیر مسلم کے ذبیحے

سے کشیدہ پنیر مایہ سے بنایا ہوا پنیر مسلمانوں کے لیے حلال ہے یا نہیں؟

مسلمانوں کے ذبیحے سے کشیدہ پنیر مایہ سے بنا ہوا پنیر حلال ہے یا نہیں؟

۳- الف: ایک مسلمان کے سوال پر محکمۂ زراعت واقتصادیات کے ایک ذمہ دار شخص نے ایک اخبار میں یہ بیان دیا کہ:

"پنیر بناتے وقت دودھ کو منجمد کرنے کے لیے رینٹ (یعنی انفحہ) استعمال ہوتا ہے، مگر چوں کہ گائے کے بچے بڑی تعداد میں ذبح نہیں کیے جاتے ہیں، اس لیے سور کے پیٹ سے بھی کوئی مادہ اس غرض کے لیے کشیدہ کیا جاتا ہے، اور بڑی تحقیقات کے بعد سائنس دان سبزی جات سے ایک مادہ کشیدہ کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں، جو دودھ کے جمانے میں استعمال کیا جاتا ہے، اور حیوانی رینٹ کا قائم مقام ہو گیا ہے۔" انتہیٰ کلامہ۔

اس بیان سے مسلمانوں میں مزید تشویش پیدا ہو گئی۔

ب: ڈیری انڈسٹری کنٹرول بورڈ (Dairy Industry Control Board) کے منیجر نے جمعیت العلماء ٹرانسوال کے جواب کے ضمن میں فرمایا:

"یہ معلوم ہے کہ بیرونی ممالک میں بعض رینٹ میں سور کے پیٹ سے کشیدہ کوئی سیال مادہ (پیپسن) شامل ہوتا ہے، مگر جہاں تک اس آفس کا علم ہے، اس ملک میں یہ آخر الذکر رینٹ مستعمل نہیں ہے۔" انتہی

ج: جمعیت العلماء ٹنال کے سوال پر اور بندہ کی ان سے ذاتی گفت وشنید اور تحقیق پر نیشنل کوآپریٹیو ڈیریز لمیٹڈ کے پروڈکٹ کنٹرولر زاور معاون منیجر نے زبانی اور تحریراً یہ بیان دیا کہ:

اب ان کی جملہ برانچوں میں جو سارے پبلک میں پھیلی ہوئی ہیں، صرف سبزی کی مصنوعی رینٹ کا استعمال ہوتا ہے۔

د: کیپ ٹاؤن کی جمعیت العلماء کے شیخ ابو بکر نجار کی تحقیق اور سوال کی بنا پر کیپ ٹائمس نامی اخبار میں ڈاکٹر جی ایف لاگیر نے جو بایو کیمیکل مینیفیکچرنگ فرم کے جوائنٹ مینیجنگ ڈائرکٹر ہیں، یہ بیان دیا کہ:

"ہماری کمپنی سارے ساؤتھ افریقہ کی واحد رینٹ ساز کمپنی ہے، جو صرف گائے کے بچے کے پیٹ سے کشیدہ مادے سے رینٹ بناتی ہے، جس میں پیپسن یعنی سور کے پیٹ کا کوئی جزء نہیں ہوتا۔" انتہی

اس اخبار میں مسٹر ڈبلیو ایف ڈی جونگ نے یہ بیان دیا (جو ایک بڑی قومی ڈیری پروڈکٹس مینیفیکچرنگ کمپنی کے بڑے ایگزیکٹو ممبر ہیں):

پیپسن بہت ہی رخیص طور پر بنا ہوا ایک مادہ ہے، جو بیرونی ممالک میں کثرت سے مستعمل ہوتا ہے، مگر اس ملک میں مذہبی اختلافات ورجحانات کی بنا پر اس کا استعمال نہیں ہوتا۔" انتہی

اس میں یہودیوں کے مذہبی رجحانات کی طرف اشارہ ہے۔ تو اب کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ:

محکمۂ زراعت واقتصادیات کے ذمہ دار شخص نے یہ بتلایا کہ: پنیر بناتے وقت دودھ کو منجمد کرنے کے لیے پیپسن یعنی سور کے پیٹ سے کشیدہ کوئی سیال مادہ بھی مستعمل ہوتا ہے، مگر یہ نہیں بتایا کہ اس ملک میں بھی اس کا استعمال ہے یا نہیں، اور دیگر سب بیان دینے والوں نے یہ بتلایا کہ: اس ملک میں صرف بچھڑے کے پیٹ سے کشیدہ رینٹ یا مصنوعی نباتی رینٹ مستعمل ہوتا ہے، اور نیشنل کوآپریٹیو ڈیریز کے ذمہ دار شخص نے صراحت سے یہ بتلایا کہ: وہ اب حیوانی رینٹ یعنی بچھڑے کا بھی رینٹ استعمال نہیں کرتے ہیں، وہ اپنی تمام فیکٹریوں میں نباتی رینٹ استعمال کرتے ہیں۔

تو ایسی صورت حال میں کیا پنیر کو مشکوک ٹھہرا کر اس کو حرام سمجھا جائے؟ یا ان ذمہ دار شخصیتوں کے قول پر اعتماد کرتے ہوئے اس کو حلال ٹھہرایا جائے؟

امید ہے کہ مدلل جواب مرحمت فرما کر تمام مسلمانوں کی طرف سے مخلصانہ ہدیۂ شکر قبول فرمائیں گے، اللہ تعالیٰ آپ کو اجر جزیل سے نوازیں۔ آمین یاربّ العالمین!

کمترینِ خلائق بندہ قاسم محمد عفي عنہ (ناظم جمعیۃ العلماء ٹال ساؤتھ افریقہ)

جواب: سوالات کے جوابات کے سلسلے میں سب سے پہلے مندرجہ ذیل عبارات پیش نظر رکھیں:

١ – قال ابن قدامة في المغني:

ولبن الميتة وأنفحتها نجسة في ظاهر المذهب، وهو قول مالك والشافعي،

وروي أنها طاهرة، وهو قول أبي حنيفة وداود؛ لأن الصحابة رضي الله عنهم أكلوا الجبن لما دخلوا المدائن، وهو يعمل بالإنفحة وهي توخذ من صغار المغز، فهو بمنزلة اللبن، وذبائحهم ميتة ... وقد روي أن أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم الذين قدموا العاب مع خالد كسروا جيشاً من أهل فارس بعد أن نصبوا الموائد ووضعوا طعامهم ليأكلوا، فلما فرغ المسلمون منهم جلسوا فأكلوا ذلك الطعام، والظاهر أنه كان لحماً، فلو حكم بنجاسة ما ذبح ببلدهم لما أكلوا من لحمهم شيئاً، فإذا حكموا بحلّ اللحم فالجبن أولى، وعلى هذا لو دخل أرضاً فيها مجوس وأهل الكتاب كان له أكل جبنهم ولحمهم احتجاجاً بفعل النبي صلى الله عليه وسلم وأصحابه.[1]

٢ – وفي حديث عندالترمذي في السنن والشمائل:

فلبسهما أي: الخف والحذاء حتى تخرقا، لايدري النبي صلى الله عليه وسلم أذكي هما أم لا؟[2]

٣– قال علي القاري في جمع الوسائل شرح الشمائل:

وفيه دلالة على أن الأصل في الأشياء المجهولة الطهارة.[3]

---

(١) المغني لابن قدامة الحنبلي، كتاب الطهارة، باب الآنية، (١/ ٩٠) ط: دار الفكر بيروت.

(٢) شمائل الترمذي المطبوع في آخر سنن الترمذي، باب ماجاء في خفّ رسول الله صلى الله عليه وسلم، (ص:٦) ط: قديمى كراچى.

(٣) جمع الوسائل (للعلامة علي القاري) في شرح الشمائل، باب ماجاء في خفّ رسول الله صلى الله عليه وسلم، (١/ ١٢٨) ط: مصطفي البابي مصر.

٤- قال ملك العلماء في البدائع:

(ومنها:) الميتة التي لها دم سائل وجملة الكلام في الميتات ... وأما الأجزاء [أي: أجزاء الميتة] التي لادم فيها، فإن كانت صلبةً كالقرن والعظم والسن والحافر والخف والظلف والشعروالصوف والعصب والإنفحة الصلبة فليست بنجسة عند أصحابنا ... وأما الإنفحة المائعة واللبن فطاهران عند أبي حنيفة، وعند أبي يوسف ومحمد نجسان، (لهما) أن اللبن وإن كان طاهرا في نفسه لكنه صار نجساً لمجاورة النجس، ولأبي حنيفة قوله تعالى: {وإن لكم في الأنعام لعبرة نسقيكم مما في بطونه من بين فرث ودم لبنا خالصا سائغا للشاربين}... وكذا آية الطهارة، وكذا الآية خرجت مخرج الامتنان والمنة في موضع النعمة تدلّ على الطهارة.(١)

٥- قال في فتح القدير:

(قوله: شعر الميتة) كل ما لاتحلّه الحياة من أجزائها محكوم بطهارته بعد موت ما هي جزءه كالشعر والريش والمنقار والعظم والعصب والحافر والظلف واللبن والبيض الضعيف القشر والإنفحة، لاخلاف بين أصحابنا في ذلك، وإنما الخلاف بينهم في الإنفحة واللبن، هل هما متنجسان؟ فقالا: نعم لمجاورتها الغشاء النجس، فإن كانت الإنفحة جامدة تطهر بالغسل وإلا تعذر طهرهما. وقال أبوحنيفة: ليسا بمتنجسين ... لنا فيها أن المعهود فيها حالة الحياة الطهارة، وإنما يؤثر الموت النجاسة فيما تحلّه،

(١) بدائع الصنائع، كتاب الطهارة، فصل في الطهارة الحقيقية، (١/ ٦٢، ٦٣) ط: سعيد.

ولاتحلّها الحياة، فلايحلّها الموت، وإذا لم يحلّها أوجب الحكم ببقاء الوصف الشرعي المعهود لعدم المزيل.[1]

٦ – وقال ابن نجيم في البحر بعد نقل عبارة الفتح:

أما الإنفحة المائعة واللبن فكذلك عند أبي حنيفة، وعندهما نجس[2]

٧– وقال ابن عابدين في حاشيته على البحر:

إنفحة بكسر الهمزة وفتح الفاء مخففة، كرش الجدي أوالجمل الصغير ما لم يأكل، يقال لها بالفارسية: پنيرمايه.[3]

٨ – وقال في الدرالمختار:

(وشعر الميتة) غير الخنزير على المذهب (وعظمها وعصبها) على المشهور (وحافرها وقرنها) الخالية عن الدسومة، وكذا كل ما لاتحلّه الحياة حتى الإنفحة واللبن على الراجح.[4]

۱– عبارات مندرجہ بالا سے معلوم ہوا کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک غیر مذبوح جانور سے نکالا ہوا "**إنفحة**" (پنیر مایہ) جائز ہے، تو غیر مسلم کا ذبیحہ غیر مذبوح کے حکم میں ہے، اس لیے جائز ہے۔

۲– جائز وحلال ہے، کیوں کہ "**إنفحة**" کی حرمت وحلت کا تعلق ذبح مسلم یا ذبح غیر مسلم

(١) فتح القدير، كتاب الطهارات، باب الماء الذي يجوز به الوضوء، (١/ ٨٤، ٨٥) ط: رشيديه.

(٢) البحر الرائق، كتاب الطهارة، مبحث: طهارة الجلود بالدباغة، (١/ ١٠٧) ط:سعيد.

(٣) منحة الخالق حاشية البحر الرائق، كتاب الطهارة، مبحث: طهارة الجلود بالدباغة، (١/ ١٠٦) ط: سعيد.

(٤) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الطهارة، باب المياه، مبحث الدباغة، (١/ ٢٠٦) ط: سعيد.

سے نہیں، بلکہ اس پر ہے کہ اس میں حیات ہی نہیں ہے، اس لیے موت کا حلول نہیں ہوگا، کیوں کہ موت وحیات میں تقابل عدم ملکہ ہے، تو جب حیات نہیں ہے تو موت بھی حلول نہیں کرے گی، اس لیے احتباس دم مسفوح کی علت نہیں پائی جائے گی، اور اس کا استعمال جائز ہوگا۔ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی اس مسئلہ میں جو اختلاف کیا ہے، اس کی وجہ مجاورتِ نجس ہے نہ کہ ذبح مسلم یا غیر مسلم۔

۳ – جب کہ اکثر ذمہ دار حضرات یہ کہہ رہے ہیں کہ "**إنفحة**" دوسرے جانوروں سے نکالا جاتا ہے یا نباتات سے نکالا جاتا ہے، صرف ایک شخص کا بیان ہے کہ: خنزیر سے کوئی سیال مادہ نکالا جاتا ہے، اور اس سے پنیر بنایا جاتا ہے، جب کہ اس کی تردید بھی دوسرے بیان سے ہوتی ہے، تو اس سے پنیر مشکوک ہو کر حرام نہیں قرار دیا جاسکتا، اور اس کے استعمال کی گنجائش نظر آتی ہے۔

قال في البدائع:

وقالوا في الديباج الذي ينسجه أهل فارس: أنه لاتجوز الصلاة فيه، لأنهم يستعملون فيه البول عند النسج، يزعمون أنه يزيد في بريقه، ثم لايغسلونه؛ لأن الغسل يفسده، فإن صح أنهم يفعلون ذلك فلاشك أنه لاتجوز ... الخ[1]

وقال في الدر المختار:

ما يخرج من دار الحرب كسنجاب إن علم دبغه بطاهر فطاهر، أو بنجس فنجس، وإن شك فغسله أفضل.[2]

صاحبِ بدائع نے دیباج کے استعمال نہ کرنے کا حکم اس صورت میں دیا، جب کہ اہلِ فارس کا پیشاب سے دھونا صحت اور یقین سے معلوم ہو۔

---

(۱) بدائع الصنائع، كتاب الطهارة، فصل في بيان المقدار الذي يصير به المحل نجساً، (۱/ ۸۱) ط: سعيد.

(۲) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الطهارة، باب المياه، مبحث الدباغة، (۱/ ۲۰۵) ط: سعيد.

اسی طرح دوسرے جزئیہ سے اس پر روشنی پڑتی ہے۔ خلاصہ کلام اس سلسلے میں یہ ہے کہ:

۱ – انفحہ کے متعلق اگر یقین سے معلوم ہو جائے کہ اس کو خنزیر کے سیال مادہ سے بناتے ہیں تو قطعاً حرام ہے۔

۲ – غیر مسلم کے ذبح اور مسلم کے ذبح یا بلاذبح جو انفحہ حاصل کیے جائیں گے بشرطیکہ خنزیر نہ ہو، تو وہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جائز ہے، صاحبین کے نزدیک نجس ہے۔

۳ – نباتی انفحہ سے بنایا ہوا پنیر حلال ہے۔

٤– زیادہ تعداد اربابِ خبر اور ذمہ دار حضرات کی یہ رائے ظاہر کرے کہ اس کو خنزیر کے مادۂ سیال سے نہیں بنایا جاتا، ایک شخص کہے کہ: خنزیر کے سیال مادہ سے لیا جاتا ہے تو استعمال جائز ہے۔ البتہ استعمال نہ کرنا بہت بہتر ہے۔ فقط **واللہ تعالی أعلم وعلمه أتم وأحكم**

الجواب صواب	کتبه
محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ	ولی حسن ٹونکی غفر اللہ لہ
	(۱۳۹۲/۳/۲۳ھ)

دار الافتاء مدرسہ عربیہ اسلامیہ، نیو ٹاؤن کراچی

داڑھی ایک مشت سے کم کرنا گناہ کبیرہ ہے / قبضہ یا اس سے کم داڑھی رکھنے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں:

ڈاڑھی قبضہ منصوص ہے یا نہیں؟ اگر منصوص ہے تو کوئی حدیث؟ اگر کم کی جائے تو گناہ یا جواز؟ گناہ ہو تو صغیرہ یا کبیرہ؟

جواب: ڈاڑھی رکھنے کا حکم اور چھوڑنے کا حکم احادیث صحیحہ میں منصوص ہے،[1] اور قبضہ تک چھوڑنا، زیادہ لینا بھی حدیث میں ہے، لیکن اس درجہ کی حدیث نہیں۔[2] نیز اکثر صحابہ کا تعامل قبضہ پر تھا،[3] اس لیے علماء نے یہ لکھا ہے قبضہ سے کم کرنا یا منڈوانا دونوں حدیثوں کے خلاف ہے، منڈوانا گناہ

---

(١) عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: انهكوا الشوارب، وأعفوا اللحى. (صحيح البخاري، كتاب اللباس، باب إعفاء اللحى، (٢/ ٨٧٥) ط: قديمى كراچى).

* صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، (١/ ١٢٩) ط: قديمى كراچى.
* سنن أبي داود، كتاب الترجل، باب في أخذ الشارب، (٢/ ٢٢٥) ط: رحمانيه لاهور.

(٢) عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يأخذ من لحيته من عرضها وطولها. (سنن الترمذي، أبواب الآداب، باب ما جاء في الأخذ من اللحية، (٢/ ١٠٥) ط: قديمى كراچى).

(٣) عن أبي زرعة قال: كان أبوهريرة يقبض على لحيته، ثم يأخذ مافضل عن القبضة. ... عن أنس قال: كانوا يرخصون فيما زاد على القبضة من اللحية: أن يؤخذ منها. (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الأدب، باب ماقالوا في الأخذ من اللحية (١٣/ ١١٢) ط: دارالقبلة، جدة).

* حدثنا مروان يعني ابن سالم المقفع، قال: رأيت ابن عمر رضي الله عنهما يقبض على لحيته، فيقطع ما زاد على الكفّ. (سنن أبي داود، كتاب الصوم، باب القول عند الإفطار (١/ ٣٤٢) ط: رحمانيه لاهور).
* عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما أنه كان يقبض على لحيته، ثمّ يقصر ما تحت القبضة. قال محمد: وبه نأخذ، وهو قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى. (كتاب الآثار للإمام محمد رحمه الله، كتاب الحظر والإباحة، باب حف الشعر من الوجه (ص:٢٠٣) ط: إمداديه ملتان).
* وأخذ مافضل عن القبضة فلابأس، فقد فعله ابن عمر وجماعة من التابعين، واستحسنه الشعبي وابن سيرين. (إحياء علوم الدين، كتاب أسرار الطهارة، النوع الثاني فيما يحدث في البدن، (١/ ١٨٩) ط:دار إحياء التراث العربي، بيروت).
* (قوله: والسنة فيها القبضة) ... [فائدة] روى الطبراني عن ابن عباس رفعه: من سعادة المرء خفة لحيته، واشتهر أن طول اللحية دليل على خفة العقل. (رد المحتار على الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، (٦/ ١٤٧) ط: سعيد).

=

کبیرہ ہے،اس لیے کہ حکم وجوب کے لیےاور ترکِ واجب گناہ کبیرہ ہوتا ہے۔[1] واللہ اعلم

محمد یوسف بنوری

مونچھیں منڈوانا افضل ہے یا کٹوانا؟

سوال: مونچھوں کامنڈوانا افضل ہے یا کہ ان کا کٹوانا؟ نیز کیا باریک مشین مونچھوں پر پھیرنا منڈوانے میں شامل ہے یا نہیں؟ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کا کیا معمول تھا؟

مستفتی: عبداللہ، تعلیم القرآن، چاکیواڑہ، کراچی

جواب: حنفی مذہب میں باریک قینچی یا مشین سے کٹوانا مسنون ہے،[2] منڈانا بہتر نہیں،

---

(١) يحرم على الرجل قطع لحيته. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، (٦/ ٤٠٧) ط: سعيد).

* وقصّ اللحية من صنع الأعاجم، وهو إليوم شعار كثير من المشركين كالأفرنج والهنود، ومن لاخلاق له في الدين من الطائفة القلندرية. (مرقاة المفاتيح، كتاب الطهارة، باب السواك، الفصل الأول، (٢/ ٩١) ط: رشيديه).

* وقد ذكر العلائي في كتاب الصوم قبيل فصل العوارض: أن الأخذ من اللحية وهي دون القبضة كما يفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال لم يبحه أحد، وأخذ كلها فعل يهود الهنود ومجوس الأعاجم. (تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الشهادات ومطالبه، في شهادة محلوق اللحية، (١/ ٣٥١) ط: حقانيه پشاور).

(٢) قال النووي: المختار في قص الشوارب أن يقصه حتى يبدو طرف الشفة ولايحفيه، وأمّا رواية أحفوا فمعناها: "أزيلوا ما طال على الشفتين". وقال القرطبي: قص الشارب أن يأخذ ما طال على الشفة بحيث لايؤدى الأكل ولايجتمع فيه الوسخ، وقال: "الإحفاء" هو القص المذكور وليس بالإستئصال. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب اللباس، باب الترجّل، الفصل الأوّل، (٨/ ٢٨٩) ط: إمداديه ملتان).

* والقص منه حتى يوازي الحرف الأعلىٰ من الشفة العليا سنة بالإجماع. (رد المحتار على الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، (٦/ ٤٠٧) ط: سعيد).

=

لیکن ناجائز بھی نہیں ہے،[1] صرف امام طحاوی کے نزدیک بہتر اور مستحب ہے،[2] مسنون قصّ، وقصر، وجزّ، وحلق۔ مقصد وہی، اوپر تحریر ہوا۔ محمد یوسف بنوری

---

* الفتاوىٰ الهندية، كتاب الكراهية، الباب التاسع عشر في الختان والخصاء ... ، (٥/ ٣٥٨) ط: حقانيه پشاور .

(١) وقد دلّت السنّة على الأمرين، ولا تعارض فإنّ القصّ يدلّ على أخذ البعض والحفاء يدلّ على أخذ الكل، وكلاهما ثابت، وقال العسقلاني: ورجح ذلك ثبوت الأمرين في الأحاديث المرفوعة، كذا حققه السيوطي...وأمّا الحلق فلم يرد بل كرهه بعض العلماء ورآه بدعة. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب اللباس، باب الترجّل، الفصل الأوّل، (٨/ ٢٨٩، ٢٩٠) ط: امدايه ملتان).

* وفيه حلق الشارب بدعة، وقيل: سنّة ، (الدر المختار مع رد المحتار ، كتاب الحظر والإباحة ، فصل في البيع ، (٦/ ٤٠٧) ط: سعيد) .

* الفتاوىٰ الهندية ، كتاب الكراهية، الباب التاسع عشر في الختان والخصاء ... ، (٥/ ٣٥٨) ط: حقانيه پشاور .

(٢) شرح معاني الآثار، كتاب الكراهة، باب حلق الشارب، (٢/ ٣٠٧، ٣٠٨) ط: امداديه ملتان.

* ذكر الطحاوي في شرح الآثار أنّ قص الشارب حسن ... قال : والحلق سنّة وهو أحسن من القص. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الكراهية، الباب التاسع عشر في الختان والخصاء ... ، (٥/ ٣٥٨) ط: حقانيه پشاور).

* رد المحتار على الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، (٦/ ٤٠٧) ط: سعيد.

شریعت میں برقعے کی کوئی ہیئت و کیفیت اور ترکی برقعہ کی شرعی حیثیت

سوال: ۱ – کیا شریعت میں برقعہ کی کوئی ہیئت و کیفیت منقول ہے؟ اگر ہو تو مع الحوالہ تحریر فرماویں۔

۲ – موجودہ ترکی برقعہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا اس میں اور مروجہ سادہ برقعہ میں کوئی فرق ہے؟ اگر ہو تو تفصیلاً تحریر فرماویں، ترکی برقعہ بھی ایسا ہو جس سے ستر بھی حاصل ہو۔ فقط

التماس ہے کہ جواب پر حضرت بنوری مدظلہ کے دستخط ضرور ہوں!

مستفتی: عبدالمجید، مدرس دارالعلوم کبیر والا، ملتان

جواب: ۱– کتبِ تفسیر وحدیث وفقہ کی روشنی سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ستر فرض ہے، اور حجاب بھی فرض ہے، اور شریعت میں اس کے لیے "جلباب" کے استعمال کا حکم دیا گیا ہے، جس کا رواج قرون اولیٰ میں رہا، اور برقعہ کی کوئی ہیئت و کیفیت منقول نہیں، شریعت مطہرہ کا مقصود تستر وحجاب ہے، وہ جس ہیئت و کیفیت سے حاصل ہو جائے، شریعت کا مقصود حاصل ہو جائے گا۔[1]

---

(۱) {يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَابِيبِهِنَّ} [الأحزاب: ٥٩].

* روي عن عبدالله قال: الجلباب الرداء، وقال ابن أبي نجيح عن مجاهد: ينجلببن ليعلم أنهن حرائر ولايعرض لهن فاسق، وروى محمد بن سيرين عن عبيدة: يدنين عليهن من جلابيبهن، قال: تقنع عبيدة وأخرج إحدى عينيه، وحدثنا عبدالله بن محمد قال: ... عن الحسن قال: كن إماء بالمدينة، يقال لهن كذا وكذا يخرجن فيتعرض لهن السفهاء فيؤذونهن، وكانت المرأة الحرة تخرج فيحسبون أنها أمة فيتعرضون لها فيؤذونها، فأمر الله المؤمنات أن يدنين عليهن من جلابيبهن ذلك أدنى أن يعرفن أنهنّ حرائر فلايؤذين". (أحكام القرآن للجصاص، [الأحزاب: ٥٩] باب ذكر حجاب النساء، (٣/ ٥٤٦) ط: قديمى كراچى).

* وعنه (ابن مسعود) عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: المرأة عورة، فإذا خرجت استشرفها الشيطان. رواه الترمذي. (مشكاة المصابيح، كتاب النكاح، باب النظر إلى المخطوبة وبيان العورات، الفصل الثاني، (ص: ٢٦٩) ط: قديمى كراچى).

=

۲ – موجودہ ترکی برقعہ سے اگر تستر وحجاب کا مقصد حاصل ہو جائے تو مناسب ہوگا، البتہ سادہ برقعہ ہر لحاظ سے موجودہ ماڈرن برقعوں سے بہتر ہے، کیوں کہ اس میں تستر تام ہوتا ہے، موجودہ برقعوں میں اس امر کو بھی پیشِ نظر رکھنا چاہیے کہ وہ جاذبِ نظر نہ ہو، اور اس سے جسم کے کسی حصہ کی نمائش نہ ہو۔[1] فقط واللہ اعلم

الجواب صواب — احقر ولی حسن عفي عنه

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ — یکم شعبان ۱۳۸۱ھ

بھنگ، چرس اور افیون کی کاشت، خرید وفروخت اور استعمال کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ:

بھنگ، چرس وغیرہ منشیات کی کاشت اور خرید وفروخت جائز ہے یا ناجائز؟ یہ اشیاء مال متقوم ہیں یا نہیں؟ ان کی کاشت یا تجارت سے حاصل کیا ہوا نفع حلال ہے یا حرام؟ جس شخص کے پاس اس قسم کا مال

---

(۱) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: صنفان من أهل النّار لم أرهما ، قوم معهم سياط كأذناب البقر يضربون بها النّاس، ونساء كاسيات عاريات مميلات مائلات، رؤوسهنّ كأسنمة البخت المائلة لايدخلن الجنّة ولايجدن ريحها، وإن ريحها لتوجد من مسيرة كذا وكذا. (الصحيح لمسلم، كتاب اللباس والزينة، باب النساء الكاسيات العاريات المائلات المميلات، (۲/ ۲۰۵) ط: قديمى كراچى) .

* قيل: معناه تستر بعض بدنها وتكشف بعضه إظهارًا لجمالها و نحوه، وقيل معناه تلبس ثوبًا رقيقًا يصف لون بدنها. (شرح النووي على الصحيح لمسلم، كتاب اللباس والزينة، باب النساء الكاسيات العاريات، (۱۳/ ۹۲) ط: دار الكتب العلمية).

* عن عائشة أنّ أسماء بنت أبي بكر دخلت على رسول الله صلى الله عليه وسلم، وعليها ثياب رقاق ، فأعرض عنها، وقال ياأسماء: إن المرأة إذا بلغت المحيض لن يصلح أن يرى منها إلاّ هٰذا و هٰذا، وأشار إلى وجهه وكفيه. (مشكاة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثالث، (ص: ۳۷۷) ط: قديمى كراچى).

ہو وہ اس کو کیا کرے؟

واضح ہو کہ بھنگ، چرس وغیرہ کی کاشت سے زمین کی قوتِ پیداوار گھٹ جاتی ہے، پھر وہ زمین غلہ کی کاشت کے قابل نہیں رہتی، اور ملک میں قحط پڑ جاتا ہے۔ **بینوا توجروا**

مستفتی: (مولانا) عبدالقیوم، ناظم مطبخ مدرسہ ھذا (۴ محرم الحرام ۱۳۸۰ھ)

جواب: واضح ہو کہ افیون، بھنگ، چرس کا استعمال تداوی کے علاوہ حرام ہے۔ "رد المحتار" حاشیۂ در مختار میں ہے:

قال في الفتح: اتفق مشايخ المذهبين من الشافعية والحنفية بوقوع طلاق من غاب عقله بأكل الحشيش، وهو المسمى بورق القنب لفتواهم بحرمته بعد أن اختلفوا فيها، فأفتى المزني بحرمتها، وأفتى أسد بن عمرو بحلتها؛ لأن المتقدمين لم يتكلموا فيها بشيء لعدم ظهور شأنها فيهم، فلما ظهر من أمرها من الفساد كثير وفشا عاد مشائخ المذهبين إلى تحريمها، وأفتوا بوقوع الطلاق ممّن زال عقله بها.[1]

تداوی کے لیے استعمال جائز ہے۔ "البحر الرائق" میں ہے:

وهو صريح في حرمة البنج والأفيون لاللدواء. وفي البزازية: والتعليل ينادي بحرمته لاللتداوي.[2]

---

(۱) رد المحتار على الدر المختار، كتاب الطلاق، مطلب في الحشيشة والأفيون والبنج، (۳/ ۲۳۹) ط: سعيد.

(۲) البحر الرائق، كتاب الطلاق، مبحث طلاق السكران، (۳/ ۲٤۸) ط: سعيد.

* ردالمحتار على الدر المختار، كتاب الأشربة، (٦/ ٤٥٧) ط: سعيد.
* وشرب البنج للتداوي لابأس به. (الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى الهندية، كتاب الأشربة، (٦/ ۱۲٦) ط: رشيديه).

اوران کی بیع وشرا صحیح ہے؛ کیوں کہ ان میں ایک پہلو جوازِ انتفاع کا بھی ہے اور اسی بناپر ان کی کاشت بھی جائز ہونی چاہیے، اور جب ان کی بیع وشرا صحیح ہے، اور ان میں ایک پہلو جوازِ انتفاع کا بھی ہے، تو یہ مال متقوم ہیں۔ ''در مختار'' اور اس کے حاشیہ ''ردالمحتار'' میں ہے:

ومفاده صحة بيع الحشيشة والأفيون.

(قوله: ومفاده الخ) أي: مفاد التقييد بغير الخمر، ولا شك في ذلك؛ لأنهما دون الخمر وليسا فوق الأشربة المحرمة.(۱)

اور کتابِ مذکور کی کتاب الغصب میں ہے:

(قوله: متقوم)... وفسّره القهستاني بمباح الانتفاع شرعاً. ... فالأولى تفسيره بماله قيمة شرعاً.(۲)

البتہ اگر بھنگ، چرس کی کاشت سے زمین ناقابل کاشت ہو جاتی ہے، تو ان کی کاشت نہ کی جائے۔ یہ ضرور واضح رہے کہ ان منشیات سے کمائی ہوئی دولت في الجملہ خبث سے خالی نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

احقر ولی حسن عفي عنه

مفتی مدرسہ عربیہ اسلامیہ، نیوٹاؤن کراچی/۵

(۴/ محرم، ۱۳۸۰ھ)

اور اس کی کاشت وبیع سے جو رقم حاصل ہوگی وہ بائع کی ملک میں داخل ہوگی، لیکن بکراہت۔ فقط۔ منہ مدظلہ![3]

الجواب صواب

---

(۱) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الأشربة، (٦/ ٤٥٤) ط: سعيد.

(۲) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الغصب، (٦/ ١٧٨، ١٧٩) ط: سعيد.

(3) یہ اضافہ بھی مفتی ولی حسن صاحب کی طرف سے ہے۔

* ثم إن البيع وإن صح لكنه يكره كما في الغاية. (رد المحتار على الدر المختار، كتاب الأشربة (٦/ ٤٥٤) ط: سعيد).

=

ہاں اگر صورت ایسی ہو کہ واقعی ان اشیاء کی کاشت سے غلہ کی اس مقدار میں کمی ہوتی ہے، جس کی اس ملک کے لیے ضرورت ہے، اور باآسانی اس کی تلافی کہیں اور سے نہیں ہو سکتی ہے تو ان اشیاء کی کاشت شرعاً حرام ہو گی، غذا دوا سے مقدم ہے۔[1] واللہ اعلم

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ (۵/ محرم الحرام، ۱۳۸۰ھ)

کسی بزرگ کے سامنے تعظیماً سر جھکانے کا حکم

حكم إحناء الرأس تعظيماً لأحد

سوال: فضيلة العلامة مولانا الجليل الشيخ محمديوسف البنوري حفظه الله! السلام عليكم ورحمة الله وبركاته.

وردتنا المسألة التالية من أحد المسلمين في سيلان، فنرجو التفضل بالإجابة عليها وننشر الإجابة في العرب؛ ليعمّ فائدتها.

هل يجوز إحناء الرأس احتراماً عند ذكر ولي كبير تقديراً لمنزلته، لاعبادة ولا ركوعاً، وإنما إيماءه احترام فقط؟ والسلام على فضيلتكم ورحمة الله.

المخلص: عبدالمنعم العدوي (١٠/ صفرالخير، ١٣٩٠هـ)

جواب: حضرة الأستاذ السيد عبدالمنعم العدوي المحترم وفقه الله لكل خير، تحية وسلاماً!

---

(١) وإنّما كان الضرر يزال شرعًا لما استفيد من القاعدة قبلها، إذ يتفرّع من قاعدة عدم جواز الضرر والضرار إن الضرر يزال. (شرح المجلّة لخالد الأتاسي، القاعدة: ٢٠، الضرر يزال، (١/ ٥٤) ط: مكتبه رشيديه).

إحناء الرأس تعظيماً لأحد لايجوز، بل هو مكروه كراهة تحريم، وكذلك الإحناء إلى حدّ الركوع مكروه أشدّ منه، والسجود تعظيماً لأحدٍ حرام، والسجود عبادة لغيرالله كفر. ثمّ الانحناء أو إحناء الرأس تشبّهاً بالأفرنج يزيد كراهة التشبّه بهم.(١) والسلام عليكم ورحمة الله وبركاته.

مخلصكم: محمديوسف البنوري عفا الله عنه(٢٠/ ٤/ ١٩٧٠هـ)

(١) عن أنس قال: قال رجل: يارسول لله! الرجل منا يلقى أخاه أو صديقه، أينحني له؟ قال: لا، قال: أفيلتزمه ويقبله؟ قال: لا، قال: أفيأخذ بيده ويصافحه؟ قال: نعم. رواه الترمذي. (مشكاة المصابيح، كتاب الآداب، باب المصافحة والمعانقة، الفصل الثاني، (ص:٤٠١) ط: قديمى كراچى).

* (أينحني له) من الانحناء وهو إمالة الرأس والظهر تواضعاً وخدمة (قال: لا) أي: فإنه في معنى الركوع وهو كالسجود من عبادة الله سبحانه. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب الآداب، باب المصافحة والمعانقة، الفصل الثاني، (٩/ ٧٦) ط: مكتبه إمداديه ملتان).
* الانحناء للسلطان أو لغيره مكروه ؛ لأنه يشبه فعل المجوس، كذا في جواهر الأخلاطي، ويكره الانحناء عند التحية، وبه ورد النهي كذا في التمرتاشي. ... ولايجوز السجود إلا لله تعالى كذا في الغرائب. (الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية، الباب الثامن والعشرون في ملاقاة الملوك والتواضع لهم... إلخ (٥/ ٣٦٩) ط: رشيديه).
* وفي الزاهدي: الإيماء في السلام إلى قريب الركوع كالسجود، وفي المحيط: أنه يكره الانحناء للسلطان وغيره. (رد المحتار على الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء، (٦/ ٣٨٣) ط: سعيد).

کتاب الفرائض

میراث کا بیان

”کلالہ“ کی تعریف

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرع متین حسبِ ذیل سوال کے جواب میں:

شریعت میں ”کلالہ“ کی تعریف یوں آئی ہے کہ: ”**من لا ولد له ولا والد**“، اب سوال یہ ہے کہ جس میت کی ماں زندہ ہے، لیکن باپ، دادا یا بیٹا، پوتا زندہ نہ ہوں، کیا وہ کلالہ ہے؟ یا کلالہ اسے کہتے ہیں جس کا باپ، دادا اور ماں بھی زندہ نہ ہو؟ بڑی مہربانی ہوگی، جلدی جواب تحریر فرماویں۔ والسلام

مستفتی: حافظ ریاض احمد اشرفی، خازن روزنامہ جنگ، جنگ بلڈنگز، گوالمنڈی، راولپنڈی

جواب: ”کلالہ“ کے مصداق اور تعریف میں مفسرین اور اہلِ لغت کا شدید اختلاف ہے، بعض حضرات کلالہ کا مصداق میت بتلاتے ہیں، اور بعض حضرات وارث بتلاتے ہیں، اگر مصداق میت لیا جائے تو پھر کلالہ کی تعریف میں اختلاف ہے۔ بہر حال اتنی بات تو سب کے نزدیک مسلم ہے کہ: ”**من لا ولد له ولا والد**“ میں **ولد** کے اندر **ولد الولد** اور **والد** میں **والد الوالد** یعنی جد بھی شامل ہیں۔[1]

---

(١) فظاهر الآية وقول من ذكرناهم من الصحابة يدلّ على أن الميت نفسه يسمّى كلالة ؛ لأنهم قالوا: الكلالة من لا والد له ولا ولد ... والذي يدلّ على أن اسم الكلالة قديقع على بعض الوارثين ... وفي حديث آخر: أن رجلاً سأل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الكلالة، فقال: من مات وليس له ولد ولا والد فورثته كلالة... والبنت أيضاً ليست بكلالة، فإن ترك ابنة أو ابنتين وإخوة وأخوات لأب وأم أو لأب فالبنات لسن بكلالة ... فدلّ ذلك على أنّ الجدّ بمنزلة=

اختلاف اس بات میں ہے کہ آیا ولد سے مراد صرف نرینہ اولاد ہے یا نرینہ اور زنانہ دونوں مراد ہیں؟

اسی طرح والد سے صرف اصولِ ذکور یعنی باپ دادا مراد ہیں یا ذکور واناث دونوں مراد ہیں؟ تو اگر کسی میت کی فروع میں سے صرف اناث یعنی بیٹی اور پوتی اور اصول میں سے ماں، دادی موجود ہوں تو ایسی صورت میں یہ میت کلالہ ہوگا یا نہیں؟ تو اس میں مفسرین کا اختلاف ہے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ رحمہ اللہ صاحبِ تفسیر مظہری فرماتے ہیں کہ: ایسا شخص کلالہ ہے، ان کے نزدیک "کلالہ" صرف اسی شخص کو کہیں گے، جس کے اصول اور فروع میں ذکور نہ ہوں۔ چناں چہ تحریر فرماتے ہیں:

قلت: والمراد بالوالد والولد في تفسيرالكلالة: الذكر من الأصول أو الفروع حتى أنه إذا كان للميت بنت أو أم فهوكلالة أيضاً ... الخ[1]

اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمہ اللہ کے نزدیک "کلالہ" کے تحقق کے لیے اناث اصول و فروع کا نہ ہونا بھی ضروری ہے، ماں، بیٹی کی موجودگی میں میت کلالہ نہ ہوگا، چناں چہ اپنے فوائد میں تحریر فرماتے ہیں:

"آیت کا مطلب یہ ہے کہ جس میت کے خواہ وہ مرد ہو یا عورت، ماں، باپ، بیٹا بیٹی کچھ نہ ہو اور اس کا ایک بھائی یا ایک بہن اخیافی ہو..."

"جاننا چاہیے کہ "کلالہ" کی تفسیر جو یہ کی گئی کہ اس کے باپ، بیٹا نہ ہو، یہ سب کو مسلم ہے، مگر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ دادی اور پوتی کی بھی نفی کرتے ہیں، اور جو حکم باپ، بیٹے کا ہے وہی دادی، پوتی کا فرماتے ہیں، اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے وقت سے یہ اختلاف علما میں چلا آتا ہے۔"

بقول حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے جب حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دادی اور پوتی کی نفی بھی کلالہ کے تحقق کے لیے ضروری ہے تو ماں اور بیٹی کی نفی تو بطریق اولیٰ ضروری ہوگی، اور جب کہ

الأب في خروجه عن الكلالة. (أحكام القرآن للجصاص، [النساء: ١٧٦] باب الكلالة، (٢/ ١٢٥- ١٣٠) ط: قديمى كراچى).

(١) التفسير المظهري، [النساء: ١٧٦] مسائل الفرائض، (٢/ ٣٣) ط: جيد برقى پريس، دهلى.

امامِ مذہب کا قول اس سلسلہ میں آگیا تو ایک مقلد کی حیثیت سے بلاچوں وچرا کے اسی قول کو اختیار کرنا چاہیے، اور کلالہ کی یہ تعریف راجح قرار پائے گی کہ جس کے اصول اور فروع نہ ہوں، نہ ماں، باپ اور دادا، دادی ہوں اور نہ بیٹا، بیٹی اور پوتا، پوتی ہوں۔ **واللہ أعلم وعلمه أتمّ وأحكم**

واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صواب	کتبہ
محمد یوسف بنوری	بندہ محمد احمد الرحمن
	(۲/ربیع الثانی، ۱۳۸۴ھ)
	دارالافتاء مدرسہ عربیہ، نیوٹاؤن کراچی

بیٹی کی موجودگی میں اخیافی بھائیوں کا حصہ کیا ہوگا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرع متین حسبِ ذیل سوال کے جواب میں:

حضرت مولانا اصغر حسین رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا ہے کہ: اخیافی بھائی کو چھٹا حصہ ملتا ہے بشرطیکہ میت کے باپ، دادا موجود نہ ہوں، اور بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی نہ ہوں۔ (مفید الوارثین، فصل تیسری، ذوی الفروض کا بیان، (ص:۱۰۱) مطبوعہ جید برقی پریس دہلی۔ مقام اشاعت دارالائمہ دیوبند)

لیکن دوسری جگہ اسی کتاب کے صفحہ: ۱۰۱ پر ہی ذرا نیچے مثال: ۲ میں یوں تحریر فرمایا ہے:

مسئلہ ۲۴

میـــت

زوجہ	دختر	دس اخیافی بھائی	چچا
آٹھواں	نصف	ثلث	باقی
۳	۱۲	۸	۱

اوپر والے قاعدے کے اعتبار سے تو اخیافی محروم ہونے چاہیے تھے، کیوں کہ مرنے والے کی بیٹی زندہ تھی، لیکن انہیں ۱/۳ دیا گیا ہے، اس کی وجہ کیا ہے؟ بڑی مہربانی ہوگی، جلدی جواب تحریر فرماویں۔ والسلام

مستفتی: حافظ ریاض احمد اشرفی، خازن روزنامہ جنگ، جنگ بلڈنگز، گوالمنڈی، راولپنڈی

جواب: بیٹی کی موجودگی میں اخیافی بھائی، بہن محروم ہیں۔[1]

مفید الوارثین کی مثال میں بیٹی کی موجودگی میں اخیافی بھائیوں کو جو ثلث دیا گیا ہے، اس میں سہو ہوا ہے۔ صحیح تخریج یہ ہوگی:

مسئلہ ۸

میت

زوجہ	دختر	دس اخیافی بھائی	چچا
۱	۴	محروم	۳

چناں چہ مولانا رشید احمد صاحب لدھیانوی نے مفید الوارثین کے ضمیمہ میں تحریر کیا ہے۔ دیکھیے: (مفید الوارثین، (ص:۳۵۳) ناشران: محمد سعید اینڈ سنز، تاجران کتب، قرآن محل، مولوی مسافر خانہ کراچی)

لیکن چوں کہ مثال مولانا اصغر حسین صاحب نے اس مسئلہ کے تحت دی ہے کہ اخیافی بھائی، بہن جب دو ہوں، یا دو سے زیادہ تو ان کو ثلث ملتا ہے۔ مثال:

---

(۱) (قوله: والسدس للواحد من ولد الأم) أي للأخ أو الأخت لأم، ولهم ثلاثة أحوال، ذكر منها اثنتين، والثالثة: أنهم يسقطون بالفرع الوارث وبالأب والجد. (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الفرائض، (٦/ ٧٧٢) ط: سعيد).

* ويسقط أولاد الأم بالولد وإن كان بنتا وولد الابن والأب والجد بالاتفاق، كذا في الكافي. (الفتاوى الهندية، كتاب الفرائض، الباب الثاني في ذووي الفروض، (٦/ ٤٥٠) ط: رشيديه).
* البحر الرائق، كتاب الفرائض، بحث: ذوي الفروض، (٨/ ٤٩٧) ط: سعيد.

مسئلہ ۶

میـــت

شوہر	دادی	دو اخیافی بھائی
۳	1	2

اور یہ دوسری مثال دو سے زیادہ اخیافی بھائیوں کو ثلث ملنے کے لیے لائی گئی ہے، اسی لیے دختر کی جگہ یہاں اخت عینی ہونا چاہیے، سہواً دختر لکھ دیا گیا، اخت عینی اگر ہو تو مسئلہ بحالہ رہے گا۔

مسئلہ ۲۴

میـــت

زوجہ	اخت عینی	دس اخیافی بھائی	چچا
۳	۱۲	۸	۱

واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صواب — کتبہ

محمد یوسف بنوری — بندہ محمد احمد الرحمن

(۲/ربیع الثانی، ۱۳۸۴ھ)

دارالافتاء مدرسہ عربیہ، نیوٹاؤن کراچی

مرحوم شوہر کے بیمہ کی رقم کا حق دار کون؟
جبکہ بیمہ فارم میں بیوی کا نام درج کیا گیا ہو

سوال: گرامی قدر جناب مولانا صاحب!

ایک خانگی فیصلے کے لیے مسئلۂ ذیل کے متعلق آپ کے فتوے کی ضرورت ہے، ازراہِ نوازش جوابی لفافہ کے ذریعہ فیصلہ شرعی سے آگاہ فرمائیں!

زید نے اپنی زندگی کا بیمہ کرایا، اور بیمہ کے فارم میں درج کیا کہ اگر وہ مر جائے تو بیمہ کی رقم اس کی بیوی کو ملے، زید لاولد فوت ہو گیا، اور کمپنی نے بیمہ کی رقم اس کی بیوی کو ادا کر دی۔ کیا اس بیمہ کی رقم سے زید کے بھائیوں اور والد کو بھی کچھ پہنچتا ہے؟ یا زید کی بی بی واحد مالکہ ہے؟ یہاں پر یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ زید کے والد اور بھائیوں نے بیمہ کی رقم کا تقاضا نہیں کیا، اب جب کہ زید کی بیوی نکاح ثانی کرنا چاہتی ہے تو زید کا والد بھائی اور بہنیں اس رقم کا تقاضا کرتے ہیں۔

ازراہِ کرام اپنی پہلی فرصت میں مسئلۂ بالا کا جواب بذریعہ خط دے کر عنایت فرماویں، فقط۔

مستفتی: حاجی عبدالرب اینڈ سنز، سودا گران چائے و کمیشن مرچنٹس، چوک قصہ خوانی، پشاور

جواب: (الف) بیمہ شرعاً ناجائز ہے؛ کیوں کہ وہ ربوا اور قمار پر مشتمل ہے۔ البتہ بیمہ میں کچھ رقم وہ ہوتی ہے جس کو بیمہ کرنے والا قسط وار ادا کرتا ہے، اور بقیہ رقم وہ ہوتی ہے، جو بیمہ کمپنی بطور سود کے ادا کرتی ہے، اوّل الذکر رقم بلاشبہ حلال وطیب ہے، اور ثانی الذکر رقم حرام وخبیث ہے،[1] اور ہر دو رقم کی علیحدہ علیحدہ تعداد بیمہ کمپنی سے باآسانی معلوم ہو سکتی ہے۔

---

(١) قال الله تعالى: {وَأَحَلَّ اللهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا}[البقرة:٢٧٥].

* قال الله تعالى: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ} [المائدة:٩٠].
* وقال الله تعالى: {وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ} [البقرة:١٨٨].
* قال الإمام أبو محمد الحسين البغوي في تفسير هذه الآية: { ولاتاكلوا أموالكم بينكم بالباطل} أي لايأكل بعضكم مال بعض بالباطل، أي من غير الوجه الذي أباحه الله ... والأكل بالباطل أنواع ... وقديكون بطريق اللهو كالقمار وأجرة المغني ... إلخ. (تفسير البغوي، المسمّى بمعالم التنزيل، (٢/ ١٥٩) ط: دار المعرفة، بيروت لبنان).
* عن علي أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم لعن آكل الربوا ومؤكله وكاتبه ومانع الصدقة وكان ينهى عن النوح. رواه النسائي. (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الربوا، الفصل الثالث، (ص:٢٤٦) ط: قديمى كراچى).

=

(ب) بیمہ کرنے والے کا اس طرح تحریر کرنا کہ بیمہ کی رقم فلاں وارث کو دے دی جائے، وصیت کے حکم میں ہے، اور وصیت وارث کے حق میں شرعاً صحیح نہیں الّا یہ کہ وصیت کرنے والے کے بقیہ ورثہ اس میں اپنے حق سے دست بردار ہو جائیں، اگر وصیت کرنے والے کے ورثہ اس کی زندگی میں دست بردار ہو گئے، البتہ اس کے انتقال کے بعد اس پر راضی نہیں تو شرعاً ان کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنی دست برداری سے رجوع کر لیں، لہٰذا وصیت وارث کے حق میں نافذ نہیں ہو گی، اور اس کو ترکہ سمجھ کر سب ورثہ میں تقسیم کیا جائے گا۔ (1)

بصورت مسئولہ ورثۂ زید کو چاہیے کہ بیمہ کی مجموعی رقم سے اصل رقم کو بطور ترکہ تقسیم کریں، ترکۂ زید میں چوتھائی یعنی روپیہ میں ۴ زوجہ کو اور بقیہ ۱۲ بالفرض والتعصیب زید مرحوم کے والد کو ملیں گے، زید کے بھائی اور بہنیں شرعاً محروم ہیں۔ (2)

---

(۱) (ولا لوارثه وقاتله مباشرة) لا تسبيباً كمامرّ (إلا بإجازة ورثته) لقوله عليه الصلاة والسلام: لا وصية لوارث إلا أن يجيزها الورثة. يعني عند وجود وارث آخر ... (وهم كبار) عقلاء فلم تجز إجازة صغير ... إلخ (رد المحتار على الدر المختار، كتاب الوصايا، (٦/ ٦٥٦) ط: سعيد).

* ولاتجوز الوصية للوارث عندنا إلا أن يجيزها الورثة ... ولاتعتبر إجازتهم في حياة الموصي حتى كان لهم الرجوع بعد ذلك، كذا في فتاوى قاضي خان. ويعتبر كونه وارثاً أو غير وارث وقت الموت لاوقت الوصية. (الفتاوى الهندية، كتاب الوصايا، الباب الأول في تفسيرها وشرط جوازها وحكمها ...، (٦/ ٩٠) ط: رشيديه).

* الفتاوى الخانية على هامش الفتاوى الهندية، كتاب الوصايا، فصل في من تجوز وصيته وفيمن لاتجوز وصيته، (٣/ ٤٩٦) ط: رشيديه.

* ولاتعتبر الإجازة حال حياته حتى أنهم لو أجازوا في حياته لهم أن يرجعوا عن ذلك بعد موته. (بدائع الصنائع، كتاب الوصايا، فصل في حكم وجود الموصى به عند موت الموصي، (٧/ ٣٧٠) ط: سعيد).

(۲) (فيفرض للزوجة فصاعداً الثمن مع ولد أو ولد ابن) وأما مع ولد البنت فيفرض لها الربع (وإن سفل والربع لها عند عدمها). (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الفرائض، (٦/ ٧٦٩، ٧٧٠) ط: سعيد).

=

اور سود سے حاصل شدہ رقم بلانیتِ ثواب فقراء ومساکین پر صدقہ کردیں۔[1] فقط واللہ تعالی أعلم وعلمه أتم وأحكم

الجواب صواب

محمد یوسف بنوری عفااللہ عنہ

کتبہ: احقرالعباد ولی حسن عفي عنه

خادم دارالافتاء مدرسہ عربیہ اسلامیہ، نیوٹاؤن کراچی/۵

(یکم جمادی الاولی، ۱۳۸۰ھ)

میت اور اس کے بھائی کے درمیان ان کے نام کی مشترکہ فرم ہو تو اس میں سے بیوہ کو میراث ملے گی یا نہیں؟

سوال: گرامی قدر جناب مولانا صاحب!

زید کی فرم زید اور اس کے بھائی بکر کے نام سے کام کررہی ہے، اور تمام کھاتہ جات اور حساب

---

* ويسقط الإخوة والأخوات بالابن وابن الابن وإن سفل وبالأب بالاتفاق. (الفتاوى الهندية، كتاب الفرائض، الباب الثاني في ذوي الفروض، (٦/ ٤٥٠) ط: رشيديه).

(١) ويردونها أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. اهـ (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، (٦/ ٣٨٥) ط: سعيد).

* وإذا مات الرجل وكسبه خبيث فالأولى لورثته أن يردوا المال إلى أربابه، فإن لم يعرفوا أربابه تصدقوا به. (الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب، (٥/ ٣٤٩) ط: رشيديه).

* قال محمد رحمه الله: وما حصل بسبب حبيث فالسبيل رده (السير: ٣/ ٣) وفي رد المحتار: إذا عرفوهم وإلا تصدقوا بها، لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد علي صاحبها (٥/ ٣٥٥) ويتصدق بلا نية الثواب، إنما ينوي به براء ة الذمة. (مجموعة قواعد الفقه، القواعد الفقهية، (ص:١١٥) ط: مير محمد كتب خانه كراچی).

=

وغیرہ زید، بکر کے نام پر ہیں، زید (لاولد) کی بیوی کو کوئی حصہ پہنچتا ہے یا نہیں؟

مستفتی: حاجی عبدالرب اینڈ سنز، سوداگران چائے و کمیشن مرچنٹس، چوک قصہ خوانی، پشاور

جواب: اس فرم میں زید کا جس قدر سرمایہ ہے، خواہ بطورِ رأس المال یا بطورِ نفع، اس کو شرکت سے جدا کرلیا جائے،[1] اور اس میں حسبِ فرائض میراث جاری کی جائے، زوجۂ زید کو ۱۴ اور والدِ زید کو ۱۲ ملیں گے۔ فقط واللہ تعالی أعلم وعلمه أتم وأحكم

الجواب صواب — کتبہ: احقر العباد ولی حسن عفي عنه

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ — خادم دارالافتاء مدرسہ عربیہ اسلامیہ، نیوٹاؤن کراچی/۵

(یکم جمادی الاولی، ۱۳۸۰ھ)

میت نے اپنے بھائی کے نام پر جائیداد خریدی تو بیوہ کو اس جائیداد سے حصہ ملے گا یا نہیں؟

سوال: گرامی قدر جناب مولانا صاحب!

زید نے کچھ جائیداد غیر منقولہ زید و بکر کے نام پر خریدی ہے، زید کی وفات کے بعد زید (لاولد) کی بیوی کو اس غیر منقولہ جائیداد سے کوئی حصہ پہنچتا ہے یا نہیں؟

مستفتی: حاجی عبدالرب اینڈ سنز، سوداگران چائے و کمیشن مرچنٹس، چوک قصہ خوانی، پشاور

---

(۱) (وتبطل الشركة) أي: شركة العقد (بموت أحدهما) علم الآخر أولا ؛ لأنه عزل حكمي. وفي ردالمحتار: (قوله: بموت أحدهما) ؛ لأنها تتضمّن الوكالة أي شرط لها ابتداء وبقاء ؛ لأنه لايتحقق ابتدائه إلا بولاية التصرف لكلّ منهما في مال الآخر، ولاتبقى الولاية إلا ببقاء الوكالة. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الشركة، فصل في الشركة الفاسدة، (٤/ ٣٢٧) ط: سعيد).

* إنكارها فسخ، وموت أحدهما كذلك علم أولا. (الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى الهندية، كتاب الشركة، الثالث في الفسخ، (٦/ ٢٣٠) ط: رشيديه).

* الفتاوى الهندية، كتاب الشركة، الباب الخامس في الشركة الفاسدة، (٢/ ٣٣٥) ط: رشيديه. =

جواب: کسی کے نام جائیداد خریدنے کی حقیقت یہ ہے کہ اس کو ہبہ کرنا مقصود ہوتا ہے، اور ہبہ کے لیے شرط یہ ہے کہ شئ موہوب وقت ہبہ واہب کی ملک میں ہو،[1] اور ظاہر ہے کہ ملک خرید کے بعد ثابت ہوگی، لہٰذا اس کے بعد کوئی عقد دال علی التملیک ہونا چاہیے، اور اس کے بغیر جس کے نام خریدی گئی ہے، اس کا مالک نہیں ہوگا، بلکہ بدستور وہ ملک مشتری کے رہے گا۔

پس اس بنا پر زید مرحوم نے اپنے بھائی بکر کے نام جو جائیداد خریدی ہے، بکر کی ملک متصور نہیں ہوگی، بلکہ زید مرحوم کی جائیداد قرار پاکر داخلِ ترکہ ہوگی اور مثلِ دیگر ترکہ بیوۂ زید اور والدِ زید پر حسبِ فرائض تقسیم ہوگی۔[2] فقط واللہ تعالی أعلم وعلمه أتم وأحكم

الجواب صواب
محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ

کتبہ: احقر العباد ولی حسن عفی عنہ
خادم دار الافتاء مدرسہ عربیہ اسلامیہ، نیوٹاؤن کراچی/۵
(یکم جمادی الاولی، ۱۳۸۰ھ)

---

(١) وأما مايرجع إلى الواهب فهو أن يكون الواهب من أهل الهبة، وكونه من أهلها أن يكون حرًّا عاقلاً بالغاً مالكاً للموهوب حتى لوكان عبداً ... أو لايكون مالكاً للموهوب، لايصح، هكذا في النهاية. (الفتاوى الهندية، كتاب الهبة، الباب الأول في تفسير الهبة وركنها وشرائطها ... إلخ (٤/ ٣٧٤) ط:رشيديه).

* ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الهبة، (٦/ ٦٨٧) ط: سعيد.
* وشرائط صحتها في الواهب العقل والبلوغ والملك ... وركنها هو الإيجاب والقبول. (البحر الرائق، كتاب الهبة، (٧/ ٢٨٤) ط: سعيد).

(٢) قال تعالى: {وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ... الآية} [النساء:١١].

* {وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّكُمْ وَلَدٌ... الآية } [النساء:١٢].

صرف پوتے پوتیوں کی صورت میں میراث کی تقسیم کی ایک صورت

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرعِ متین کہ زید فوت ہوگیا، نہ اس کا کوئی بھائی ہے، اور نہ کوئی بہن، غرض یہ کہ اصول وفروع میں اس کا کوئی وارث باقی نہیں رہا سوائے اس کے کہ اس کے دو پوتے اور دو پوتیاں رہ گئی ہیں، اب شرعاً ان کو کیا حقوق ملیں گے، یعنی ہر ایک کو کس حساب سے حقِ میراث تقسیم کیا جائے گا؟

مسئلہ ۴

میـــــــــــــــــــــت

ابن الابن	بنت الابن
۲	۲

جواب: بصورت مسئولہ حقوق متقدمہ علی الارث یعنی تجہیز وتکفین، ادائے دین، اجرائے وصیت کے بعد ترکۂ مرحوم اس طرح تقسیم ہوگا کہ کل ترکہ میت کو چھ حصوں میں تقسیم کرلیا جائے، دو دو سہام پوتوں کو اور ایک ایک سہم پوتیوں کو دے دیا جائے، صورت تقسیم یہ ہوگی:

مسئلہ ۶

میـــــــــــــــــــــــــــــت

ابن الابن	ابن الابن	بنت الابن	بنت الابن
۲	۲	۱	۱

واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صواب

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ

کتبہ: احقر ولی حسن عفي عنہ

خادم دار الافتاء مدرسہ عربیہ اسلامیہ، نیوٹاؤن کراچی/۵

(یکم جمادی الاولی، ۱۳۷۷ھ)

Tel: +92-21-34927233 Ext. 146-147
E-mail: bayyinat@banuri.edu.pk
www.banuri.edu.pk